قومی نصاب ۲۳۔۲۰۲۲ء کے مطابق

درسی کتاب

اُردو (لازمی)

دسویں جماعت کے لیے

قومی نصاب کونسل
وزارتِ برائے وفاقی تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت حکومتِ پاکستان

نیشنل بک فاؤنڈیشن
بطور
وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ، اسلام آباد

حکومتی منظوری

اس درسی کتاب کی منظوری قومی نصاب کونسل، وزارت وفاقی تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت، اسلام آباد کی جانب سے خط نمبر F.1(10)/2024/NCP-NOC/NBF/Urdu، مورخہ 8 نومبر، 2024ء کے ذریعے دی گئی ہے۔

© نیشنل بک فاؤنڈیشن بطور وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ

اس اشاعت کے تمام حقوق محفوظ ہیں۔ اس اشاعت کا کوئی بھی حصہ بغیر نیشنل بک فاؤنڈیشن کی تحریری اجازت کے کسی بھی شکل یا طریقے سے، خواہ وہ الیکٹرانک، میکانیکی، فوٹو کاپی، ریکارڈنگ، یا کوئی اور طریقہ ہو، دوبارہ تخلیق، ذخیرہ یا منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ غیر مجاز استعمال، نقل، یا تقسیم حق سے ممنوع ہے اور قانونی کارروائی کا سبب بن سکتی ہے

درسی کتاب اردو دہم جماعت کے لیے

(قومی نصاب 23-2022 کے مطابق)

مصنفین

پروفیسر امجد اقبال (منتظم مصنف)، ڈاکٹر فردوس کوثر (شریک مصنف)

معاونین

شہزاد احمد، شاہد و عریجہ (ڈیزائنر)

نگران نصاب اور جائزہ

ڈاکٹر شفقت علی جنجوعہ

ڈائریکٹر، قومی نصاب کونسل، وزارت وفاقی تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت، حکومت پاکستان، اسلام آباد

قومی نصاب کونسل کی جائزہ کمیٹی کے ممبران

ڈاکٹر سید تجمل حسین شاہ، شبانہ نعیم، وجیہہ رضوی، صائمہ عباس

ڈیسک آفیسر: عبدالمنان (ڈپٹی ایجوکیشنل ایڈوائزر)

نگران درسی کتب نیشنل بک فاؤنڈیشن

مراد علی مہمند، منیجنگ ڈائریکٹر، نیشنل بک فاؤنڈیشن

انچارج درسی کتب نیشنل بک فاؤنڈیشن

منصور احمد، اسسٹنٹ ڈائریکٹر

TEST EDITION

یہ درسی کتاب پاکستان میں پرنٹ کی گئی ہے

اشاعت اول۔ طباعت اول: فروری 2025 | صفحات: 174 | تعداد: 100000

قیمت: -/260 روپے، کوڈ: STU-517، آئی ایس بی این: 978-969-37-1722-8

طابع: موسیٰ احمد رحمان پرنٹرز، راولپنڈی

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی دیگر اشاعتوں کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رابطہ کیجیے، ویب سائٹ www.nbf.org.pk ملاحظہ کریں۔
آپ ہمیں اس نمبر 051-9261125 پر فون یا ای میل books@nbf.org.pk کے ذریعے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔
اس درسی کتاب کے بارے میں اپنی رائے دینے کے لیے nbftextbooks@gmail.com اور textbooks@snc.gov.pk پر ای میل کیجیے۔

نوٹ: اس کتاب میں شامل تمام تصاویر، آرٹ ورک، نقشہ جات وغیرہ صرف تعلیمی اور تشہیری مقاصد کے لیے ہیں، جو عوامی مفاد کے لیے فائدے مند ہیں۔

پیش لفظ

دسویں جماعت کے لیے اُردو کی یہ درسی کتاب قومی نصاب ۲۳۔۲۰۲۲ء کے مطابق تیار کی گئی ہے۔ انتظامیہ نے درسی کتب کی تیاری کے معیار، اصولوں اور ہدایات کے مطابق نئے ڈیزائن اور ترتیب سے اِسے پیش کیا ہے۔

دسویں جماعت کے طلبہ کو زبان اور ادب کے مختلف اور متنوع اندازِ بیان، عبارتوں، محضروں اور اُن کی خصوصیات سے آگاہ ہو جانا چاہیے تاکہ جہاں اِس سطح پر وہ اچھے قاری اور لکھاری بن سکیں، وہاں اعلیٰ سطح کی تعلیم کی لیے بھی تیار ہو سکیں۔ لائبریری سے تعلق، وسعتِ مطالعہ اور تحقیق کی لگن پیدا کرنا اِس سطح کی درسی کتاب کا نصب العین ہوتا ہے۔ چناں چہ اِس کتاب میں اسباق کو اِس طرح سے مرتب کیا گیا ہے کہ مختلف نثری اور منظوم عبارتوں کا مطالعہ؛ طلبہ کو اُردو کی وسعت، اہمیت اور اہلیت سے روشناس کرا سکے۔ اِس درجے کے ہر سبق میں مختلف اصناف کا تعارف بھی دیا گیا ہے تاکہ طلبہ عبارتوں کو بھی پڑھنے کی طرف راغب ہوں، جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ عام طور پر اِس درجے کی کتاب میں اساتذہ کے لیے معاون نکات نہیں دیے جاتے لیکن دسویں جماعت کی سطح پر اُردو زبان و ادب کی تدریس و تعلم کی ضرورتوں کے پیشِ نظر ہر سبق میں "برائے اساتذہ کرام" اور سرگرمیاں بھی شامل کی گئی ہیں۔ اساتذہ سے گزارش ہے کہ دسویں جماعت میں مزید تشریحات اور معلومات سے طلبہ کو مستفید کریں اور تحریر و مطالعہ کی عملی سرگرمیوں میں انھیں شامل کریں۔

معیار کی رفعت، تدریسی حاصلات، ذہنی رسائی اور اُسلوب کی پیروی ہمارا نصب العین ہے۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن نے موثر تدریسی مراحل کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اور خصوصی کوششیں بہ رُوئے کار لاتے ہوئے مواد اور مثالوں سے اِس درسی کتاب کو شائع کیا ہے۔ اِس ضمن میں مولفین اور نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد کی ٹیم کی کاوشیں لائقِ تحسین ہیں۔ قومی نصاب ۲۳۔۲۰۲۲ء کی پانچوں مہارتوں یعنی سننا، بولنا، پڑھنا، لکھنا اور زبان شناسی کے تمام حاصلاتِ تعلم کی روشنی میں اسباق کی مشقیں تیار کی گئی ہیں اور قومی نصاب کے تمام مجوزہ عنوانات کو بھی شامل نصاب کر دیا گیا ہے۔

ممکنہ حد تک کوشش کی گئی ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک ہو۔ حکومتِ پاکستان کی ہدایات کے مطابق کتابوں میں اس بات کو بھی یقینی بنایا گیا ہے کہ مختلف حوالوں سے وزارتِ مذہبی امور کی جانب سے حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے حوالے سے جو نوٹیفکیشن جاری ہوتے رہے ہیں اُن پر بھی مکمل طور پر عمل کیا جائے۔ تاہم پھر بھی آپ سے درخواست ہے کہ اگر اِس کتاب میں کسی قسم کی لسانی اور علمی نوعیت کی غلطیاں ملیں تو ہمیں اُن سے آگاہ فرمائیں اور مزید بہتری کے لیے اپنی تجاویز دیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اِن کی درستی کی جا سکے۔ اِس کے لیے ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہو گا۔ قومی نصاب ۲۳۔۲۰۲۲ء کے مطابق تیار کی گئی اُردو لازمی دسویں جماعت کے لیے "کا یہ ٹیسٹ ایڈیشن ہے اِس لیے بالخصوص معزز اساتذہ کرام کی جانب سے وصول ہونے والی قیمتی آرا اور تجاویز کا احترام کیا جائے گا اور اُن پر عمل درآمد بھی یقینی بنایا جائے گا۔

نئی تیار کردہ اس سیریز کی یہ درسی کتاب اب تدریس کے لیے طلبہ اور اساتذہ کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

مراد علی مہمند

مینجنگ ڈائریکٹر

اس نصابی کتاب کی روزمرہ زندگی میں افادیت

دنیا کے تمام معاشروں اور تہذیبوں میں قومی زبان کو ایک بنیادی پہچان اور شناخت سمجھا جاتا ہے اور اسی بنا پر زبان وادب کی تدریس و تعلّم کو بھی لازمی قرار دیا جاتا ہے۔اس سے انسان کو اپنے اظہار وابلاغ میں نکھار پیدا کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔زندگی میں آگے چل کر وہ کسی بھی شعبے یا علم و فن کا انتخاب کر لے،اپنی بات کو بہتر اور متاثر کن انداز میں بیان کرنے سے قاصر نہیں رہتا۔اسی نقطۂ نظر کو پیشِ نظر رکھ کر دسویں جماعت کی اُردو لازمی کی کتاب کے مواد کو ترتیب دیا گیا ہے۔اسے پڑھ کر طلبہ کو زبان وادب کے مختلف اندازِ بیان اور مصنفوں کی خصوصیات سے واقفیت ہو جائے گی۔ تمام اسباق میں مصنفین اور شعرا کے تعارف میں حوالے کے طور پر دیگر کتب کی بھی نشان دہی کر دی گئی ہے تاکہ طلبہ میں وسعتِ مطالعہ اور تحقیق کا ذوق و شوق پیدا ہو،اُردو زبان کی وسعت، مطالعے،زرخیزی،اہمیت اور افادیت کا احساس جاگزیں ہو سکے۔

سبق اخلاقِ نبوی ﷺ'' کو پڑھ کر طلبہ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے روزمرہ کے معاملات اور معمولات میں پیروی اور تقلید کو ممکن بنا کر نہ صرف اپنی سیرت و کردار اور اخلاقیات کو سنوار سکتے ہیں بلکہ ایک پُرامن معاشرے کی تشکیل میں نمایاں حصّہ لے سکتے ہیں۔ حاصلاتِ تعلّم کی روشنی میں مختلف باتوں،پیغامات،نشریات اور کہانیوں اور مکالموں کو سُن کر اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی مہارت حاصل ہو جائے گی۔

سبق محسن محلہ'' میں انسانوں کے سماجی رویّوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔اسے پڑھ کر طلبہ میں یہ احساس پیدا کرنے میں مدد ملے گی کہ انسان ہی انسانوں کے کام آتا ہے۔ ہمیں منافقانہ روش سے بچنا چاہیے۔دوسروں کے غم دُکھ اور تکلیف میں شریک ہونے ہی میں عظمت ہے۔

سبق کفارہ'' کو پڑھ کر طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ روزمرہ زندگی میں کسی ایک موضوع کی خوبیاں اور خامیاں،اعتماد سے دلائل کے ساتھ پیش کر سکیں۔مزید یہ کہ ہمیں اپنے دوست احباب کے ساتھ بدگمانی نہیں رکھنی چاہیے۔بدگمانیاں بعض اوقات ہم سے ایسے جرائم کا ارتکاب کرا بیٹھتی ہیں جو زندگی بھر ہمارے لیے پچھتاوا بن جاتے ہیں۔اس لیے ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا رویہ رکھنا چاہیے۔

سبق چغل خور'' ایک لوک کہانی ہے جسے پڑھ کر طلبہ میں نہ صرف یہ ذوق و شوق پیدا ہوگا کہ پاکستان کے مختلف علاقوں کی تہذیب و ثقافت،اقدار اور روایات سے آگاہ ہوں بلکہ اُنھیں اس بات کا احساس ہوگا کہ خواہ مخواہ اور جھوٹ پر مبنی پھیلائی گئی باتوں پر بغیر تحقیق کے یقین اور عمل نہیں کرنا چاہیے۔یہ طرزِ عمل ہمارے معاشرے کے لیے درست نہیں۔

سبق دستک'' پڑھنے سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ نیکی کے کام میں تاخیر سے کام نہیں لینا چاہیے۔اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں کسی وصف اور ہنر سے نوازر کھا ہے تو اسے رفاہِ عامہ کے لیے استعمال کرنے ہی میں عظمت ہے۔ سبق میرا گاؤں'' کو پڑھ کر یہ احساس بیدار ہوگا کہ عالمی تقاضوں، معاشرتی اور سماجی رابطوں کے لیے معلومات حاصل کرنا کتنا ضروری ہے۔

سرسید کا بچپن'' میں ایک بڑی شخصیت کے بچپن کے حالات کو بیان کیا گیا ہے تاکہ طلبہ اپنی شخصیت میں وہ اوصاف پیدا کر لیں تاکہ مستقبل میں ایک مفید شہری بن سکیں۔

سبق سویرے جو کل آنکھ میری کھلی'' پڑھ کر طلبا و طالبات طنز و مزاح کی اہمیت و افادیت سے آگاہ ہوں گے۔لغت اور تھیسارس کا استعمال سیکھ سکیں گے۔ سبق بابل کے کھنڈر'' پڑھ کر طلبہ کو دوسرے ملکوں اور تہذیبوں کی ثقافت، تاریخ اور رسم و رواج سے واقفیت حاصل ہو گی۔ گلوبل

ویلیج کے زمانے میں اقوام عالم کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوگی جس سے تہذیبوں کے درمیان تصادم کی بہ جائے مکالمے کی فضا پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔ سبق "کچھ ذریعۂ تعلیم کے بارے میں" سے طلبا و طالبات کو اس بات کی آگاہی ہوگی کہ اُردو زبان کو سرکاری زبان بنا کر کس طرح ذریعۂ تعلیم بنایا جا سکتا ہے، طلبہ میں یہ شعور اجاگر ہوگا کہ قومی زبان کو بہ طور "پہلی زبان" پڑھ کر ہی دنیا کی قوموں نے ترقی کی ہے۔

حصہ شاعری کی تدریس و تعلم کا مقصد یہ ہے کہ طلبا و طالبات اپنی داخلی دنیا کی واردات، اپنی ذات اور شعور و آگہی کا انکشاف و اظہار کر سکیں کیوں کہ ایک انسان کے جذبات و احساسات، تخیل کے ساتھ مل کر ایک خاص نظم کے تحت مخصوص ہیئت میں اظہار کی راہ پاتے ہیں تو اس سے شاعری وجود میں آتی ہے۔ یہ اظہار دوسرے انسانوں کو فرحت اور لذت بخشتا ہے اُن کے احساسِ حُسن اور ذوقِ جمال کی تشفی کا باعث بنتا ہے۔ ادب اور فن اس جمالیاتی پہلو کے بغیر وجود میں ہی نہیں آسکتے۔

حمد اور نعت کے تدریس سے طلبہ میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت اور عقیدت کو اجاگر کرنا مقصود ہے۔ اس کے علاوہ اشعار کو پڑھ کر طلبہ تبصرہ و تشریح کرتے ہوئے اپنی بات کو مدلل انداز میں بیان کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

"خطاب بہ جوانانِ اسلام" کا مطالعہ کرنے سے طلبہ میں یہ سوچ اجاگر ہوگی کہ ہمیں کس طرح اپنے ملک و ملت کے لیے کار آمد شہری بننا ہے۔ طلبہ زندگی کے مثبت اور متحرک پہلوؤں اور زاویوں کی جانب راغب ہوں گے کیوں کہ شاعرِ مشرق کے کلام کی منشا یہی تھی۔

"آمدِ صبح" اس اعتبار سے مفید ہوگی کہ قدرت کے حسین مناظر اور صبح کے ماحول سے ہم کس طرح لطف اندوز ہو سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ طلبہ اس بات سے بھی آگاہ ہو جائیں گے کہ شعرائے کرام نے واقعہ کربلا کو کس انداز میں شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ کربلا کے شہدا کی قربانیوں کو بھی یاد کرتے ہوئے یہ جان سکیں گے کہ ہمیں حق اور سچ کی خاطر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ ظلم اور ظالم کے خلاف ڈٹ جانا چاہیے۔

آدمی نامہ" سے طلبہ کو پتا چلے گا کہ معاشرے میں آدمی کی مختلف صورتیں ہیں جن سے انسانی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ رویوں اور مزاج کا یہی تنوع روزمرہ زندگی میں سب کے ساتھ چلنے اور انسانوں کو اُن کی خوبیوں خامیوں سمیت قبول کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

نظم "وغیرہ" کو پڑھنے سے یہ بات سیکھنے کا موقع ملے گا کہ طنز و مزاح سے کیسے لطف اندوز ہونا ہے اور مختلف سماجی، ذاتی اور دیگر معاملات کو کیسے ہلکے پھلکے، شگفتہ انداز میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

حصہ غزلیات کی تدریس سے اس نکتے کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ الفاظ کو درست تلفظ، اُتار چڑھاؤ اور آہنگ سے کس طرح ادا کیا جائے۔ طلبہ اس قابل ہوں گے کہ مختلف قسم کے خیالات، آرا اور رویوں کا تعلق سمجھ کر اپنی رائے دے سکیں۔ قاموس مترادفات، انسائیکلوپیڈیاز، لغات سے مواد کی تلاش اور کسی موضوع کے حق یا مخالفت میں مدلل بات کرنا سیکھ سکیں گے۔ حصہ غزل پڑھ کر طلبہ یہ بات بھی سیکھیں گے کہ ایک ہی بات کو مختلف اور منفرد اسالیب اور ذریعوں سے بیان کر سکیں۔

فرہنگ سے مشکل الفاظ کے معانی سمجھنے اور ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ممکن ہو سکے گا۔ اپنے تئیں موجودہ کتاب کا تعلق روزمرہ زندگی سے جوڑ دیا ہے۔ اساتذہ کرام اور والدین سے گزارش ہے کہ اپنے مثبت افکار و خیالات سے بھی مستفید فرمائیں تاکہ اس عبارت کو مزید جامع اور پُر اثر بنایا جا سکے۔

امجد اقبال (ایسوسی ایٹ پروفیسر)

منتظم مصنف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

فہرست اسباق

نمبر شمار	عنوان		صفحہ نمبر
	حصہ نثر		
۱۔	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (سیرت)	شبلی نعمانی	۷
۲۔	محسن محلہ (افسانہ)	اشفاق احمد	۱۶
۳۔	کفارہ (افسانہ)	منشی پریم چند	۲۲
۴۔	چغل خور (لوک کہانی)	شفیع عقیل	۳۵
۵۔	دستک (ڈراما)	میرزا ادیب	۴۴
۶۔	اولڈ ایج ہوم	میرزا ادیب	۵۵
۷۔	میرا گاؤں (ناول)	غلام الثقلین نقوی	۶۹
۸۔	سرسید کا بچپن (سوانحی مضمون)	الطاف حسین حالیؔ	۸۰
۹۔	سویرے جو کل آنکھ میری کھلی (طنز و مزاح)	پطرس بخاری	۸۸
۱۰۔	بابل کے کھنڈر (دنیا میرے آگے)	جمیل الدین عالیؔ	۹۷
۱۱۔	کچھ ذریعہ تعلیم کے بارے میں (مضمون)	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	۱۰۶
	(حصہ نظم)		
۱۔	حمد	امیرؔ مینائی	۱۱۴
۲۔	نعت	ماہرؔ القادری	۱۱۹
۳۔	خطاب بہ جوانانِ اسلام	علامہ اقبالؔ	۱۲۳
۴۔	آمدِ صبح	میر انیسؔ	۱۲۸
۵۔	آدمی نامہ	نظیرؔ اکبر آبادی	۱۳۵
۶۔	وغیرہ (ہے آپ کے ہونٹوں پہ جو مسکان وغیرہ)	انورؔ مسعود	۱۴۱
	(حصہ غزل)		
۱۔	بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے	مرزا غالبؔ	۱۴۶
۲۔	اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا	مومن خان مومنؔ	۱۵۳
۳۔	ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی	حسرتؔ موہانی	۱۵۹
۴	یوں کہنے کو پیرایۂ اظہار بہت ہے	زہرا نگاہ	۱۶۳
•	فرہنگ		۱۶۷

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

۱

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

سننا
- عمدہ سامع کے طور پر الفاظ، جملوں، مصرعوں، شعروں، نظموں وغیرہ کے تلفظ، آہنگ، لحن، لے اور ادائی سے شعوری طور پر لطف اندوز ہو سکیں۔

بولنا
- کسی بات، پیغام، کلام، نشریات، کہانی، مکالمے کو سُن کر ترتیب سے دہرا سکیں۔

پڑھنا
- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر متعلقہ سوالات (براہ راست، بالواسطہ اور کثیر الجہت) کے جوابات دے سکیں۔
- مصنف کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- مفہوم برقرار رکھتے ہوئے متفرق طریقوں سے عبارت یا جملوں میں تبدیلی کرتے ہوئے انھیں مزید آگے بڑھا سکیں۔

لکھنا
- مختلف تحریری سرگرمیوں میں الفاظ کے درست اِملا کا خیال رکھتے ہوئے تحریری کام پر نظرثانی اور ادارت (پروف ریڈنگ) کر سکیں۔

قواعد/زبان شناسی
- واحد جمع (جمع مکسر، جمع سالم) بنا سکیں اور استعمال کر سکیں۔
- جمع الجمع کا تحریر میں برمحل استعمال کر سکیں۔
- علاماتِ اوقاف (سکتہ، ختمہ، وقفہ، واوین، قوسین، استعجابیہ، استفہامیہ، تفصیلیہ، رابطہ، ترچھا خط) کو پہچان سکیں اور تحریری اظہار میں اس کی اہمیت سے آگاہ ہو سکیں۔

خاص	پَیہَم	جاہ پَسند	دائمی	دقیق	صاع
الفاظ	ظِلِّ عاطِفَت	غَیر مُتبدِّل	مَتانَت	مُعَروض	ناگہانی

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- اُردو زبان و ادب میں سیرت نگاری کے حوالے سے شبلی نعمانی کے اسلوب اور تکنیک سے طلبہ کو نکات کی صورت میں آگاہ کریں تاکہ سبق پڑھ کر طلبہ خود بھی شبلی نعمانی کے اسلوب اور تکنیک پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈال سکیں۔

مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء)

اُردو کے ارکانِ خمسہ میں ایک اہم نام شبلی نعمانی کا ہے۔ وہ ایک پُر وقار علمی شخصیت کے مالک تھے اور اپنے عہد میں عالم دین، مورخ، نقاد، شاعر، فلسفی، معلم، مقرر، مصلح اور ماہر لسانیات کے طور پر جانے جاتے تھے۔ انھوں نے علی گڑھ یونی ورسٹی سے تعلیم حاصل کی تھی جس نے اُن کی شخصی خوبیوں کو خوب جلا بخشی۔ انھیں اردو کے علاوہ فارسی اور عربی زبانوں پر عبور حاصل تھا اور انگریزی بھی جانتے تھے۔ وہ بہ یک وقت علی گڑھ اور ندوہ کی دو علمی اصلاحی اور مذہبی تحریکوں کا حصہ تھے۔ وہ انگریزی زبان سیکھنے اور سائنسی علوم تک رسائی حاصل کرنے کے حامی تھے۔

شبلی نعمانی نے اسلامی تاریخ کی معروف شخصیات کی سوانح عمریاں قلم بند کیں۔ انھوں نے "دار المصنفین" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس میں اسلامی سوچ کے حامل مصنفین کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ ۱۸۸۳ء میں انھوں نے "شبلی کالج" کے نام سے ایک اور ادارہ بھی قائم کیا۔ شبلی ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج سیرت کے میدان

میں ہمارے پاس مختلف لوگوں کی کتابیں رہ نمائی کے لیے موجود ہیں۔ شبلی نعمانی نے اپنی زندگی میں سیرت النبی ﷺ پر کام شروع کیا تھا لیکن صرف دو ہی جلدیں لکھ پائے۔ اسے بعد میں اُن کے ہونہار شاگرد سید سلیمان ندوی نے مکمل کیا۔

آپ کی تصانیف میں سیرت النبی ﷺ کے علاوہ، سیرت النعمان (حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ)، الفاروق (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) المامون (عباسی خلیفہ مامون الرشید)، الغزالی (امام غزالی) امام ابن تیمیہ، اورنگ زیب عالم گیر لکھ کر سیرت و سوانح کو اُردو زبان و ادب میں متعارف کرایا۔ فارسی شاعری کی تاریخ پر "شعر العجم"، مذہبی حوالے سے مسلمانوں کی رہ نمائی کے لیے "علم الکلام" اور ایک "سفر نامہ روم و مصر و شام" جو، اُن کے خلافتِ عثمانیہ کے دورے کا احوال ہے، بھی لکھا۔ اُن کی تصانیف سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- اخلاقیات سے کیا مراد ہے؟
- سیرت النبی ﷺ میں اخلاق کی اہمیت کیا ہے؟
- اردو سیرت نگاری کی ابتدا کب اور کس نے کی؟

اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اخلاقِ حسنہ کا جو پہلو پسند کرے، اُس کی اِس شدت سے پابندی کرے اور اِس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اُس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کر لیں کہ اِس شخص سے اِس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو نہیں سکتی، گویا اِس سے یہ افعال اِس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل اور پھول سے خوش بُو کہ یہ خصوصیات اِن سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتیں، اِسی کا نام استقامتِ حال اور مداومتِ عمل ہے۔

آں حضرت ﷺ اپنے تمام کاموں میں اِسی اصول کی پابندی فرماتے تھے، جس کام کو جس طریقے سے جس وقت آپ ﷺ نے شروع فرمایا، اُس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے تمام اخلاق و اعمال اِس قدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی تمام عمر، ان میں ایک ذرہ فرق نہیں پیدا ہوا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آں حضرت ﷺ کی عبادات و اعمال کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ ﷺ کسی خاص دن یہ کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا لاکان عملہ دیمۃ" آپ ﷺ کا عمل جھڑی ہوتا تھا، یعنی جس طرح بادل کی جھڑی برسنے پر آتی ہے تو نہیں رُکتی، اِسی طرح آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ ﷺ نے اختیار کر لی ہمیشہ اسی کی پابندی کی۔

آپ ﷺ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے۔ مجالسِ صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے اور اِس کا اظہار نہ کرتے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے جب نکاح ہوا اور دعوتِ ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھے رہے۔ اس وقت پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی مجلس میں شریک تھیں۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ جائیں لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ آپ ﷺ اٹھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حُجرے تک گئے، واپس آئے تو اُسی طرح مجمع موجود تھا، پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے، پردے کی آیت اِسی موقعے پر اتری۔

حجۃ الوداع میں آں حضرت ﷺ صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ دو صاحب آکر شامل ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُن کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پاؤں کے دُرست معلوم ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اِس میں سے دے سکتا ہوں لیکن غنی اور تن دُرست، کام کرنے کے لائق لوگوں کا اِس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

قبیصہ نام کے ایک صاحب تھے وہ مقروض ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس آئے تو اپنی حاجت عرض کی۔ آپ ﷺ نے وعدہ کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: اے قبیصہ! "سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے۔ ایک اُس شخص کو جو قرض سے زیادہ زیر بار ہو، وہ مانگ سکتا ہے لیکن جب اُس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اُس کو رک جانا چاہیے، دوسرے اُس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آگئی جس نے اُس کے تمام مالی سرمائے کو برباد کیا، اس کو اُس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اُس کی حالت کسی قدر دُرست نہ ہو جائے، تیسرے اُس شخص کو جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلے کے تین معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہاں اس کو فاقہ ہے۔ اِس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔"

آں حضرت ﷺ کے صاحب زادے ابراہیم نے جس روز انتقال کیا، اتفاق سے اس روز سورج گرہن لگا۔ لوگوں کے خیال میں ایک پیغمبر کی ظاہری عظمت کا فرضی تخیل یہ تھا کہ اس درد و صدمے سے کم از کم اجرام سماوی میں انقلاب پیدا ہو جائے۔ لوگوں نے اِس اتفاقی واقعے کو اسی قسم کے واقعے پر محمول کیا، ایک جاہ پسند انسان کے لیے اِس قسم کا اتفاق بہترین موقع ہو سکتا تھا لیکن نبوت کی شان اِس سے بہ درجہا ارفع و اعلیٰ ہے۔ آں حضرت ﷺ نے اسی وقت لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور خطبہ دیا کہ چاند اور سورج میں گرہن لگنا، خدا کی آیاتِ قدرت میں سے ہے، کسی کی زندگی اور موت سے اِن میں گرہن نہیں لگتا۔

مصنفینِ یورپ کا عام خیال ہے کہ آں حضرت ﷺ جب تک کے میں تھے، پیغمبر تھے۔ مدینے میں پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عرب کے زیرِ نگیں ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صحیح بخاری باب الجہاد" میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ ﷺ کی زِرہ ایک یہودی کے یہاں تین صاع جو پر گروی تھی۔ جن کپڑوں میں آپ ﷺ نے وفات پائی اُن میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تمام علاقہ، حدودِ شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا ہے اور مدینے کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آچکا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آں حضرت ﷺ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کو پانی مانگا۔ میں نے بکری کا دودھ پیش کیا۔ مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سامنے اور ایک بدّو داہنی طرف تھا۔ آپ ﷺ نے پی لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا یعنی بقیہ اِن کو عنایت ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے۔ یہ کہہ کر بچا ہوا دودھ بدو کو عنایت فرمایا۔

قریش اپنے فخر و امتیاز کے لیے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے لیکن آں حضرت ﷺ نے اِس تفریق کو کبھی پسند نہ فرمایا۔ بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد بھی ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مقام کرتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہیں خاص طور سے کوئی عمدہ جگہ دیکھ کر آپ ﷺ کے لیے مخصوص کر دی جائے اور وہاں سائے کے لیے کوئی چھپر ڈال دیا جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ تجویز پیش کی تو فرمایا: "جو پہلے پہنچ جائے اسی کا مقام ہے۔"

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آں حضرت ﷺ ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے۔ مدینے میں آکر سب سے پہلا کام مسجدِ نبوی کی تعمیر تھی۔ اِس مسجدِ اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح خود آں حضرت ﷺ بہ نفسِ نفیس شریک تھے۔ خود اپنے دستِ مبارک سے اینٹ اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین عرض کرتے

تھے کہ ہماری جانیں قربان، آپ ﷺ کیوں زحمت فرماتے ہیں لیکن آپ ﷺ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ غزوۂ احزاب کے موقعے پر بھی جب تمام صحابہ رضوان اللہ اجمعین مدینے کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے۔ آپ ﷺ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہ جم گئی تھی۔

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا، تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا۔ لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا۔ جنگل سے لکڑی لانے کا کام آں حضرت ﷺ نے اپنے ذمے لیا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ یہ کام ہم خدام کرلیں گے۔ فرمایا: "ہاں سچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں، خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہم راہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔"

گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، گدھے کی سواری سے آپ ﷺ کو عار نہ تھا، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور اُن کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ تھا۔ غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے، مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جاکر اُن کے ساتھ بیٹھتے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ ﷺ کو پہچان نہ سکتا۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ تواضع کی انتہا یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے۔ راستے میں بچے مل جاتے تو ان کو خود سلام کرتے۔

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمتِ اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا، اس کو عنایت فرماتے۔ بچوں کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے، ایک دفعہ آپ ﷺ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوی آیا۔ اس نے کہا: "تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو، میرے دس بچے ہیں مگر اب تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اگر تمھارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں۔"

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آں حضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف چلے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا کہ اُدھر سے چند اور لڑکے نکل آئے۔ آپ ﷺ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔

ہجرت کے موقعے پر جب مدینے میں آپ ﷺ کا داخلہ ہو رہا تھا۔ انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے دروازوں سے نکل نکل کر گیت گا رہی تھیں۔ جب آپ ﷺ کا اُدھر گزر ہوا تو فرمایا: "اے لڑکیو! تم مجھے پیار کرتی ہو؟" سب نے کہا: ہاں یارسول ﷺ۔ فرمایا: "میں بھی تمھیں پیار کرتا ہوں۔"

آں حضرت ﷺ غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ "یہ تمھارے بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو، وہ ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنتے ہو وہ اِن کو پہناؤ۔" آں حضرت ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے، ان کو آپ ﷺ ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے لیکن وہ حضور ﷺ کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے۔ ماں باپ، قبیلے، رشتے کو چھوڑ کر عمر بھر آپ ﷺ کی غلامی کو شرف جانتے تھے۔ زید بن حارثہ غلام تھے۔ آں حضرت ﷺ نے اُن کو آزاد کر دیا۔ اُن کے باپ اُن کو لینے آئے لیکن وہ اس آستانۂ رحمت پر باپ کے ظلِ عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔

غلاموں کو لفظ "غلام" سن کر اپنی نظر میں ذلت محسوس ہوتی تھی۔ آں حضرت ﷺ کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی۔ فرمایا: کوئی "میرا غلام" نہ کہے "میرا بچہ میری بچی" کہے اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں، خداوند خدا ہے، آقا کہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ صحابی تھے اور آں حضرت ﷺ ان کی راست گوئی کی مدح فرماتے تھے۔ ایک دفعہ اُنھوں نے ایک عجمی آزاد غلام کو بُرا بھلا کہا۔ غلام نے آں حضرت ﷺ سے جا کر شکایت کی۔ آپ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم میں اب تک جہالت باقی ہے، یہ غلام تمھارے بھائی ہیں، خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے۔ خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو۔ جو خود کھاؤ، وہ ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ۔ ان کو ایسا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں اور اگر اتنا کام دو تو خود بھی ان کی اعانت کرو۔ (سیرت النبی ﷺ - جلد اول)

مشق

سننا

ا۔ پوری جماعت کے طلبہ دس دس کے گروہوں میں تقسیم ہو جائیں اور ایک طالب علم درج ذیل عبارت کو درست تلفظ، آہنگ، لحن اور ادائی سے بلند آواز میں پڑھے جب کہ باقی طلبہ عمدہ سامع کے طور پر الفاظ، جملوں، مصرعوں، شعروں وغیرہ کے تلفظ، آہنگ، لحن، لے اور ادائی سے شعوری طور پر لطف اندوز ہوں۔

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک، غاروں میں
اک روز، چمکنے والی تھی، سب دنیا کے درباروں میں

ابتدائے ہجرت میں خود آں حضرت ﷺ اور تمام مہاجرین، انصار کے گھر میں مہمان رہے تھے۔ دس دس آدمیوں کی ایک جماعت ایک ایک گھر میں مہمان اتار دی گئی تھی۔ مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اُس جماعت میں تھا جس میں خود آں حضرت ﷺ شامل تھے۔ گھر میں چند بکریاں تھیں جن کے دودھ پر گزارا تھا۔ دودھ دوہ چکتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصے کا، پی لیتے اور آپ ﷺ کے لیے پیالے میں چھوڑ دیتے۔ ایک شب کا واقعہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کی تشریف آوری میں تاخیر ہوئی۔ لوگ دودھ پی کر سو رہے۔ آپ ﷺ نے آکر دیکھا تو پیالہ خالی پایا۔ خاموش ہو رہے پھر فرمایا: "خدایا! جو آج کھلا دے اُس کو تُو بھی کھلا دینا۔" حضرت مقداد رضی اللہ عنہ چھری لے کر کھڑے ہوئے کہ بکری ذبح کر کے گوشت پکائیں۔ آپ ﷺ نے روکا اور بکری دوبارہ دوہ کر جو کچھ نکلا، اُسی کو پی کر سو رہے اور کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی۔

دل جس سے، زندہ ہے، وہ تمنا تمھی تو ہو
ہم جس میں، بس رہے ہیں، وہ دنیا تمھی تو ہو

بولنا

۲۔ دیے گئے نثر پارے کو ایک طالب علم اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ کی رہ نمائی میں ایک کہانی یا واقعے کی صورت میں طلبہ کو سنائے۔ باقی تمام طلبہ اسے سُن کر اپنے اپنے طور پر باری باری خود بھی دہرائیں۔

قبیصہ نام کے ایک صاحب تھے وہ مقروض ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس آئے تو اپنی حاجت عرض کی۔ آپ ﷺ نے وعدہ کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: "اے قبیصہ! سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے۔ ایک اُس شخص کو جو

قرض سے زیادہ زیرِ بار ہو، وہ مانگ سکتا ہے لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اُس کو رک جانا چاہیے، دوسرے اُس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آگئی جس نے اُس کے تمام مالی سرمائے کو برباد کیا، اُس کو اُس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اُس کی حالت کسی قدر درست نہ ہو جائے، تیسرے اُس شخص کو جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلے کے تین معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہاں اس کو فاقہ ہے۔ اِس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔"

پڑھنا

۳۔ درج ذیل نثر پارے کو فہم کے ساتھ پڑھ کر سوالات کے جوابات دیں۔

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمتِ اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا، اس کو عنایت فرماتے۔ بچوں کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے، ایک دفعہ آپ ﷺ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوی آیا۔ اس نے کہا: "تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو، میرے دس بچے ہیں مگر اب تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اگر تمھارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں۔" جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آں حضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف چلے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا کہ اُدھر سے چند اور لڑکے نکل آئے۔ آپ ﷺ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔

سوالات:

الف۔ جب فصل کا نیا میوہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوتا تو اس وقت آپ ﷺ کا معمول کیا تھا؟

ب۔ بدوی کی بات پر آپ ﷺ نے کیا جواب دیا؟

ج۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ واقعہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

د۔ شبلی نعمانی کی لکھی گئی اس عبارت کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟

تکنیک اور اسلوب

کسی بھی ادبی تحریر کو بیان کرنے کے لیے تحریری طور پر الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے کسی بھی موضوع کے حوالے سے مناسب الفاظ کا مناسب جگہوں پر استعمال اسلوب کہلاتا ہے۔ گویا ایک مصنف کے ذہن یا خیال میں جو کچھ ہوتا ہے وہ جس انداز سے اُسے تحریری صورت دیتا ہے اُسے اسلوب کا نام دیا جاتا ہے۔ اسلوب میں نہ صرف ایسے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے جو موضوع کے شایانِ شان ہوں بلکہ اُن کی تفہیم، وضاحت و بلاغت، تشریح، آہنگ کو بھی پیشِ نظر رکھا جاتا ہے تاکہ تکنیک کے اعتبار سے بھی ایک مخصوص نقطۂ نظر اور مافی الضمیر مکمل طور پر بیان ہو سکے۔ اسلوب یا تکنیک میں خیالات کے اظہار پر بھی زور دیا جاتا ہے اور ایسے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے جس سے مصنف کے ذہنی تجربات بلا کم و کاست، براہِ راست پڑھنے والے کے ذہن تک منتقل ہو سکیں۔ اسلوب یا تکنیک کی تشکیل میں بالعموم تین عناصر کو اہمیت دی جاتی ہے:

الف۔ مصنف کی انفرادی خصوصیت　　ب۔ عام انسانی رویہ　　ج۔ خیال اور زبان کی خصوصیات

ہر تخلیق کار اپنے موضوع کے اظہار کے لیے زبان و بیان کی مخصوص لفظی تراکیب، الفاظ، تشبیہات و استعارات کو استعمال کرتا ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلوب، موضوع کے تابع ہوتا ہے گویا یہ "کیا کہا گیا ہے اور کیسے کہا گیا ہے" کی ساری بحث ہے۔

۴۔ نصابی کتاب میں دیے گئے شبلی نعمانی کے تعارف اور اوپر بیان کیے گئے اشارات سے استفادہ کرتے ہوئے سیرت نگاری کے حوالے سے شبلی نعمانی کی تکنیک اور اسلوب پر مختصر اً روشنی ڈالیں۔

۵۔ سبق کو فہم کے ساتھ پڑھ کر متعلقہ سوالات (براہِ راست، بالواسطہ، کثیر الجہت) کے درست جوابات دیں۔

(i)۔ سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا، روا ہے:

الف۔ صرف ایک شخص کو　ب۔ صرف دو شخصوں کو　ج۔ صرف تین شخصوں کو　د۔ صرف چار شخصوں کو

(ii)۔ جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہ انھیں پہناؤ۔۔۔ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کس کے لیے تھا

الف۔ مسافروں کے لیے　ب۔ پڑوسیوں کے لیے　ج۔ غلاموں کے لیے　د۔ دشمنوں کے لیے

(iii)۔ صاع کس کو ماپنے کا ایک پیمانہ تھا؟

الف۔ پانی کو　ب۔ غلے کو　ج۔ دودھ کو　د۔ کپڑوں کی لمبائی کو

(iv)۔ قریش اپنے فخر و امتیاز کے لیے قیام کرتے تھے:

الف۔ مکہ میں　ب۔ طائف میں　ج۔ مدینے میں　د۔ مزدلفہ میں

(v)۔ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم مدینے کے چاروں طرف خندقیں کھود رہے تھے:

الف۔ غزوۂ بدر کے موقعے پر　ب۔ غزوۂ احد کے موقعے پر　ج۔ غزوۂ حنین کے موقعے پر　د۔ غزوۂ احزاب کے موقعے پر

(vi)۔ سبق کے آخری حصے سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ بچوں کے ساتھ بہت زیادہ فرماتے:

الف۔ محبت و شفقت　ب۔ بیزاری　ج۔ بے نیازی　د۔ لاتعلقی

۶۔ درج ذیل عبارت کو غور سے پڑھیں۔ مفہوم برقرار رکھتے ہوئے متفرق طریقوں سے پوری عبارت یا چند جملوں میں تبدیلی کرتے ہوئے مفہوم کو مزید آگے بڑھا کر لکھیں۔

آں حضرت ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے، ان کو آپ ﷺ ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے لیکن وہ حضور ﷺ کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے۔ ماں باپ، قبیلے، رشتے کو چھوڑ کر عمر بھر آپ ﷺ کی غلامی کو شرف جانتے تھے۔ زید بن حارثہ غلام تھے۔ آں حضرت ﷺ نے اُن کو آزاد کر دیا۔ اُن کے باپ اُن کو لینے آئے لیکن وہ اس آستانۂ رحمت پر باپ کے ظلِ عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔

۷۔ درج ذیل عبارت میں الفاظ کے درست املا کا خیال رکھتے ہوئے تحریری کام پر نظر ثانی اور ادارت (پروف ریڈنگ) کریں۔

احمد ندیم کاسمی کے افصانوں میں ہمیں پنجاب کے دیھات، پنجاب کی سکافط کے مختلف رنگ اور دیھی زندگی کے مصائل کا احاتہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ چوں قہ

ترقی پسند تہریق سے وابسطہ تھے اس لئے اپنے افصانوں میں انہوں نے تبکاتی ترادات کو بھی پیش کیا۔ان افصانوں میں جھاں ایک ترف ہمیں غربط اور مہرومی کا شکار قردار دکھائی دیتے ہیں وھاں دوسری ترف اعلا کردار وروایاط کے ہامل قردار بھی نزر آتے ہیں۔

قواعد/زبان شناسی

واحد جمع (جمع مکسر اور جمع سالم) یا جمع الجمع:

وہ لفظ جو فقط ایک شخص، شے یا جگہ کے لیے استعمال ہو، واحد کہلاتا ہے۔

مثلاً: اثر، کتاب، عام وغیرہ، واحد کہلاتے ہیں۔

وہ لفظ جو ایک سے زیادہ اشخاص، اشیا یا جگہوں کے لیے استعمال ہو جمع'' کہلاتا ہے۔ مثلاً: آثار، کتب، عوام وغیرہ

جمع کی صورتیں

جمع کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

جمع مکسر، جمع سالم، تثنیہ، جمع الجمع

جمع مکسر: واحد سے جمع بناتے ہوئے واحد کی صورت بالکل بدل جائے تو اسے جمع مکسر کہتے ہیں۔ مثلاً: تصویر سے تصاویر، اکبر سے اکابر وغیرہ

جمع سالم: واحد سے جمع بناتے وقت واحد کے حروف میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہو تو اسے جمع سالم کہیں گے۔ مثلاً: ماہر سے ماہرین، مجاہد سے مجاہدین وغیرہ۔

تثنیہ: عربی زبان میں دو چیزوں کے لیے جمع کی ایک الگ صورت استعمال کی جاتی ہے، اسے تثنیہ کہتے ہیں۔ مثلاً: والد سے والدین، عید سے عیدین وغیرہ

جمع الجمع: کسی واحد سے جمع کی جمع کو ''جمع الجمع'' کہتے ہیں۔

مثلاً: خبر سے اخبار، اخبار سے اخبارات، لقب سے القاب، القاب سے القابات۔

۸۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے جمع لکھیں (جمع مکسر، جمع سالم، تثنیہ اور جمع الجمع) اور جملوں میں استعمال کریں۔

حاضر، احسان، امام، مضمون، سید، قطب، شجر، محاورہ، نادر، نور، دوا، اکبر، وجہ، اثر

علاماتِ اوقاف

i۔ رابطہ: (:)

جملے یا عبارت میں وقفے سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے یہ علامت استعمال ہوتی ہے: مثلاً:

میری بات یاد رکھنا: محنت ہی کامیابی کی کنجی ہے

کیا خوب سودا نقد ہے: اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

ii۔ تفصیلیہ (:-)

جملے یا عبارت میں کسی بات کی تفصیل بتانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً

ورزش کے فائدے درج ذیل ہیں:-

گیارھویں جماعت میں کمپیوٹر پڑھنے والے طلبہ کے نام یہ ہیں:-

iii۔ سوالیہ یا استفہامیہ (؟)

جب کوئی بات پوچھنی یا کچھ دریافت کرنا مقصود ہو تو یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً:

آپ کا نام کیا ہے؟ قائداعظم کس شہر میں پیدا ہوئے؟

iv۔ استعجابیہ (!)

حیرت یا حیرانی کے اظہار کے لیے یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً:

ارے! اوہ!

v۔ خطِ فاصل، ترچھا خط (/)

یہ علامت دفتری مراسلات کا حوالہ دینے کے لیے مختلف قسم کے بیانات، مسودات کے اندراجات میں متبادل اسما یا افعال کے درمیان لگائی جاتی ہے، مثلاً:

مسمی / مسماۃ، بن / بنت، اقرار کرتا ہوں / کرتی ہوں وغیرہ وغیرہ

vi۔ علامتِ مصرع، علامتِ شعر اور علامت تخلص:

شاعری لکھتے ہوئے جہاں کہیں ایک مصرع استعمال ہو وہاں علامت مصرع (ع)، جہاں پر شعر لکھا جائے وہاں علامت شعر (؎) اور جہاں شاعر اپنا شاعرانہ نام استعمال کرے اس کے اوپر علامت تخلص (ؔ) استعمال ہوتی ہے۔

۹۔ درج ذیل جملوں میں استعمال کیے گئے رموزِ اوقاف کو پہچانیں اور ان کا استعمال کرتے ہوئے نئے جملے لکھیں۔

ہمارا سماجی ڈھانچہ درہم برہم ہو چکا ہے؛ اخلاقیات کا نظام کھوکھلا ہو چکا ہے؛ اتحاد و اتفاق نام کی کوئی چیز نہیں رہی۔ اس ابتر صورتِ حال میں کیا کسی کو کوئی فکر ہے؟ پنجابی، سندھی، بلوچی، پٹھان ہر ایک کو سوچنا چاہیے۔ قائداعظم نے فرمایا تھا: ایمان، اتحاد اور تنظیم"۔ ہمیں اس زریں اصول پر عمل کرنا چاہیے۔

سرگرمی

لائبریری سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" جاری کرائیں اور درج ذیل موضوعات میں سے اپنی پسند کے موضوع پر تمام طلبہ باری باری دو دو منٹ کی گفتگو کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راست گوئی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں ہمسایوں کے حقوق

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ حیثیت رحمت اللعالمین

۲ محسن محلہ

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

سننا
- منثور اور منظوم کلام سے متعلق اشارات اور اہم نکات سُن کر ان کے فہم کا تجزیہ کر سکیں۔

بولنا
- کلام/بات درمیان سے سُن کر اپنے حافظے سے تسلسل کے ساتھ اہم نکات بتا سکیں۔
- اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی امور وغیرہ سے متعلق اپنی گفتگو میں موزوں الفاظ و تراکیب پر مشتمل روز مرہ اور بامحاورہ زبان استعمال کر سکیں۔

پڑھنا
- مختلف نثری اصنافِ ادب (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما اور ناول) پڑھ کر ان کے طرزِ تحریر سے آگاہ ہو سکیں۔
- کہانی/مضمون/افسانے/ڈرامے کو پڑھ کر اس کے اجزا (پیرا گراف، کرداروں کا تعارف، ابتدا، مناظر کا بیان، اختتام) کو شناخت کر سکیں۔
- دو نثر پاروں کا موازنہ کر سکیں اور مصنف کا انداز بیان سمجھ کر اس پر تبصرہ کر سکیں۔
- عبارت پڑھتے ہوئے تمام علاماتِ اوقاف کا لحاظ رکھ سکیں۔

لکھنا
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔

قواعد/زبان شناسی
- درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب کا استعمال کر سکیں۔

خاص	بابت	جھلکر	دہلیز	ڈھنگ	رسم و راہ
الفاظ	ٹھٹی	کنگنی	گھگھی	منشی گیری	ہیرا پھیری

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کے سامنے سبق "اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" اور افسانہ "محسن محلہ" کے منتخب اقتباسات کی بلند خوانی کر کے دونوں نثر پاروں کا موازنہ کر کے دونوں مصنفین کے انداز بیان پر تبصرہ کریں تاکہ طلبہ بعد میں نثر پاروں کو پڑھتے ہوئے سمجھ سکیں اور خود بھی تبصرہ کرنے کے قابل ہو سکیں۔
- طلبہ کو افسانے کے اجزا (پیرا گراف، کرداروں کا تعارف، ابتدا، مناظر کا بیان، اختتام) سے آگاہی دیں۔

اشفاق احمد (۱۹۲۵ء۔ ۲۰۰۴ء)

اشفاق احمد کا اصلی نام اشفاق احمد خان تھا۔ آپ ۲۲۔ اگست ۱۹۲۵ء کو ضلع فیروز پور کی تحصیل مکتسر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد خان حیوانات کے معالج تھے اور بہ سلسلۂ ملازمت ضلع ہوشیار پور کے قصبے خان پور سے ہجرت کر کے مکتسر میں آباد ہو گئے تھے۔ اشفاق احمد نے تعلیم یافتہ اور پُر آسائش گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ایف۔ اے تک فیروز پور سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے اور ایم۔ اے کے امتحانات پاس کیے۔ اشفاق احمد بہ حیثیت پروفیسر دیال سنگھ کالج لاہور، روم یونی ورسٹی اٹلی اور پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۷ء میں انھوں نے بہ حیثیت ڈائریکٹر مرکزی اردو بورڈ منصبی فرائض سنبھالے اور ادارے کو ترقی دے کر بام عروج تک پہنچایا۔

اشفاق احمد بیسویں صدی کے ادبی افق پر افسانہ نگار، ڈراما نویس، سفر نامہ نگار، نقاد، فیچر نگار، مترجم، محقق، شاعر، فلسفی اور دانش ور کی حیثیت سے ابھرتے اور بیشتر حیثیتوں

میں شہرت اور کام یابی کی بلندیوں کو چھوتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر قصہ گو، ادیب اور کہانی نویس تھے۔ ان کی مختلف النوع تخلیقی جہات میں کہانی کی مختلف اشکال ظہور کرتی ہیں۔ ان کی قصہ گوئی اور جادو بیانی کا مظہر ان کا مقبول ٹیلی ویژن پروگرام "زاویہ" تھا جس میں ان کی بصیرت افروز گفت گو نوجوانوں کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتی۔ انھوں نے پچاس کے قریب کتابیں تصنیف کیں جو ان کے سہل، رواں اور بے تکلف اندازِ بیان کی عکاس ہیں۔ ان کا لہجہ دھیما اور مٹھاس سے بھرپور ہے۔ اشفاق احمد کے دل میں عوام الناس کو سنوارنے کا جذبہ موجزن تھا جو "زاویہ" میں بھی جھلکتا دکھائی دیتا ہے ان کے ریڈیائی فیچر "تلقین شاہ" کی شہرت پاکستان کی جغرافیائی حدود سے نکل کر یورپ اور امریکا تک پھیل گئی۔ انھیں حکومتِ پاکستان کی جانب سے مارچ ۲۰۰۳ء میں قومی اعزاز "ستارۂ امتیاز" اور ۲۰۰۶ء میں "ہلالِ امتیاز" سے نوازا گیا۔
معروف تصانیف:۔ ایک محبت سو افسانے۔ سفر مینا۔ توتا کہانی۔ من چلے کا سودا۔ حیرت کدہ۔ ننگے پاؤں۔ تلقین شاہ۔ زاویہ

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- افسانہ کس قسم کی کہانی کو کہتے ہیں؟
- اشفاق احمد نے اردو افسانہ نگاری میں کیا خدمات سرانجام دی ہیں؟

پڑھیں

کسی کو ٹھیک سے معلوم نہیں کہ ماسٹر الیاس کب اس محلے میں آیا تھا اور کب اس نے یہ کوٹھڑی کرائے پر لی تھی لیکن اس بات کا ہر ایک کو علم تھا کہ ماسٹر الیاس مہاجر ہے اور اس کا تعلق انبالہ کے کسی علاقے سے ہے کیوں کہ وہ بولی ہی ایسی بولتا ہے جو انبالہ پٹیالے میں بولی جاتی ہے۔

ماسٹر الیاس کرائے کی کوٹھڑی میں رہتا تھا اور اس کے پاس محلے کے لڑکے گنتی سیکھنے، پہاڑے کہنے اور تختی لکھنے کے لیے آجاتے تھے۔ اس کے پاس دو لڑاکا بٹیر اور ایک اصیل مرغا تھا۔ بٹیر تو پنجروں میں بند رہتے تھے لیکن اصیل مرغا اس کی کوٹھڑی کے دروازے سے ذرا دور کھڑا رہتا تھا۔ ماسٹر الیاس نے مرغے کی ایک ٹانگ میں پیتل کا چھلا ڈال کر اس سے السی کی مضبوط ڈور باندھ رکھی تھی اور اس ڈور کا دوسرا، سرا اپنی کوٹھڑی کی دہلیز میں میخ ٹھونک کر اس سے باندھ رکھا تھا۔ محسن محلہ کے سبھی لوگ ماسٹر الیاس کی عزت کرتے تھے اور اس کو "السلام علیکم" کہہ کر اس کے دروازے کے آگے سے گزرتے تھے۔ ماسٹر جی کچھ اور کام بھی کرتے تھے لیکن کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ شاید وہ سبزی منڈی میں منشی گیری کرتے تھے یا کسی دور کے محلے میں پھیری لگاتے تھے یا کسی کارخانے میں رنگ روغن کی دیہاڑی کرتے تھے۔ کوئی اس کی بابت اچھی طرح نہیں جانتا تھا لیکن اتنا، سب کو معلوم تھا کہ ماسٹر الیاس کی گزر بسر ذرا تنگی تُرشی سے ہی ہوتی ہے۔

دراصل ماسٹر صاحب سیدھے آدمی تھے اور ان کو زمانے کے ساتھ چلنے کا ڈھنگ نہیں آتا تھا۔ کچھ تو ان کی شکل ہی ایسی تھی کہ اُسے دیکھ کر لوگوں کے دل میں محبت یا ہمدردی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا تھا اور کچھ ان کی گفت گو اس انداز کی ہوتی تھی کہ کسی کو اس پر یقین نہیں آتا تھا۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ ہیرا پھیری نہیں کرتے تھے۔ مبالغے سے کام نہیں لیتے تھے۔ شیخی نہیں بگھارتے تھے۔ کسی کو خوف زدہ نہیں کرتے تھے۔ اسی وجہ سے کسی کو ان کی بات پر یقین نہیں آتا تھا۔ ان کی گفت گو میں گرامر کی اور علمِ بیان کی بہت سی غلطیاں ہوتی تھیں اور سننے والا جھلّا کر ان کی صحبت چھوڑ دیتا تھا۔ وہ اتنے سیدھے اور اس قدر بے پیچ تھے کہ انسان ہی نہیں لگتے تھے۔ سارے محلے اور ساری سوسائٹی پر ایک بوجھ سا لگتے تھے اور چوں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ رسم و راہ پیدا کرنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا، اس لیے کوئی بھی ان کا دوست نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ محلے والے ان کی عزت کرتے تھے اور ان کے دروازے کے آگے سے گزرتے ہوئے "السلام علیکم" کہہ کر آگے بڑھ جاتے۔

سردیوں کی ایک شام مالک مکان نے ماسٹر الیاس کو بڑے سخت الفاظ میں ڈانٹا اور دھمکی دی کہ اگر اس نے تین دن کے اندر اندر گزشتہ چھے ماہ کا کرایہ ایک ساتھ ادا نہ کیا تو وہ اس کا سامان نکال کر باہر پھینک دے گا۔ ماسٹر جی کی خوف کے مارے بندھ گئی۔ کیوں کہ ان کے پاس ایک سو اسی روپے یک مُشت موجود نہیں تھے۔ صرف چالیس روپے تھے، جن کے ساتھ دس کا ایک نوٹ اور پرو کر انھوں نے پچاس بنا لیے تھے۔ پہلے تو مالک مکان

پچیس، تیس، چالیس، پچاس لے کر آگے کی تاریخ دے دیا کرتا تھا۔ لیکن اس مرتبہ وہ تنگ ہو گیا اور اس نے دھاگے میں پروئے ہوئے پچاس روپے اصیل مرغے کے آگے پھینک کر کہا" جا اوئے! میں نہیں لیتا۔ مجھے پورے ایک سو اسی کر کے دے۔"

جب وہ یہ کہ کر چلا گیا تو ماسٹر الیاس نے پچاس روپے فرش پر سے اٹھا کر اپنی واسکٹ کی جیب میں ڈال لیے۔ پھر وہ اپنی کوٹھڑی کے اندر جا کر چارپائی پر بیٹھ گئے۔ چوں کہ وہ اظہار کے معاملے میں کم زور تھے اس لیے ان کو رونا بھی نہیں آتا تھا۔ دکھی سے ہو کر بیٹھ گئے اور شدید غم کے باعث ان کی بندھ گئی اور یہ پہلا موقع تھا کہ روئے بغیر کسی شخص کی بندھی ہو!

وعدے کے مطابق مالک مکان نے ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ ماسٹر صاحب کی چارپائی ٹرانسفارمر والے دو کھمبوں کے پیچھے لگا دی اور ان کا باقی سامان اس کے ارد گرد چن دیا۔ اس نے کوٹھڑی کو نیا چینی تالا لگایا اور سکوٹر پر سوار ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اِس کا گھر اس محلے سے کافی دور تھا اور وہ اپنی کوٹھڑیوں کا کرایہ وصول کرنے ماہ بہ ماہ آیا کرتا تھا۔

ماسٹر صاحب نے ایک رات جوں توں کر کے ٹرانسفارمر کے نیچے گزاری اور اگلے دن شیخ کریم نواز کی حویلی پہنچ کر اس سے دو سو روپے ادھار کے طلب گار ہوئے۔ شیخ صاحب نے ماسٹر صاحب کو نیک دل، سادہ لوح اور مرنجاں مرنج شخص سمجھ کر ٹرخا دیا۔ کیوں کہ ایسے احمق لوگوں کو زیادہ رقم دینا اچھا نہیں ہوتا۔ پھر وہ اسمٰعیل بزاز کی دکان پر گئے اور رقم میں کمی کر کے ۱۵۰ کا سوال ڈالا۔ اس نے بھی معذرت کر لی۔ محلے کا کوئی نائی، حلوائی، قصائی، ڈاکٹر، وید، وکیل، ماسٹر صاحب نے نہیں چھوڑا۔ لیکن ہر طرف سے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ ان لوگوں کو شدید مہنگائی نے گھیر رکھا تھا اور ان کے پاس ادھار دینے کو کچھ بھی باقی نہ تھا۔

جس دن ماسٹر الیاس نے ہومیو پیتھک ڈاکٹر کو اپنی نبض دکھائی، اس روز انھیں ٹرانسفارمر کے نیچے سوتے آٹھواں دن تھا۔ ڈاکٹر نے اسٹیتھو سکوپ لگا کر دیکھا اور کہا ماسٹر صاحب نمونیا ہے۔ میں آپ کو پڑیا تو دے دیتا ہوں لیکن آپ کسی اور کو بھی دکھا لیں۔" ماسٹر صاحب نے کہا: بہت اچھا" اور گرم دودھ پینے جبار حلوائی کی دکان پر چلے گئے۔ انھوں نے دودھ پی کر اپنی نبض جبار کو دکھائی اور پھر گڑ گڑا کر اس سے دو سو روپے قرض کی درخواست کی۔ جبار ہنس پڑا۔ اس کو پتا تھا کہ ایسے اُلو کو کوئی ایک روپیہ بھی ادھار نہیں دے سکتا، یہ پورے دو سو مانگ رہا ہے۔ جب ایسی ان ہونی بات ہو تو ہر ایک کو ہنسی آ جاتی ہے اور اسی وجہ سے جبار ہنس پڑا تھا ورنہ عام زندگی میں وہ بہت ہی کم ہنستا تھا۔

مسلسل تین دن تک ماسٹر الیاس اپنی رضائی سر پر اگلو کی طرح اوڑھ کر چارپائی پر بیٹھے رہے۔ جو کوئی وہاں سے گزرتا السلام علیکم" کہ کر یہ ضرور پوچھتا:" کیوں جی ماسٹر جی دھوپ سینکی جا رہی ہے؟" اور ماسٹر جی اندر سے بند آواز میں جواب دیتے" ہاں جی! تھوڑی سردی لگ رہی تھی۔"

چوتھے روز فجر کی اذان کے وقت جب ماسٹر صاحب فوت ہو گئے تو محسن محلہ کے ایک ایک شخص کو ان کی موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ ناشتے کا وقت ختم ہونے تک ہر شخص خاموشی اور دکھ کے کوئے میں لپٹ کر دھوپ میں جا کھڑا ہوا۔ ماسٹر جی کے بٹیروں کو کٹورہ بھر کنگنی اور ان کے مرغے کو آٹے کی آب خورہ بھر گولیاں ڈالی گئیں۔ شیخ کریم نواز صاحب اپنی حویلی سے نکل کر ٹرانسفارمر کے نیچے آ بیٹھے۔ یہاں لوگوں نے بڑی سی دری بچھا دی اور دو تین تازہ اخبار لا کر رکھ دیے۔ لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے۔ شیخ کریم نواز نے دو سو روپے نکال کر سعید اور بلال کو سکوٹر پر بھیجا کہ جا کر قبر کا بندوبست کریں۔ تین سو روپے بابو جلال کو دیے کہ رحمت کو ساتھ لے جا کر لٹھے، کافور، عرقِ گلاب اور پھولوں کا بندوبست کریں۔ جبار حلوائی نے دودھ پتی کا ایک پتیلا کاڑھ کر صف پر پہنچا دیا۔ لوگوں نے ماسٹر صاحب کی رسم قل کے لیے پیسے جمع کرنے شروع کیے اور دیکھتے دیکھتے محسن محلہ کے لوگوں نے آٹھ سو گیارہ روپے جمع کر کے شیخ کریم نواز صاحب کے پاس محفوظ کرا دیے۔

(سفرینا)

مشق

سننا

ا۔ افسانہ "محسن محلہ" سے متعلق درج ذیل اشارات اور اہم نکات کو ایک طالب علم / طالبہ بلند آواز سے پڑھے جب کہ باقی طلبہ انھیں سُن کر اُن کے فہم کا تجزیہ کریں کہ اشفاق احمد نے ماسٹر الیاس، اس کے مالک مکان، شیخ کریم نواز، جبار حلوائی اور دیگر کرداروں کے ذریعے کس کام یابی کے ساتھ ہمارے ایک معاشرتی اور سماجی مسئلے کی نشان دہی کی ہے۔

اشفاق احمد نے اس افسانے میں ہمارے معاشرتی منافقانہ رویے کا پردہ چاک کیا ہے کہ ہم ہمدردی اور نیکی کی وجہ سے کسی زندہ انسان کی مدد کرنا گوارا نہیں کرتے کیوں کہ ہمیں اپنے وسائل اور روپے پیسے کے ڈوبنے کا اندیشہ ہوتا ہے جب کہ اپنی ذاتی نیک نامی اور اس کی نمود و نمائش کے لیے ایک مردہ انسان پر کئی گنا زیادہ پیسے خرچ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے۔ اگرچہ معاشرے کے زندہ ہونے کی نشانی یہ سمجھی گئی ہے کہ اس میں رہنے والے انسان ایک دوسرے کے دُکھ درد، غمی خوشی میں کس حد تک ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا کہ ہمارا اپنا معاشرہ باہم ایثار و قربانی کی روایات کا علم بردار تھا۔ اشفاق احمد کو معاشرے سے رفتہ رفتہ اُٹھتی ان اقدار و روایات پر افسوس ہے اسی لیے انھوں نے ماسٹر الیاس کے ساتھ ہونے والے سلوک کے ذریعے ہمیں باخبر کیا ہے کہ اس طرح ہمارا یہ طرزِ عمل بالکل بھی مناسب نہیں۔ انسان اور انسانیت ہی ہماری اولین ترجیح ہونی چاہیے۔ ذاتی نمود و نمائش کے لیے نہیں بلکہ انسانی ہم دردی کے نقطہ نظر سے نیکی اور بھلائی کے کام کرنے چاہییں۔

بولنا

۲۔ درج ذیل اقتباس افسانہ "محسن محلہ" کے تقریباً درمیان سے لیا گیا ہے۔ ایک طالب علم / طالبہ درست تلفظ کے ساتھ اسے پڑھے جب کہ باقی طلبہ باری باری اپنے حافظے سے تسلسل کے ساتھ اہم نکات بتائیں۔

> وعدے کے مطابق مالک مکان نے ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ ماسٹر صاحب کی چارپائی ٹرانسفارمر والے دو کھمبوں کے پیچھے لگا دی اور ان کا باقی سامان اس کے ارد گرد چُن دیا۔ اس نے کوٹھڑی کو نیا چینی تالا لگایا اور سکوٹر پر سوار ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس کا گھر اس محلے سے کافی دور تھا اور وہ اپنی کوٹھڑیوں کا کرایہ وصول کرنے ماہ بہ ماہ آیا کرتا تھا۔
>
> ماسٹر صاحب نے ایک رات جُوں تُوں کر کے ٹرانسفارمر کے نیچے گزاری اور اگلے دن شیخ کریم نواز کی حویلی پہنچ کر اس سے دو سو روپے ادھار کے طلب گار ہوئے۔ شیخ صاحب نے ماسٹر صاحب کو نیک دل، سادہ لوح اور مرنجاں مرنج شخص سمجھ کر ٹرخا دیا۔ کیوں کہ ایسے احمق لوگوں کو زیادہ رقم دینا اچھا نہیں ہوتا۔ پھر وہ اسمٰعیل بزاز کی دکان پر گئے اور رقم میں کمی کر کے ۱۵۰ کا سوال ڈالا۔ اس نے بھی معذرت کر لی۔
>
> محلے کا کوئی نائی، حلوائی، قصائی، ڈاکٹر، وید، وکیل، ماسٹر صاحب نے نہیں چھوڑا۔ لیکن ہر طرف سے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ ان لوگوں کو شدید مہنگائی نے گھیر رکھا تھا اور ان کے پاس ادھار دینے کو کچھ بھی باقی نہ تھا۔

۳۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب پر مشتمل جملوں کی صورت میں ایک تحریر لکھیں جس میں اخلاقی، معاشرتی اور ثقافتی امور کا تذکرہ ہو۔ بعد میں تمام طلبہ

باری باری روز مرہ اور بامحاورہ زبان استعمال کریں۔

دہلیز، سبزی منڈی، رنگ روغن، دیہاڑی لگانا، تنگی ترشی، خوف زدہ، مالک مکان، ماہ بہ ماہ، مرنجاں مرنج، شدید مہنگائی، اَن ہونی، دھوپ سینکنا، موت کا صدمہ، عرقِ گلاب، قبر کا بندوبست، رسمِ قل

پڑھنا

۴۔ آپ نے افسانہ "محسن محلہ" کی عبارت پڑھی۔ استاد محترم/استانی صاحبہ کی رہ نمائی میں اشفاق احمد کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے شامل کتاب اشفاق احمد کے تعارف سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ "محسن محلہ" صنفِ ادب کے اعتبار سے افسانہ ہے جسے آپ نے پڑھ لیا ہے۔ اس کے اجزا (پیراگراف، کرداروں کا تعارف، ابتدا، مناظر کا بیان، اختتام) کو شناخت کرتے ہوئے بتائیں کہ افسانے کی ابتدا میں کیا بیان کیا گیا ہے؟ اس افسانے کا مرکزی کردار کون سا ہے؟ دیگر اہم کرداروں کا تعارف بھی کرائیں، مرنے اور بٹیروں کے باہر کھڑا ہونے کا منظر کیا ہے؟ کس پیراگراف میں ہماری معاشرتی بے حسی سب سے زیادہ نمایاں ہے؟ افسانے کا اختتام کس المیے پر ہوتا ہے؟

۶۔ آپ نے سبق "اخلاقِ نبوی ﷺ" اور "محسن محلہ" دونوں کو پڑھا۔ اب دونوں اصنافِ نثر کا موازنہ کریں اور مصنفین کے اندازِ بیان کو سمجھ کر اس پر تبصرہ کریں کہ کس طرح شبلی نعمانی نے سیرت النبی ﷺ کے مختلف اخلاقی پہلوؤں کا احاطہ عقیدت و احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کیا۔ کسی واقعے یا تذکرے کے بیان میں کوئی مبالغہ آرائی کا شائبہ تو نہیں؟ مصنف نے حقائق کے بیان میں کس حد تک احتیاط کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے؟ موضوع کی مناسبت سے اسلوبِ تحریر، الفاظ و تراکیب کا استعمال کیسا ہے؟

اسی طرح "محسن محلہ" میں اشفاق احمد نے بیان کیے گئے معاشرتی مسئلے کو کس حد تک اجاگر کیا اور نبھایا ہے؟ ماسٹر الیاس کا کردار کس حد تک قابلِ رحم اور ہمدردی کے لائق ہے؟ اہلِ محلہ کا ماسٹر الیاس کو قرض نہ دینا کس حد تک مناسب تھا؟ اشفاق احمد نے زبان و بیان میں اپنے قارئین کی ذہنی اور فکری سطح کو کیسے پیشِ نظر رکھا ہے؟

۷۔ درج ذیل عبارت کو علامات اوقاف کا لحاظ رکھ کر پڑھیں۔

ماسٹر صاحب نے ایک رات جوں توں کر کے ٹرانسفارمر کے نیچے گزاری اور اگلے دن شیخ کریم نواز کی حویلی پہنچ کر اس سے دو سو روپے ادھار کے طلب گار ہوئے۔ شیخ صاحب نے ماسٹر صاحب کو نیک دل، سادہ لوح اور مرنجاں مرنج شخص سمجھ کر ٹرخا دیا۔ کیوں کہ ایسے احمق لوگوں کو زیادہ رقم دینا اچھا نہیں ہوتا۔ پھر وہ اسمٰعیل بزاز کی دکان پر گئے اور رقم میں کمی کر کے ۱۵۰ کا سوال ڈالا۔ اس نے بھی معذرت کر لی۔ محلے کا کوئی نائی، حلوائی، قصائی، ڈاکٹر، وید، وکیل، ماسٹر صاحب نے نہیں چھوڑا۔ لیکن ہر طرف سے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ ان لوگوں کو شدید مہنگائی نے گھیر رکھا تھا اور ان کے پاس ادھار دینے کو کچھ بھی باقی نہ تھا۔

افسانہ

لغت میں افسانہ ایک جھوٹی کہانی کو کہتے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں یہ ایک ایسی کہانی ہوتی ہے جو زندگی کا ایک جزو پیش کرتی ہے۔ افسانہ: اختصار اور

وحدتِ تاثر کی حامل ایک کہانی ہوتی ہے۔ افسانہ یا مختصر افسانہ کم و بیش آدھے گھنٹے میں پڑھا جانے والا ایسا قصہ ہوتا ہے جس میں کسی ایک واقعے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو اختصار اور دلچسپی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ افسانے کے اجزائے ترکیبی میں: پلاٹ، کردار، نقطہ نظر یا مرکزی خیال، مکالمہ، آغاز و اختتام اور اسلوب بیان شامل ہیں۔

۸۔ محسن محلہ "افسانے کے ادبی محاسن یعنی اجزائے ترکیبی کی شناخت کرتے ہوئے بتائیے کہ اشفاق احمد نے ان کو اپنے افسانے میں کس حد تک ملحوظِ خاطر رکھا ہے؟

لکھنا

۹۔ اہم نکات مدِ نظر رکھتے ہوئے سبق "محسن محلہ" کا خلاصہ لکھیں۔

قواعد/زبان شناسی

درست تلفظ کے لیے اعراب کا استعمال

دنیا کی تمام زبانوں کی طرح اردو میں بھی الفاظ کے درست مفہوم اور معانی کے ابلاغ اور سمجھ کے لیے الفاظ کے حوالے سے زیر، زبر پیش اور تشدید کا استعمال بہت ضروری ہے۔ اگر درست اعراب کا استعمال نہ کیا جائے تو لفظ کا مفہوم کچھ کا کچھ ہو جائے گا اور اصل عبارت اپنے معانی کے اعتبار سے اپنا تاثر کھو دے گی۔ مثال کے طور پر ایک لفظ کا املا ہے ملک۔ اب اس کے اوپر لگائے جانے والے اعراب کی تبدیلی سے معانی پر کیا اثر پڑے گا، ملاحظہ فرمائیں:

مُلک۔۔۔۔۔وطن، دھرتی   مِلک۔۔۔۔۔ملکیت، جائداد   مَلِک۔۔۔۔۔سردار   مَلَک۔۔۔۔۔فرشتہ

اس مثال سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ الفاظ کے درست مفہوم کی سمجھ کے لیے اعراب کا استعمال کتنا ضروری ہے؟

۹۔ درست تلفظ کی فہم کے لیے درج ذیل جملوں میں نشان زدہ الفاظ پر اعراب لگائیں۔

الف۔ اس بات کا علم سب کو تھا۔

ب۔ اصیل مرغا اس کی کوٹھڑی کے دروازے سے ذرا دور کھڑا رہتا۔

ج۔ ایسے لوگوں کے ساتھ رسم و راہ پیدا کرنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

د۔ ان کے پاس ایک سو اسی روپے یک مشت موجود نہیں تھے۔

ر۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا: میں آپ کو پڑیا دے دیتا ہوں۔

ہ۔ ماسٹر الیاس اپنی رضائی سر پر الگو کی طرح اوڑھ کر چارپائی پر بیٹھے رہے۔

سرگرمی

اشفاق احمد کی تصنیف "زاویہ" کو لائبریری سے جاری کرائیں۔ اس کا مطالعہ کریں اور کلاس میں آ کر دیگر طلبہ کو بتائیں کہ آپ کو کون سی تحریر اس کتاب میں پسند آئی۔ پسندیدگی کی وجہ بھی بتائیں۔

۳ کفارہ

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

سننا
- کلام/بات کو آغاز/درمیان سے سن کر نظم و نثر کے مرکزی نکتے/خیال یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھتے ہوئے موضوع بیان کر سکیں۔

بولنا
- کسی تحریر/تقریر پر استحسانی و تنقیدی گفت گو کر سکیں۔

پڑھنا
- افسانوی، غیر افسانوی متن میں شامل نامانوس الفاظ، محاورات، ضرب الامثال، مترادفات اور مرکبات پر مشتمل فقرات سمجھ کر پڑھ سکیں۔
- اردو میں رائج دوسری زبانوں کے الفاظ کے درست اور موثر استعمال کی اہمیت سمجھ سکیں۔

لکھنا
- اپنی جماعت کے معیار کے مطابق روز مرہ، ضرب الامثال اور محاورات کا استعمال کرتے ہوئے سادہ اور مرکب جملے تحریر کر سکیں۔

قواعد/زبان شناسی
- تذکیر و تانیث (اسما اور ضمائر) کی فہم رکھتے ہوئے زبان میں ہونے والی تبدیلیوں کو روز مرہ گفت گو اور تحریر و تخلیق میں استعمال کر سکیں۔
- جملوں میں اسم، فعل اور حرف کی نشان دہی کر سکیں۔
- حروف فجائیہ (ندا، تحسین، نفرین، تاسف، انبساط، تنبیہ، استعجاب، تہنیت، تمنا، قسم) کی نشان دہی کر سکیں۔

خاص الفاظ					
خاص	پَلَنده	تنخ	جاں بَرَاری	جِگَر دوز	چَشم پوشی
الفاظ	حواس مفلوج ہونا	خِفَّت	سوزِش	قلانچ	بَرگَشتہ

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ پر کسی تقریر یا تحریر پر استحسانی اور تنقیدی گفت گو کی اہمیت واضح کریں کہ کسی بھی نثر یا نظم پارے میں زبان و بیان کی کون کون سی فنی اور فکری خوبیاں یا خامیاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ ادب پارہ معیاری یا غیر معیاری، مقبول یا غیر مقبول قرار دیا جا سکتا ہے؟ مصنف یا شاعر کے طرزِ تحریر یا اسلوبِ بیان کی بھی وضاحت کریں تاکہ طلبہ خود بھی کسی ادب پارے پر تنقید و استحسان کے ساتھ گفت گو کر سکیں۔

پریم چند (۱۸۸۱ء۔۱۹۳۶ء)

پریم چند ضلع بنارس کے ایک گاؤں لمہی پانڈے پور میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام دھنپت رائے اور والد کا نام منشی عجائب لال تھا۔ پریم چند کی زندگی کا آغاز بڑے حوصلہ شکن حالات میں ہوا۔ سوتیلی ماں کے ظلم و ستم کے باعث ان کی ابتدائی تعلیم ٹھیک طرح سے نہ ہو سکی۔ تاہم انھوں نے پرائیویٹ طور پر بی۔ اے اور پھر جونیئر انگلش ٹیچر کا امتحان پاس کر کے محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کی اور بہ تدریج ترقی کرتے کرتے ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے تک پہنچ گئے۔ ۱۹۰۱ء سے باقاعدہ ادبی زندگی کا آغاز ہوا جو آخر دم تک جاری رہا۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "سوزِ وطن" کے نام سے شائع ہوا، جس پر حکومت نے پابندی لگا کر نذرِ آتش کر دیا۔ ان کے افسانوں کے دیگر مجموعوں میں زادِ راہ، پریم پچیسی، پریم بتیسی، پریم چالیسی اور واردات وغیرہ شامل ہیں۔ انھوں نے میدانِ عمل، گئودان وغیرہ ناول بھی لکھے۔

پریم چند کا اسلوبِ بیان سادہ اور دلکش ہے۔ وہ دیہات اور شہر دونوں طرح کے ماحول اور پس منظر کے بیان پر قدرت رکھتے ہیں تاہم دیہاتی زندگی کو انھوں نے بڑے سلیقے سے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- افسانے کے اجزائے ترکیبی کون سے ہیں؟
- اردو زبان و ادب میں افسانہ نگاری کی ابتدا کس نے کی؟

پڑھیں

ڈسٹرکٹ بورڈ۔۔۔۔۔کے ہیڈ کلرک بابو مداری لال کو کئی بار جگر دوز سانحات کے سننے کا اتفاق ہوا تھا لیکن ان کا چہرہ کبھی اتنا زرد اور دل کبھی اتنا پامال نہیں ہوا تھا، جتنا وہ سرکاری لفافہ کھول کر ہوا جو ایک دن دس بجے دفتر آتے ہی انھیں ملا۔ لفافہ ہاتھ میں لیے وہ کئی منٹ تک سکتے کے عالم میں کھڑے رہے گویا سارے حواس مفلوج ہو گئے ہوں۔ گویا دنیا ان کی نظروں میں تاریک ہو گئی ہو۔ بورڈ کے سیکرٹری صاحب نے پنشن لے لی تھی اور اس لفافے میں نئے سیکرٹری کے تقرر کا حکم تھا۔ اسی نئے تقرر پر بابو صاحب کی صورت اتنی متغیر ہو گئی تھی۔ سرکار نے سبودھ چندر کو اس عہدے پر مامور کیا تھا اور سبودھ چندر وہ شخص تھا جس کے نام سے ہی بابو مداری لال کو نفرت تھی۔ وہ سبودھ چندر جو ان کا ہم جماعت تھا جسے زک دینے کے لیے انھوں نے بارہا کوشش کی اور ہمیشہ ناکام رہے۔ وہ آج ان کا افسر ہو کر آ رہا تھا۔ سبودھ چندر کی بہت دنوں سے کوئی خبر نہ ملی تھی۔ وہ لڑائی میں شریک ہو کر بصرہ چلا گیا تھا۔ بابو صاحب نے سمجھا تھا وہیں مر گیا ہو گا مگر آج وہ سیکرٹری ہو گیا اور مداری لال کو اس کی ماتحتی میں کام کرنا پڑے گا۔ اس ذلت سے تو موت بہ درجہا بہتر تھی۔ یقیناً سبودھ کو سکول اور کالج کے واقعات یاد ہوں گے۔ مداری لال نے اسے سکول سے نکلوا دینے کے لیے کئی بار سازشیں کیں۔ غلط الزام لگائے، بدنام کیا۔ کیا سبودھ وہ ساری باتیں بھول گیا ہو گا؟ نہیں ہر گز نہیں۔ وہ آتے ہی آتے انتقام لینے کی کوشش کرے گا اور مداری لال کو جاں براری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔

مداری لال اور سبودھ دونوں ایک ہی دن ایک ہی مدرسے میں داخل ہوئے تھے اور اسی دن مداری لال کے دل میں حسد کی آگ مشتعل ہو گئی تھی۔ سبودھ کا قصور صرف یہی تھا کہ وہ مداری لال سے زیادہ ذہین، زیادہ حاضر جواب اور زیادہ خندہ پیشانی کا حامل تھا اور مداری لال نے اس کا قصور کبھی معاف نہیں کیا۔ جب سبودھ ڈگری لے کر اپنے گھر چلا گیا اور مداری لال فیل ہو کر ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر میں نوکر ہو گیا تب اسے قدرے اطمینان ہوا۔ جب معلوم ہوا کہ سبودھ بصرہ جا رہا ہے تب مداری لال کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نظر آیا تھا۔ ان کے دل سے وہ دیرینہ خلش نکل گئی تھی مگر وائے ناکامی! آج وہ پرانا، ناسور صد گونہ سوزش اور تپش کے ساتھ کھل گیا۔ آج ان کی قسمت سبودھ کے ہاتھ میں تھی اور مداری لال کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ دریا میں بہے جا رہے ہیں۔

جب ذرا اوسان بہ جا ہوئے تو مداری لال نے دفتر کے کلرکوں کو سرکاری حکم سناتے ہوئے کہا۔ اب آپ لوگ ذرا ہاتھ پاؤں سنبھال کر رہیے گا۔ سبودھ چندر وہ آدمی نہیں ہیں جو غلطیوں کو نظر انداز کر جائیں۔

ایک کلرک نے پوچھا کیا بہت سخت ہیں؟ "

مداری لال نے مسکرا کر کہا: "وہ تو آپ لوگوں کو دو چار دن ہی میں معلوم ہو جائے گا۔ میں کیوں اپنی زبان سے کسی کی شکایت کروں۔ بس آگاہ کر دیا کہ ذرا ہاتھ پاؤں سنبھال کر رہیے گا۔ آدمی لائق ہے مگر انتہا درجہ غصہ ور، نہایت مغرور اور بدمزاج۔ خود ہزاروں ہضم کر جائے اور ڈکار تک نہ لے مگر کیا مجال کہ کوئی ماتحت ایک کوڑی بھی ہضم کرنے پائے۔ ایسے آدمی سے ایشور ہی بچائے۔ میں تو سوچ رہا ہوں کہ رخصت لے کر گھر چلا جاؤں۔ دونوں وقت حاضری بجالانی ہو گی۔ آپ لوگ آج سے دفتر کے ملازم نہیں۔ سیکرٹری صاحب کے ملازم ہیں۔ کوئی ان کے لڑکے کو پڑھائے گا، کوئی بازار سے سودا سلف لائے گا، کوئی انھیں اخبار سنائے گا اور چپڑاسیوں کے تو شاید دفتر میں درشن ہی نہ ہوں گے۔"

اسی طرح سارے دفتر کو سبودھ کی طرف سے بدظن کر کے مداری لال نے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا۔

(2)

سبودھ چندر اس کے ایک ہفتے بعد گاڑی سے اترے تو اسٹیشن پر بورڈ کے سارے عملے کو حاضر پایا۔ سب ان کا استقبال کرنے آئے تھے۔ مداری لال کو دیکھتے ہی سبودھ لپک کر ان کے گلے سے لپٹ گئے اور بولے "تم خوب ملے، بھئی یہاں کیسے آئے؟ اوہ! آج دس سال کے بعد ملاقات ہوئی۔ کہاں ہو آپ؟"

مداری لال بولے: یہاں ڈسٹرک بورڈ کے دفتر میں ہیڈ کلرک ہوں۔ آپ خیریت سے تو ہیں؟"

سبودھ: "اجی میری نہ پوچھو۔ بصرہ، فرانس اور نہ جانے کہاں کہاں مارا پھرا۔ تم دفتر میں ہو، یہ بہت اچھا ہوا۔ میری تو سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیسے کام چلے گا۔ میرے لیے یہ کام بالکل نیا ہے کچھ تجربہ ہی نہیں۔ جہاں جاتا ہوں میری خود نصیبی میرے ساتھ جاتی ہے۔ بصرہ میں سارے افسر خوش تھے۔ دو سال میں کوئی پچیس ہزار روپے بنالایا اور سب اُڑا دیے۔ وہاں سے آکر کچھ دنوں تک دفتر میں مٹر گشت کرتا رہا، یہاں آیا تو تم ملے۔ (کلرکوں کو دیکھ کر) یہ لوگ کون ہیں؟"

مداری لال کے دل پر بَرچھیاں سی چل رہی تھیں۔ ظالم پچیس ہزار روپے بصرہ سے کمالایا۔ یہاں قلم گھستے گھستے مر گئے اور پانچ سو بھی نہ جمع کر سکے بولے: یہ لوگ بورڈ کے کلرک ہیں۔ سلام کو حاضر ہوئے ہیں۔"

سبودھ نے ان سب لوگوں سے باری باری ہاتھ ملایا اور بولے: آپ لوگوں نے ناحق تکلیف کی۔ بہت مشکور ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ صاحبان کو مجھ سے شکایت کا کوئی موقع نہ ملے گا۔ مجھے اپنا افسر نہیں، اپنا بھائی سمجھیے۔ آپ سب مل کر اس طرح کام کیجیے کہ بورڈ کی نیک نامی ہو اور میں بھی سرخرو ہوں۔ آپ کے ہیڈ کلرک صاحب تو میرے پرانے رفیق اور لنگوٹیے یار ہیں۔"

ایک چرب زبان کلرک نے کہا: ہم سب حضور کے تابع دار ہیں۔ حتی الامکان تو جناب کو شکایت کا کوئی موقع نہ دیں گے مگر تقاضائے بشری سے اگر کبھی سہو ہو جائے تو حضور بھی از راہِ سرپرستی چشم پوشی فرمائیے گا۔"

سبودھ: یہی میرا اصول ہے۔ ہمیشہ یہی اصول رہا، جہاں رہا۔ ماتحتوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ رہا۔ ہم اور آپ دونوں ہی کسی تیسرے کے غلام ہیں۔ پھر رعب کیسا اور حکومت کیسی۔ ہاں ہمیں نیک نیتی اور تن دہی سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔"

جب سبودھ سے رخصت ہو کر عملے والے دفتر چلے آئے تو آپس میں باتیں ہونے لگیں۔

آدمی تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔"

"ہیڈ کلرک کے بیان سے تو معلوم ہوتا تھا سب کو کچا ہی کھا جائے گا۔"

جناب یہ دکھانے کے دانت ہیں۔"

(3)

سبودھ کو آئے ایک مہینا گزر گیا۔ بورڈ کے کلرک، اردلی، چپڑاسی سب اس کے برتاؤ سے خوش تھے۔ دل جوئی کرنے کا اس میں ایسا فطری مادہ ہے کہ جو اس سے ایک بار ملتا ہے، ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہو جاتا ہے۔ سخت کلمہ تو اس کی زبان پر آتا ہی نہیں مگر اس کی یہ ساری خوبیاں مداری لال کی آنکھوں میں کھٹکتی رہتی ہیں۔ وہ اس کانٹے کو اپنے پہلو سے نکال ڈالنے کی ترکیبیں سوچتے رہتے ہیں۔ عملے کو برانگیختہ کرنا چاہا، ناکامی ہوئی۔ ممبروں کو بھڑکانا چاہا، منھ کی کھائی۔ ٹھیکے داروں کو ابھارنے کی کوشش کی، یوں چکنی چپڑی باتیں کرتے، گویا اس کے سچے دوست ہیں لیکن گھات میں لگے رہتے کہ کب موقع ملے اور اسے نیچا دکھاؤں۔ سبودھ ذہین تھا، لائق تھا مگر مردم شناس نہ تھا۔ وہ مداری لال کو اب بھی اپنا رفیق اور شفیق سمجھتا تھا۔

ایک دن مداری لال سیکرٹری صاحب کے کمرے میں گئے تو کرسی خالی دیکھی۔ وہ کسی ضرورت سے باہر چلے گئے تھے۔ ان کی میز پر پانچ ہزار کے

نوٹ پلندوں میں بندھے ہوئے رکھے ہوئے تھے۔ بورڈ کے مدرسوں کے لیے کچھ لکڑی کے سامان بنوائے گئے تھے، اس کی قیمت تھی۔ ٹھیکے دار آج وصولی کے لیے طلب کیا گیا تھا۔ آج ہی سیکرٹری صاحب نے چیک بھیج کر خزانے سے روپے منگوائے تھے۔ مداری لال نے برآمدے میں نکل کر دیکھا، سبودھ کا کہیں پتا نہ تھا۔ مداری لال کی نیت برگشتہ ہو گئی۔ حسد میں بدنیتی بھی شامل ہوئی۔ انھوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پلندے اٹھائے۔ پتلون کی دونوں جیبوں میں بھر کر فوراً کمرے سے نکلے اور چپراسی سے پوچھا: سیکرٹری صاحب کمرے میں ہیں یا نہیں؟" چپراسی نے کہا: "جی نہیں، کچہری میں کسی سے باتیں کر رہے ہیں۔"

مداری لال نے دفتر میں آکر ایک کلرک سے کہا: یہ فائل لے جا کر سیکرٹری صاحب کو دکھاؤ۔"

کلرک فائل لے کر چلا گیا اور ذرا دیر میں لوٹ کر بولا: سیکرٹری صاحب کمرے میں نہ تھے، فائل میز پر رکھ آیا ہوں۔"

مداری لال: کمرہ چھوڑ کر کہاں چلے جایا کرتے ہیں۔ کسی دن دھوکا اٹھائیں گے۔"

کلرک نے کہا: ان کے کمرے میں دفتر والوں کے سوا جاتا ہی کون ہے؟"

مداری: تو کیا دفتر والے سب کے سب فرشتے ہیں۔ کب کسی کی نیت برگشتہ ہوتی ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا۔ میں نے چھوٹی چھوٹی رقموں پر اچھے اچھوں کی نیتیں بدلتے دیکھی ہیں۔ ہم میں اس وقت سبھی شاہ نظر آتے ہیں لیکن موقع پا کر شاید ہی کوئی شاہ رہے۔ یہی انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ آپ جا کر ان کے کمرے کا دروازہ دونوں طرف سے بند کر دیجیے۔"

کلرک: چپراسی تو دروازے پر بیٹھا ہوا ہے۔"

مداری لال نے جھنجھلا کر کہا: "آپ سے میں جو کہتا ہوں وہ کیجیے۔ کہنے لگے، چپراسی بیٹھا ہوا ہے۔ چپراسی ہی کچھ اڑا دے تو آپ اس کا کیا کر لیں گے؟ ضمانت بھی ہے تو تین سو کی، یہاں ایک کاغذ لاکھ کا ہے۔"

یہ کہہ کر مداری لال اٹھے اور دفتر کے دروازے دونوں طرف سے بند کر دیے۔ جب ذرا موقع ملا تو نوٹوں کے پلندے پتلون کی جیب سے نکال کر ایک الماری میں کاغذوں کے نیچے چھپا دیے۔ پھر آکر اپنے کام میں ہمہ تن محو ہو گئے۔

سبودھ چندر آدھ گھنٹے میں لوٹے تو دروازہ بند تھا۔ دفتر میں آکر مسکراتے ہوئے بولے۔ یہ دروازہ کس نے بند کر دیا ہے صاحب۔ کیا مجھے آنے کی اجازت نہیں ہے؟"

مداری لال نے کھڑے ہو کر واعظانہ لہجے میں کہا: "جناب گستاخی معاف کیجیے گا۔ آپ جب کبھی باہر جائیں، چاہے ایک منٹ ہی کے لیے کیوں نہ ہو دروازہ ضرور بند کر دیا کریں۔ آپ کی میز پر روپے پیسے اور سرکاری کاغذات بکھرے پڑے رہتے ہیں، نہ جانے کس وقت کس کی نیت بدل جائے۔ میں نے ابھی سنا کہ آپ کہیں باہر گئے ہوئے ہیں تو دروازے بند کرا دیے۔"

سبودھ دروازہ کھول کر کمرے میں گئے اور ایک سگار پینے لگے۔ میز پر نوٹ رکھے ہوئے ہیں، اس کی خبر ہی نہ تھی۔ دفعتاً ٹھیکے دار نے آکر سلام کیا۔ سبودھ کرسی سے اٹھ بیٹھے اور بولے: تم نے بہت دیر کر دی۔ تمھارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ دس بجے ہی روپے منگوا لیے تھے۔ رسید کا ٹکٹ لائے ہو نا؟"

ٹھیکے دار: حضور، رسید لکھتا لایا ہوں۔"

سبودھ: تو یہ روپے لو۔ تمھارے کام سے میں بہت خوش نہیں ہوں۔ لکڑی خراب استعمال کی ہے اور کوئی چیز صاف نہیں اگر ایسا کام کرو گے تو ٹھیکے داروں کے رجسٹر سے تمھارا نام نکال دیا جائے گا۔"

یہ کہہ کر سبودھ نے میز پر نگاہ ڈالی تو نوٹوں کا پلندہ نہ تھا۔ شاید کسی فائل کے نیچے دب گیا ہو گا۔ کرسی کے قریب کے کاغذات الٹ پلٹ ڈالے مگر

نوٹوں کا پتا نہیں۔ایں! نوٹ کہاں گئے۔ابھی یہیں تو میں نے رکھ دیے تھے۔جا کہاں سکتے ہیں؟ پھر فائلوں کو اُلٹنے پلٹنے لگے۔دل میں ذرا ذرا سی دھڑکن ہونے لگی۔ساری میز کے کاغذات چھان ڈالے۔پلندے کا پتا نہیں۔تب وہ کرسی پر بیٹھ کر اس آدھ گھنٹے کے واقعات اور حرکات کا تبصرہ کرنے لگے۔ چپڑاسی نے نوٹوں کا پلندہ لاکر مجھے دیا۔خوب یاد ہے۔بھلا یہ بھی بھولنے کی بات ہے اور اتنی جلد۔میں نے نوٹوں کو لے کر یہیں میز پر رکھ دیا،گنا تک نہیں۔اتنے میں ایک وکیل صاحب آگئے۔پرانے ملاقاتی ہیں،ان سے باتیں کرتا ہوا ذرا اس درخت کے نیچے چلا گیا۔

یہاں تو پلندہ رکھا ہوا تھا۔خوب اچھی طرح یاد ہے۔پھر نوٹ کہاں غائب ہو گئے۔میں نے کسی صندوق،دراز یا الماری میں نہیں رکھے پھر گئے تو کہاں گئے؟ شاید دفتر میں کسی نے احتیاطاً اُٹھا کر رکھ دیے ہوں۔یہی بات ہے میں ناحق اتنا گھبرا گیا۔فوراً دفتر میں آکر مداری لال سے بولے: آپ نے میری میز پر سے کچھ نوٹ تو کہیں نہیں رکھوا دیے۔"

مداری لال نے استعجاب سے پوچھا: کیا آپ کی میز پر نوٹ تھے۔مجھے تو خبر نہیں۔ابھی منشی سوہن لال ایک فائل لے کر گئے تھے تو آپ کو کمرے میں نہ دیکھا۔میں نے سنا کہ آپ کسی سے باتیں کرتے چلے گئے ہیں تو دروازے بند کروا دیے۔کیا کچھ نوٹ نہیں مل رہے ہیں؟"

سبودھ: ارے صاحب پورے پانچ ہزار کے نوٹ ہیں۔ابھی ابھی چیک بنایا ہے۔"

مداری لال نے سر پیٹ کر کہا: پورے پانچ ہزار! یا بھگوان غضب ہو گیا۔آپ نے میز پر دیکھ لیا؟"

سبودھ۔"جناب پندرہ منٹ سے پریشان ہوں؟"

مداری لال: چپڑاسی سے پوچھ لیا کہ کون کون آیا تھا؟"

سبودھ: آیئے ذرا آپ لوگ بھی تلاش کیجیے۔میرے حواس درست نہیں ہیں۔"

سارا دفتر سیکرٹری صاحب کے کمرے میں سرگرم تلاش ہوا۔میز الماریاں،صندوق سب دیکھے گئے مگر نوٹوں کا پتہ نہیں۔نوٹ غائب ہو گئے۔ اب اس میں شبہے کی گنجائش نہ تھی۔سبودھ نے ایک لمبی سانس لی اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ان کی ہیئت ہی بدل گئی جیسے مسخ ہو گئے ہوں۔

مداری لال نے ہمدردانہ انداز سے کہا: غضب ہو گیا۔آج تک کبھی ایسا سانحہ نہ ہوا تھا۔مجھے آج یہاں دس سال کام کرتے ہوئے ہو گئے، کبھی دھیلے کی چیز بھی غائب نہیں ہوئی۔میں نے آپ کو پہلے ہی دن متنبہ کر دینا چاہا کہ یہاں ذرا ہوشیار رہیے گا مگر شدنی تھی،خیال ہی نہ رہا۔ضرور باہر سے کوئی آدمی آیا اور پلندہ لے کر غائب ہو گیا۔چپڑاسی کی خطا یہی ہے کہ اس نے اس آدمی کو کمرے میں جانے کیوں دیا؟ وہ لاکھ قسمیں کھائے کہ باہر سے کوئی نہیں آیا لیکن میں اسے کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔صرف منشی سوہن لال ایک فائل لے کر آپ کے کمرے میں گئے تھے مگر دروازے سے ہی جھانک کر چلے آئے۔"

سوہن لال نے کہا:"جی ہاں،میں نے تو اندر قدم بھی نہیں رکھا۔اپنے جوان بیٹے کی قسم کھاتا ہوں جو میں نے اندر قدم رکھا ہو۔"

مداری لال: آپ ناحق قسمیں کھاتے ہیں۔آپ سے کوئی کچھ کہتا ہے؟ (سبودھ کے کان میں) بینک میں آپ کا کچھ روپیہ ہو تو نکال کر ٹھیکے دار کو دے دیا جائے ورنہ سخت بدنامی ہو گئی۔نقصان تو ہو ہی گیا۔اس کے ساتھ خفت کیوں اٹھانی پڑے؟"

سبودھ چندر نے دردناک لہجے میں کہا: بینک میں مشکل سے دو چار سو روپے ہوں گے۔بھائی جان! روپے ہوتے تو کیا غم تھا؟ سمجھ لیتا جیسے پچیس اڑ گئے،ویسے پانچ ہزار اڑ گئے مگر میں تو قلاش ہوں۔"

اسی رات کو سبودھ چندر نے خودکشی کر لی۔اتنے روپوں کا انتظام کرنا ان کے لیے مشکل تھا۔پر موت کے سوا انھیں اپنی خفت،ندامت،بدگمانی، ذلت کو چھپانے کی اور کوئی آڑ نہ تھی۔

(4)

دوسرے دن علی الصبح چپراسی نے مداری لال کے گھر پہنچ کر آواز دی۔ مداری لال کو رات بھر نیند نہ آئی تھی۔ گھبرا کر باہر آئے۔

چپراسی۔ ہجور۔ بڑا گجب ہو گیا۔ سیکرٹری صاحب نے رات کو اپنی گردن پر چھری پھیر لی۔"

مداری کو ایسا معلوم ہوا گویا ان کے سر پر کوئی بڑا سا پتھر ٹوٹ پڑا ہو۔ "چھری پھیر لی!"

'جی ہاں، آج سویرے معلوم ہوا۔ پولیس کے آدمی جمع ہیں۔ آپ کو بلایا ہے۔"

لاش ابھی پڑی ہوئی ہے۔"

"جی ہاں، ابھی ڈاکٹری معائنہ ہونے والا ہے۔"

بہت سے لوگ جمع ہیں؟"

سب بڑے بڑے اپسر جمع ہیں۔ لاس کی طرپھ دیکھے نہیں بنتا بابو جی!! کیسا بھلامانس، ہیرا آدمی تھا۔ سب لوگ رو رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں، ایک بڑی لڑکی ہے، بیاہنے لائق۔ بہو جی کو لوگ کتنا روک رہے ہیں، پر بار بار دوڑ کر لاس کے پاس آجاتی ہیں۔ کوئی ایسا نہیں ہے جو آنکھیں رومال سے نہ پونچھ رہا ہو۔ ابھی آئے ہوئے کتنے ہی دن ہوئے پر سب سے کیسا میل جول ہو گیا تھا۔ روپے کی تو انھیں محبت ہی نہیں تھی۔ دریا دل تھا۔"

مداری لال کے سر میں چکر آنے لگا۔ دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر اپنے کو سنبھال نہ لیتے تو شاید گر پڑتے۔

"بہو جی بہت رو رہی تھیں؟ کے لڑکے بتلائے تم نے؟"

ہجور دو لڑکے ہیں اور ایک لڑکی۔"

"لڑکی سیانی ہو گی؟"

"جی ہاں، بیاہنے لائیک ہے۔ روتے روتے بچاری کی آنکھیں سوج اٹھی ہیں۔"

نوٹوں کے بارے میں بھی بات چیت ہو رہی ہو گی؟"

جی ہاں، سب لوگ یہی کہتے ہیں کہ دپھتر کے کسی آدمی کا کام ہے۔ ذرگا جی تو سوہن لال کو گرپھتار کرنا چاہتے تھے مگر سائت آپ کی صلاح لیں۔ سیکرٹری صاحب لکھ گئے ہیں کہ میرا شک کسی پر نہیں ہے۔ نہیں تو اب تک تہلکہ مچ گیا ہوتا۔ سارا دپھتر پھنس جاتا۔"

کیا سیکرٹری صاحب کوئی خط لکھ کر چھوڑ گئے ہیں؟"

ہاں صاحب، معلوم ہوتا ہے چھری مارتے بکھت انھیں یاد آیا کہ سب دپھتر گرپھتار ہو جائے گا۔ بس کلکٹر صاحب کے نام چٹھی لکھ دی۔"

"اس چٹھی میں میرا بھی ذکر ہے؟ تمھیں یہ کیا معلوم ہوگا۔"

ہجور، اب میں کیا بتاؤں مگر اتنا سب لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی بڑی تاریپھ لکھی ہے۔"

مداری لال کی سانس اور تیز ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو کے دو بڑے قطرے ٹپک پڑے۔

میں اور وہ ایک ساتھ کے پڑھے تھے۔ نند و، آٹھ دس سال تک ساتھ رہا۔ ساتھ اٹھتے بیٹھتے، ساتھ کھاتے، بس اسی طرح تھے۔ جیسے دو سگے بھائی ہوں۔ خط میں میری کیا تعریف لکھی ہے؟ یہ تمھیں کیا معلوم ہوگا؟"

آپ تو چل ہی رہے ہیں دیکھ لیجیے گا۔"

کفن کا انتظام ہو گیا ہے؟"

نہیں صاحب، کہاناں! اکہ ابھی لاس کاڈاکٹری معائنہ ہوگا مگر اب جلدی چلیے ایسانہ ہو کوئی دوسرا آدمی آتا ہو۔"

ہمارے دفتر کے بھی سب لوگ آگئے ہوں گے ؟"

"جی ہاں، کئی آدمی آگئے تھے۔ وہی جو اس محلے میں رہتے تھے۔"

ان سے پولیس والوں نے میری بابت تو سوال جواب نہیں کیا؟"

"جی نہیں، کسی سے بھی نہیں۔"

مداری لال جب سبودھ چندر کے گھر پہنچے تو کئی افسر اور محلے کے معززین جمع تھے۔ مداری لال کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ سب کے سب ان / کی طرف بدگمانی کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ پولیس انسپکٹر نے انھیں فوراً بلا کر کہا: آپ بھی اپنا بیان لکھا دیں اور سب کے بیان لکھ چکا ہوں۔"

مداری لال نے اتنی ہوشیاری سے اپنا بیان دیا کہ انسپکٹر پولیس بھی ان کی قانونی نکتہ دانی کا معترف ہو گیا۔ سارے بیان میں ایک لفظ بھی ایسا نہ تھا جو اِن کے خلاف پڑ سکے۔

یکایک مرحوم کے دونوں بچے روتے ہوئے مداری لال کے پاس آئے اور بولے: "چلیے آپ کو اماں جی بلا رہی ہیں۔" دونوں مداری لال سے مانوس تھے۔ مداری کو سبودھ چندر کی بیوی سے کبھی بات چیت کرنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ یہ بلاوا ئن کر ان کا دل دھڑک اٹھا۔ کہیں اس کا مجھ پر شبہ نہ ہو۔ کہیں سبودھ نے میری نسبت شک ظاہر نہیں کیا؟ کچھ جھجکتے، کچھ ڈرے۔ اندر داخل ہوئے تو بیوہ کا نالۂ دل خراش سنائی دیا۔ انھیں دیکھتے ہی بے کس بیوہ کے نالۂ درد کا کوئی دوسرا سوتا کھل گیا۔ لڑکی نے آکر انھیں پرنام کیا اور ان کے لیے ایک کرسی رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ دونوں لڑکوں نے بھی انھیں گھیر لیا۔ مداری لال کو ان تینوں کی نظروں میں ایسی بے کسانہ التجا بھری ہوئی معلوم ہوئی کہ وہ ان کے سامنے دیکھ نہ سکے۔ ان کا نفس انھیں نفرین کرنے لگا۔ جن غریبوں کو ان پر اتنا اعتماد، اتنا بھروسہ، اتنی عقیدت، اتنی یگانگت ہے، انھیں کی گردن پر انھوں نے چھری پھیری۔ انھی کے ہاتھوں یہ بھرا پُرا خاندان خاک میں مل گیا۔ ان غریبوں کا اب کیا حشر ہوگا لڑکی کی شادی کرنی ہے، کون کرے گا؟ بچوں کی تعلیم و تربیت کا بار کون اٹھائے؟ مداری لال خود اپنی نظروں میں اتنے ذلیل ہوئے۔ ان کے دل نے خود اتنا دھتکارا کہ ان کی زبان سے تشفی کا ایک لفظ نہ نکلا۔ انھیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا ان کے چہرے پر کوئی سیاہ اور بدنما داغ لگا ہوا ہے۔ گویا ان کا قد چھوٹا ہو گیا ہے۔ وہ سبودھ چندر کو صرف پریشان کرنا چاہتے تھے۔ اس کا یہ انجام ہوگا، شاید اس کا گمان بھی نہیں تھا۔

مجروح بیوہ نے سسکتے ہوئے کہا: بھیاجی! ہم لوگوں کو وہ منجدھار میں چھوڑ گئے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ دل میں یہ بات ٹھان چکے ہیں تو اپنے پاس جو کچھ تھا، سب ان کے قدموں پر رکھ دیتی۔ مجھ سے تو وہ یہی کہتے رہے کہ کوئی نہ کوئی انتظام ہو جائے گا آپ کے اوپر انھیں کتنا بھروسا تھا کہ بیان نہیں کر سکتی۔"

مداری لال کو ایسا معلوم ہوا کہ کوئی ان کے دل پر نشتر چلا رہا ہے۔ ان کے حلق میں کوئی وزنی چیز پھنسی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

بیوہ نے پھر کہا: رات سوئے تو خوب ہنس رہے تھے۔ سابق دستور دودھ پیا، بچوں کو پیار کیا، تھوڑی دیر تک ہارمونیم بجایا۔ کوئی ایسی بات نہ کی، جس سے کسی قسم کا شبہ ہوتا۔ مجھے متفکر دیکھ کر بولے: تم ناحق گھبراتی ہو۔ مداری لال سے پرانی ملاقات ہے۔ آخر وہ کس دن کام آئے گا۔ میرے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں۔ اس شہر میں ان کی خاصی عزت ہے۔ روپوں کا انتظام آسانی سے ہو جائے گا۔" پھر نہ جانے کب ان کا ارادہ پلٹا۔ میں نصیبوں جلی ایسی سوئی کہ رات کو سنکی تک نہیں۔ کیا جانتی تھی کہ وہ اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔"

مداری لال کو سارا مکان تیرتا ہوا معلوم ہوا۔ انھوں نے بہت ضبط کیا۔ پر جوش اشک نہ روک سکے۔

بیوہ نے آنکھیں پونچھ کر پھر کہا: بابوجی جو کچھ ہونا تھا، وہ تو ہو چکا لیکن آپ اس بدمعاش کا پتا ضرور لگایے جس نے ہمارا ستیاناس کیا۔ دفتر ہی کے کسی آدمی کی حرکت ہے۔ وہ بہت سیدھے سادے آدمی تھے۔ مجھ سے یہی کہتے رہے کہ میرا کسی پر شبہ نہیں ہے۔ آپ سے صرف یہی التجا کرتی ہوں کہ

اس بدمعاش کو بچ کر جانے نہ دیجیے گا۔ پولیس والے شاید رشوت لے کر اسے چھوڑ دیں۔ آپ کو دیکھ کر ان کا یہ حوصلہ نہ ہوگا۔ اب ہمارے سر پر آپ کے سوا اور کون ہے۔ کس سے اپنا دکھ کہیں۔ لاش کی یہ درگت ہونی ہی لکھی تھی۔"

مداری لال کے سر میں ایسا چکر آیا کہ وہ زمین پر گر پڑے۔

(5)

تیسرے پہر لاش کا معائنہ ختم ہوا۔ جنازہ ندی کی طرف چلا۔ سارا دفتر سارے حکام اور ہزاروں آدمی ساتھ تھے۔ چتا کے مراسم لڑکوں کے ہاتھ ادا ہونے چاہیے تھے مگر لڑکے نابالغ تھے۔ بیوہ چلنے کو تیار ہی ہو رہی تھی کہ مداری لال نے جا کر کہا: بھوجی! یہ فرض مجھے ادا کرنے دو۔ تم کریا پر بیٹھ جاؤ گی تو بچوں کو کون سنبھالے گا؟ سبودھ میرے بھائی تھے۔ زندگی میں میں ان کے ساتھ کچھ سلوک نہ کر سکا۔ اب زندگی کے بعد مجھے اپنا دوستانہ اور برادرانہ فرض ادا کر لینے دو۔ آخر میرا بھی تو ان پر کچھ حق تھا۔"

بیوہ نے رو کر کہا: آپ کو بھگوان نے بڑا فیاض دل دیا ہے۔ بابوجی!! نہیں تو مرنے پر کون پوچھتا ہے؟ دفتر کے آدمی جو آدھی آدھی رات تک ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے، جھوٹوں بھی نہ آئے کہ ذرا دل کو ڈھارس ہوتی۔"

مداری لال نے داہ کریا کی۔ تیرہ دن تک سنسکار کرتے رہے۔ تیرھویں دن پنڈدان ہوا۔ برہمنوں نے بھوجن کیا۔ فقیروں کو غلہ تقسیم کیا گیا۔ قریبی احباب کی دعوت ہوئی اور سبھی اخراجات مداری لال نے ادا کیے۔ بیوہ نے ہر چند اصرار کیا کہ آپ نے جتنا کیا، اتنا ہی بہت ہے۔ اب میں آپ کو اور زیادہ زیر بار نہیں کرنا چاہتی۔ دوستی کا حق اس سے زیادہ اور کوئی کیا ادا کرے گا مگر مداری لال نے ایک نہ سنی۔ سارے شہر میں لوگ ان کی تعریف کرنے لگے، دوست ہو تو ایسا ہو۔

سولھویں دن بیوہ نے مداری لال سے کہا: "بھیا! آپ نے ہمارے ساتھ جو سلوک اور احسان کیے، ان سے ہم مرتے دم تک سبک دوش نہیں ہو سکتے۔ آپ نے ہمارے سر پر ہاتھ نہ رکھا ہوتا تو نہیں معلوم ہماری کیا گت ہوتی۔ اسی طرح کبھی کبھی یاد کیجیے گا۔ اب ہمیں اجازت دیجیے کہ گھر جائیں۔ وہاں دیہات میں خرچ بھی کم ہوگا اور کچھ کھیتی باڑی کا سلسلہ بھی کر لوں گی۔ کسی نہ کسی طرح زندگی کے دن کٹ جائیں گے۔"

مداری لال: "گھر پر کتنی جائیداد ہے؟"

بیوہ: جائیداد کیا ہے۔ ایک کچا مکان ہے اور دس بارہ بیگھے کاشتکاری ہے۔ پکا مکان بنوانا شروع کیا تھا مگر روپے پورے نہ پڑے۔ ابھی ادھورا پڑا ہے۔ دس بارہ ہزار روپے خرچ ہو گئے اور ابھی چھت پڑنے کی نوبت ہی نہ آئی۔"

مداری: کچھ روپے بینک میں جمع ہیں یا بس کھیتی ہی کا سہارا ہے؟"

بیوہ: جمع تو ایک پائی بھی نہیں ہے۔ بھیاجی! ان کے ہاتھ میں روپیہ رہنے ہی نہ پاتا تھا۔ بس وہی کھیتی باڑی ہے۔"

مداری: تو ان کھیتوں میں اتنی پیداوار ہو جائے گی کہ لگان بھی ادا ہو جائے اور تم لوگوں کی بسر اوقات بھی ہو؟"

بیوہ: اور کر ہی کیا سکتے ہیں، بھیاجی! کسی نہ کسی طرح زندگی تو کاٹنا ہی ہے۔ بچے نہ ہوتے تو میں زہر کھا لیتی۔"

مداری: اور ابھی لڑکی کی شادی بھی کرنی ہے۔"

بیوہ: لڑکی کی شادی کی اب کوئی فکر نہیں ہے۔ کاشت کاروں میں بہت سے ایسے مل جائیں گے جو بنا کچھ لیے دیے شادی کر لیں گے۔"

مداری نے ذرا دیر خاموش رہ کر کہا: "اگر میں کچھ صلاح دوں تو اسے مانیں گی آپ؟"

بیوہ: ”بھیاجی، اپ کی صلاح نہ مانیں گے تو کس کی صلاح مانیں گے ؟ دوسرا اور ہے ہی کون ؟“

مداری: تو آپ اپنے گھر جانے کے بدلے میرے گھر چلیے۔ جیسے میرے بال بچے کھائیں، رہیں گے ویسے آپ کے بال بچے بھی رہیں گے۔ آپ کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہوگی۔ میرا مکان کافی بڑا ہے۔ آپ چاہیں گی تو اسے دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ آپ کو دے دوں گا ورنہ ایک ساتھ ہی رہیں گے۔ ایشور نے چاہا تو لڑکی کی شادی بھی کسی شریف خاندان میں ہو جائے گی۔“

بیوہ نے آنکھوں میں احسان اور تشکر کے آنسو بھرتے ہوئے کہا: مگر بابوجی، سوچیے !!“

مداری نے بات کاٹ کر کہا: میں نہ کچھ سوچوں گا اور نہ کوئی عذر مانوں گا۔ آپ کو میری یہ درخواست قبول کرنی پڑے گی۔ میں آج دس دن سے اسی مسئلے پر غور کر رہا تھا اور اس تجویز کے سوا مجھے اور کوئی دوسری صورت نظر نہیں آتی۔ اف! دو بھائیوں کے خاندان کیا ایک ساتھ نہیں رہتے ؟ سبودھ کو میں اپنا بھائی سمجھتا ہوں اور ہمیشہ سمجھوں گا۔“

بیوہ کا کوئی عذر نہ سنا گیا۔ اسی دن مداری لال سارے خاندان کو اپنے گھر لے گئے اور آج دس سال سے ان کی پرورش کر رہے ہیں۔ لڑکی کی شادی ایک بہت ممتاز خاندان میں ہو گئی۔ دونوں بچے کالج پڑھتے ہیں اور ان کی ماں مداری لال کے گھر کی مالکن ہے۔ مداری لال اور ان کی بیوی دل و جان سے ان کی خدمت کرتے ہیں اور اسی کی مرضی کو مقدم سمجھتے ہیں۔

مداری لال نے اپنے گناہ کو خدمت کے پردے میں چھپالیا ہے۔ (پریم چند کے ان مول افسانے)

مشق

سننا

ا۔ افسانہ ”کفارہ“ کے درج ذیل اقتباسات دیے گئے ہیں؛ ایک اقتباس افسانے کے آغاز کی چند سطور ہیں اور دوسرا؛ افسانے کے درمیانی حصے پر مشتمل ہے جب کہ تیسرا اقتباس افسانے کا آخری حصہ ہے۔ طلبہ باری باری ان حصوں کو درست تلفظ کے ساتھ بلند آواز میں پڑھیں جب کہ باقی طلبہ افسانے کا آغاز/درمیان سے سن کر افسانے کے مرکزی خیال / نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کریں۔

(آغاز کی سطور)

ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہیڈ کلرک بابو مداری لال کو کئی بار جگر دوز سانحات کے سننے کا اتفاق ہوا تھا لیکن ان کا چہرہ کبھی اتنا زرد اور دل کبھی اتنا پامال نہیں ہوا تھا، جتنا وہ سرکاری لفافہ کھول کر ہوا جو ایک دن دس بجے دفتر آتے ہی انھیں ملا۔ لفافہ ہاتھ میں لیے وہ کئی منٹ تک سکتے کے عالم میں کھڑے رہے گویا سارے حواس مفلوج ہو گئے ہوں۔ گویا دنیا ان کی نظروں میں تاریک ہو گئی ہو۔ بورڈ کے سیکرٹری صاحب نے پنشن لے لی تھی اور اس لفافے میں نئے سیکرٹری کے تقرر کا حکم تھا۔ اسی نئے تقرر پر بابو صاحب کی صورت اتنی متغیر ہو گئی تھی۔ سرکار نے سبودھ چندر کو اس عہدے پر مامور کیا تھا اور سبودھ چندر وہ شخص تھا جس کے نام سے ہی بابو مداری لال کو نفرت تھی۔ وہ سبودھ چندر جوان کا ہم جماعت تھا جسے زک دینے کے لیے انھوں نے بارہا کوشش کی اور ہمیشہ ناکام رہے۔ وہ آج ان کا افسر ہو کر آرہا تھا۔ سبودھ چندر کی بہت دنوں سے کوئی خبر نہ ملی تھی۔

(افسانے کا درمیانی حصہ)

سولہویں دن بیوہ نے مداری لال سے کہا۔ بھیا آپ نے ہمارے ساتھ جو سلوک اور احسان کیے، ان سے ہم مرتے دم تک سبک دوش نہیں ہو سکتے۔ آپ نے ہمارے سر پر ہاتھ نہ رکھا ہوتا تو نہیں معلوم ہماری کیا گت ہوتی۔ اسی طرح کبھی کبھی یاد کیجیے گا۔ اب ہمیں اجازت دیجیے کہ گھر جائیں۔

وہاں دیہات میں خرچ بھی کم ہوگا اور کچھ کھیتی باڑی کا سلسلہ بھی کر لوں گی۔ کسی نہ کسی طرح زندگی کے دن کٹ جائیں گے۔"
مداری لال: "گھر پر کتنی جائیداد ہے؟" بیوہ: جائیداد کیا ہے۔ ایک کچا مکان ہے اور دس بارہ بیگھے کاشت کاری ہے۔ پکا مکان بنوانا شروع کیا تھا مگر روپے پورے نہ پڑے۔ ابھی ادھورا پڑا ہے۔ دس بارہ ہزار روپے خرچ ہو گئے اور ابھی چھت پڑنے کی نوبت ہی نہ آئی۔"

(افسانے کا آخری پیرا گراف)

بیوہ کا کوئی عذر نہ سنا گیا۔ اسی دن مداری لال سارے خاندان کو اپنے گھر لے گئے اور آج دس سال سے ان کی پرورش کر رہے ہیں۔ لڑکی کی شادی ایک بہت ممتاز خاندان میں ہو گئی۔ دونوں بچے کالج پڑھتے ہیں اور ان کی ماں مداری لال کے گھر کی مالکن ہے۔ مداری لال اور ان کی بیوی دل و جان سے ان کی خدمت کرتے ہیں اور اسی کی مرضی کو مقدم سمجھتے ہیں۔

مداری لال نے اپنے گناہ کو خدمت کے پردے میں چھپا لیا ہے۔

بولنا

☆۔ استحسان اور تنقید

جب کوئی تحریر پڑھی جاتی ہے تو اُس کی زبان، خیالات کی ترتیب، ربط و تسلسل اور جامعیت وغیرہ کو پرکھا جاتا ہے، اگر اُس کی زبان اس میں موجود خیالات کی احسن طریقے سے ترجمانی کرے تو پڑھنے والے کو نہ صرف مفہوم سمجھنے میں آسانی رہتی ہے بل کہ وہ اس سے لطف اندوز بھی ہوتا ہے۔ زبان و بیان کی عمدہ خوبیوں کا بیان استحسان کہلاتا ہے اور اُس کی کم زوریوں کی نشان دہی کرنا تنقید کہلاتا ہے۔ استحسان' سے لکھنے والے کی حوصلہ افزائی اور انداز منصفانہ ہونا چاہیے اور فنی پہلوؤں پر توجہ مرکوز رہنی چاہیے۔ تنقید عربی زبان کے لفظ 'نقد" سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معانی ہیں: پرکھنا، کھوٹے اور کھرے کا فرق معلوم کرنا۔ اصطلاح میں کسی ادیب یا شاعر کی تحریر میں موجود خوبیوں اور خامیوں (محاسن و معائب) کا صحیح اندازہ کرنا اور اپنی رائے کو پیش کرنا، تنقید کہلاتا ہے۔ تنقید کا مقصد کسی بھی ادب پارے کے دونوں پہلوؤں کا جائزہ لینا ہے۔ تنقید کسی بھی زبان کے ادب میں موجود معیاری اور غیر معیاری تصانیف طے کیے گئے معیارات پر پرکھی جاتی ہیں جس سے معیاری اور غیر معیاری سطحوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور ادب کی تخلیق کے سوتے بہتر سے بہتر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ استحسان کا مطلب ہے کہ ایسے سوالات کا جواب ڈھونڈا جائے کہ ادب پارے کو اچھا، معیاری، پسند یدہ اور بہتر کیوں کر سمجھا جائے؟ گویا کسی بھی ادب پارے کی مجموعی خوبیاں اور خوب صورتیں کو بے لاگ رائے کے ذریعے بیان کرنا استحسان کہلاتا ہے۔

۲۔ طلبہ درج بالا نکات کو مدِ نظر رکھ کر کے شاملِ نصاب افسانے کفارہ" پر تنقیدی اور استحسانی گفت گو کریں تاکہ اس کی خوبیاں اور خامیاں واضح ہو سکیں۔ جہاں کہیں دقت پیش آئے یا ضرورت پڑے، اپنے استاد محترم یا استانی صاحبہ سے رہ نمائی لیں۔

پڑھنا

۳۔ روزمرہ، محاورہ، ضرب الامثال، سادہ اور مرکب جملے

اہلِ زبان کی بات چیت جو وہ روزمرہ زندگی میں بولتے ہیں، روزمرہ کہلاتی ہے۔ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ جو اہلِ زبان کی بول چال کے موافق، حقیقی معنوں میں استعمال ہو، روزمرہ کہلاتا ہے۔ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ جو اپنے لغوی معنوں کی بہ جائے مجازی معانی دیتا ہو، محاورہ کہلاتا ہے۔ ضرب المثل ایک ایسا مکمل جملہ ہوتا ہے جو کسی واقعے کو بتانے اور اس پر مہر تائید ثبت کرنے کا ایک نرالا انداز ہے جس سے گفت گو اور کلام میں چاشنی پیدا ہوتی ہے اور مضمون نہایت عمدہ ہو جاتا ہے۔ ضرب المثل کو کہاوت بھی کہتے ہیں۔

اگر کوئی جملہ ایک ہی حصے پر مشتمل ہو یعنی کوئی ایک خبر وغیرہ دی گئی ہو تو اُسے سادہ جملہ کہیں گے۔ تاہم اگر جملہ دو یا دو سے زائد حصوں پر مشتمل ہو تو اسے مرکب جملہ کہتے ہیں۔ پہلے کو اصل جملہ جب کہ دوسرے کو تابع جملہ کہتے ہیں۔

☆ شامل نصاب سبق کے درج ذیل جملوں میں کچھ مرکب اور کچھ سادہ جملے ہیں جن میں نامانوس الفاظ، محاورات، ضرب الامثال، مترادفات اور مرکبات کا استعمال بھی ہوا ہے، آپ انھیں سمجھ کر پڑھیں اور ان کی نشان دہی بھی کریں۔

i لفافہ ہاتھ میں لیے وہ کئی منٹ تک سکتے کے عالم میں کھڑے رہے۔

ii مداری لال کو اس کی ماتحتی میں کام کرنا پڑے گا۔

iii مداری لال کو جاں براری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

iv مگر وائے ناکامی! آج وہ پرانا، ناسور صد گونہ سوزش اور تپش کے ساتھ کھل گیا۔

v اب آپ لوگ ذرا ہاتھ پاؤں کو سنبھال کر رہیے گا۔

vi اس طرح سارے دفتر کو سبودھ کی طرف سے بدظن کر کے مداری لال نے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیا

vii ہم سب حضور کے تابع دار ہیں۔

viii یہ دکھانے کے دانت ہیں۔

ix انسپکٹر پولیس بھی ان کی نکتہ دانی کا معترف ہو گیا۔

x بھارت نے کشمیریوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے لیکن اسے کسی قسم کی شرم و حیا نہیں۔

لکھنا

۴۔ درج ذیل روز مرہ، محاورات اور ضرب الامثال کو استعمال کرتے ہوئے سادہ اور مرکب جملے بنائیں۔

آئے روز --------

بلاناغہ --------

روز بہ روز --------

پانچ سات --------

انگور کھٹے ہیں --------

آم کے آم گٹھلیوں کے دام --------

جس کی لاٹھی اس کی بھینس --------

آفت برپا کرنا --------

رال ٹپکنا --------

فریاد کرنا --------

۵۔ اردو ایک لشکری زبان ہے جس میں متعدد عالمی اور علاقائی بولیوں اور زبانوں کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اردو زبان نے دیگر زبانوں کے ان گنت الفاظ کو اپنے دامن میں اس طرح سمیٹا کہ ہر لفظ اپنے ماخذ کی بہ جائے اردو ہی میں اس طرح ضم ہو کر رہ گیا کہ اس کا استعمال کسی بھی طرح اجنبی محسوس نہیں ہوتا۔ فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں کے علاوہ مقامی زبانوں کے الفاظ بھی اردو میں رچ بس گئے ہیں۔ درج ذیل مثالیں اسی ضمن کی ہیں ۔ اردو زبان میں رائج دوسری زبانوں کے ان الفاظ کے درست اور موثر استعمال کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ان کے جملے بنائیں۔

سکول، کالج، یونیورسٹی، میڈیم (انگریزی)	تاج، قصد، سراج، مطلع (عربی)
غرض، پارس، چراغ (فارسی)	کاٹھ، بھی، کٹھ پتلی، ہٹ ط (ہندی)
اٹلس، تھرمامیٹر، آٹو بائیو گرافی (یونانی)	ٹروپس، رپورٹ، سلاد (فرانسیسی)
الماری سے الماری، اناس، آیا (پرتگالی)	اسپرے، ٹب، مگ (جرمن)

(استفادہ: اردو میں دخیل یورپی الفاظ: مصنف ڈاکٹر محمد بن عمر)

قواعد/زبان شناسی

تذکیر و تانیث

تذکیر و تانیث کا تصور آپ جماعت نہم میں تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔

۶۔ درج ذیل الفاظ کے جملے اس طرح بنائیں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے۔

دھن، دہی، قمیص، کیچڑ، دھوکا، قطار، کان، کف، تار

اسم، فعل، حرف کی نشان دہی

۷۔ اسم، فعل اور حرف کے تصور کے حوالے سے بھی آپ جماعت نہم کی نصابی کتاب میں تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔ درج ذیل جملوں میں اسم (کسی شے کا نام)، فعل (کوئی کام) اور حرف (ایسے الفاظ جن کا اپنا کوئی معنی تو نہیں ہوتا لیکن لفظوں، جملوں اور کلموں میں آکر ان کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔) کی نشان دہی کریں۔

i. چوں کہ بارش ہو رہی ہے اس لیے آج موسم ٹھیک ہے۔
ii. کسی کی چغلی کھانا گناہ ہے۔
iii. اسلم نے مجھے فون کیا تھا۔
iv. آپ کیا کر رہے ہیں؟
v. اگر محنت کرو گے تو کام یاب ہو جاؤ گے۔

حروف فجائیہ

حروفِ تاسف: یہ حروف غم یا افسوس کے اظہار کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، افسوس، حیف، وائے، ہائے، اُف، ہے ہے حروف، تاسف ہیں۔

حروفِ تنبیہ:

وہ حروف جو خبردار کرنے اور ڈرانے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: خبردار! جھوٹ بولنا بہت بُری عادت ہے۔ اس جملے میں "خبردار" حرفِ تنبیہ ہے۔ اس کے علاوہ زنہار، دیکھنا، سنو بھی حروفِ تنبیہ ہیں۔

حروفِ تحسین یا انبساط: کسی کی تعریف یا خوشی کے اظہار کے لیے بولے جانے والے حروف کو حروفِ تحسین یا حروفِ انبساط کہتے ہیں۔ مثلاً: سبحان اللہ، شاباش، بہت خوب، واہ واہ، مرحبا، وغیرہ

حروفِ نفرین: نفرت یا ملامت کے اظہار کے لیے استعمال ہونے والے حروف مثلاً: تُف، لعنت، پھٹکار، ہزار لعنت، اخ تھو وغیرہ

حروف استعجاب: تعجب اور حیرانی کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً: اللہ اللہ۔ اللہ اکبر۔ حاشا وکلا۔ اوہو وغیرہ

حروفِ قسم: وہ حروف جو قسم کھانے کے لیے استعمال ہوں جیسے: بہ خدا، واللہ، وغیرہ

حروفِ تہنیت: کسی خوشی یا کام یابی کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً: مبارک باد، شاباش، بہت خوب

حروفِ تمنا: کسی تمنا، آرزو اور خواہش کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً: کاش کہ، کاش، اے کاش

۸۔ درج ذیل جملوں میں آنے والے مختلف حروف کی نشان دہی کریں۔

الف۔ بیٹے کی مسلسل ناکامی پر والدہ نے کہا: افسوس! بیٹا اس بار بھی آپ کام یاب نہ ہو سکے لیکن حیف! آپ اب بھی محنت نہیں کر رہے۔

ب۔ شاباش بچو! تم قوم کا روشن مستقبل ہو۔ بہت خوب! اول پوزیشن لے کر آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔

ج۔ اوہو! آپ کتنے عرصے سے یہاں رہائش پذیر ہیں اور مجھے معلوم ہی نہیں۔

د۔ بہ خدا! میں نے سچ بولا ہے۔ واللہ! ایک لفظ بھی جھوٹ پر مبنی نہیں ہے۔

و۔ اے کاش! ہم ایک قوم بن سکیں۔

سرگرمیاں

۱۔ قواعد وانشا کی دست یاب کسی بھی کتاب سے پانچ پانچ محاورات، روز مرہ اور ضرب الامثال تلاش کر کے ان سے سادہ اور مرکب جملے بنائیں۔

۲۔ دس ایسے سادہ اور مرکب جملے بنائیں جن میں اسم، فعل اور حروف کا استعمال کیا گیا ہو۔

۴ چُغل خور

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

سننا	•	مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، نظم، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، گفت گو، خبر، ڈراما، ہدایت اور فیچر وغیرہ سن کر عمدہ سامع کے طور پر مدلل رائے دے سکیں۔
بولنا	•	اپنی گفت گو میں جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھ کر ڈرامائی کیفیات پیدا کر سکیں۔
پڑھنا	•	مختلف نثری اصنافِ ادب (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما اور ناول) پڑھ کر ان کے طرزِ تحریر سے آگاہ ہو سکیں۔
	•	تراجم کی صورت میں علاقائی ادب سے واقفیت حاصل کرتے ہوئے مختلف ثقافتوں کا اپنی ثقافت سے موازنہ کر سکیں۔
	•	کہانی/مضمون/افسانے/ڈرامے کو پڑھ کر اس کے اجزا (پیراگراف، کرداروں کا تعارف، ابتدا، مناظر کا بیان، اختتام) کی شناخت کر سکیں۔
لکھنا	•	کسی بھی نظم/نثر کو پڑھ کر مصنف/شاعر اور قاری کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کر سکیں۔
قواعد/زبان شناسی	•	حروف (اضافت، استفہام، بیان، جار، شرط، ندا، تاسف) کو تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔

خاص	اَدھ مُوا	بُہتیری	تعجُّب	چھاچھ	حسبِ معمول
الفاظ	رُوہانسا	سرتوڑ	شش و پنج	کوڑھی	ہلکان

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، خبر، ڈراما، ہدایت یا فیچر سنائیں تاکہ عمدہ سامع کے طور پر طلبہ تیز رفتار سماعت کر سکیں۔ طلبہ کی تیز رفتار سماعت کی جانچ کے لیے سنائے گئے واقعے، کہانی، خطبے، خبر، ڈرامے، ہدایت یا فیچر میں بیان کی گئی چیدہ چیدہ معلومات کے متعلق مختصر سوالات بھی کریں۔ جو طلبہ سوالات کا زیادہ موزوں جواب دیں، شاباش دے کر ان کی حوصلہ افزائی بھی کریں۔
- طلبہ کو لوک کہانی کی روایت سے آگاہ کریں۔ پاکستان کے مختلف علاقوں پنجاب، سندھ، بلوچستان، خیبر پختون خوا، کشمیر اور گلگت بلتستان کی تہذیب و ثقافت، رسم و رواج، روایات و اقدار، لباس، رہن سہن کے حوالے سے معلومات دیں تاکہ طلبہ لوک کہانی پڑھ کر کسی علاقے کے سماجی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی عوامل کو بھی سمجھ سکیں۔

شفیع عقیل (۱۹۳۰ء-۲۰۱۳ء)

شفیع عقیل لاہور کے نزدیک مشرقی پنجاب کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے پنجابی زبان میں بھی شاعری کی۔ بہ طور صحافی انھوں نے ہفت روزہ "ماحول"، پندرہ روزہ "نمک دان"، "روز نامہ جنگ" اور ہفت روزہ "اخبارِ جہاں" میں طویل عرصے تک صحافیانہ خدمات سرانجام دیں۔ روز نامہ جنگ" کے ہفت روزہ میگزین میں کتب پر تبصرہ نگاری بھی کرتے رہے۔ شفیع عقیل کی کتاب "چناب رنگ" ۱۹۶۹ء میں پاکستان رائٹرز گلڈ کے داؤد ادبی انعام کی مستحق قرار پائی۔ نیشنل بک کونسل آف پاکستان اور حکومتِ پنجاب کے شعبۂ ثقافت و اطلاعات سے بھی وہ اپنی کتابوں پر

انعامات حاصل کر چکے ہیں ۔۲۰۰۶ء میں انھیں "تمغائے امتیاز" سے نوازا گیا۔

شفیع عقیل کی ادبی سرگرمیاں اور دل چسپیاں متنوع ہیں، لیکن لوک ادب پر ان کی توجہ زیادہ رہی۔ اس میدان میں انھوں نے جاپانی لوک کہانیاں، جرمن لوک کہانیاں، ایرانی لوک کہانیاں، پنجابی لوک کہانیاں اور پنجابی لوک داستانیں جیسی یادگار کتابیں اردو میں لکھیں ۔انھوں نے سیف الملوک کی تلخیص اور ترجمہ بھی کیا۔ لوک کہانیاں ایک جیسی ہوتی ہیں، لیکن لوک کہانی لکھنے کے لیے شفیع عقیل کا انداز جداگانہ ہے۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- لوک کہانی کس قسم کی کہانی کو کہتے ہیں؟
- اپنے اپنے علاقوں کی کہانیوں سے کون کون واقف ہے؟

(یہ ایک لوک کہانی ہے۔ لوک کہانیاں یا لوک داستانیں کسی معاشرے، تہذیب اور زبان کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں۔ ان کہانیوں کے مصنف کا کسی کو اتا پتا نہیں ہوتا۔ یہ کہانیاں سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے ذریعے سے محبت، ایثار، خلوص، مروّت، اتحاد، دوستی اور بہادری جیسی صفات معاشرے میں پروان چڑھتی ہیں ۔لوک کہانیاں نسلوں کی کردار سازی کے حوالے سے خاصی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ لوک کہانی کسی علاقے کے معاشرتی، سیاسی، سماجی اور اخلاقی عوامل کی نمائندہ ہوتی ہے۔)

اگلے وقتوں کی بات ہے کسی گاؤں میں ایک چغل خور رہتا تھا۔ دوسروں کی چغلی کھانا اور ایک کی بات دوسرے سے کرنا اس کی عادت تھی اور لاکھ کوشش کے باوجود، وہ اپنی عادت کو نہ چھوڑ سکا تھا۔ اس نے بارہا اس بات کا ارادہ کیا کہ اب کسی سے کسی کی چغلی نہیں کھائے گا، ایک کی بات دوسرے سے نہیں کہے گا لیکن ہر بار وہ اپنے اس ارادے میں ناکام ہو جاتا۔ دراصل وہ اپنی عادت سے مجبور تھا اور اسی عادت کی وجہ سے اسے اپنی ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے تھے، چناں چہ وہ بے کار تھا۔ اس نے دوسری ملازمت کی بہتیری کوشش کی مگر وہ اس میں کام یاب نہ ہو سکا۔ کچھ دن تک تو وہ اپنی جمع پونجی پر گزر بسر کرتا رہا لیکن جب تھوڑا تھوڑا کر کے اس کا سارا سرمایہ ختم ہو گیا تو بہت پریشان ہوا۔ اس نے نوکری اور مزدوری کے لیے سرتوڑ کوشش شروع کر دی کہ کہیں فاقوں کی نوبت نہ آ جائے۔ مختلف لوگوں سے کہا، دردر کی خاک چھانی، ایک ایک کے پاس گیا مگر مصیبت یہ تھی کہ چغل خور ہونے کی وجہ سے اسے کوئی بھی اپنے پاس ملازم رکھنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔ گاؤں کے تمام لوگ اس سے اچھی طرح واقف تھے اور اس کی چغلی کھانے کی عادت کے بارے میں جانتے تھے، اس لیے اسے کوئی بھی منھ نہ لگاتا تھا۔ آخر وہ مسلسل ناکامیوں سے تنگ آ گیا اور نوبت واقعی فاقوں تک آ پہنچی تو اس نے دل میں سوچا: "اس گاؤں کو چھوڑ دینا چاہیے اور کہیں اور چل کر قسمت آزمائی کرنی چاہیے۔"

چناں چہ اس نے تھوڑا بہت ضروری سامان لیا اور گاؤں چھوڑ کر سفر پر روانہ ہو گیا تاکہ کسی دوسرے گاؤں یا شہر میں جا کر محنت مزدوری کرے۔ چلتے چلاتے وہ ایک اور گاؤں میں جا پہنچا۔ یہ گاؤں اس کے لیے نیا تھا اور اسے وہاں کوئی نہیں جانتا تھا، اس لیے اسے امید تھی کہ یہاں نوکری مل جائے گی، لہٰذا وہ ایک کسان کے پاس گیا اور اس سے کہا: "مجھے آپ اپنی ملازمت میں رکھ لیں۔"

کسان نے اس سے دریافت کیا: "تم کیا کام کر سکتے ہو؟"

چغل خور نے جواب دیا: "مجھے کھیتی باڑی کا سارا کام آتا ہے۔ یہ کام میں اچھی طرح کر سکتا ہوں۔"

اتفاق کی بات یہ کہ وہ کسان اکیلا تھا اور کھیتوں کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہ تھا۔ اُسے ایک ملازم کی ضرورت بھی تھی، اس لیے اس نے سوچا، چلو اِسے ہی ملازم رکھ لیتا ہوں۔ یہ بھی ضرورت مند ہے اور میرا بھی کام ہلکا ہو جائے گا۔ یہی سوچ کر اس نے چغل خور سے پوچھا: "اگر میں تمھیں اپنے پاس ملازم رکھ لوں تو تم کیا تنخواہ لو گے؟"

اس پر چغل خور نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: "کچھ نہیں! میری کوئی تنخواہ نہیں ہے۔"

کسان کو اس کی بات سن کر بڑا تعجب ہوا کہ کام کرے گا اور تنخواہ نہیں لے گا۔ بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اس نے حیرانی سے کہا: "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

جواب میں چغل خور کہنے لگا: "آپ مجھے صرف روٹی کپڑا دے دیں اور اس کے ساتھ ایک بات کی اجازت! بس یہی میری تنخواہ ہے۔"

کسان پوچھنے لگا: "کس بات کی اجازت؟"

چغل خور بولا: "آپ مجھے صرف اتنی اجازت دے دیں کہ میں چھے ماہ کے بعد آپ کی صرف ایک چغلی کھا لیا کروں۔"

چغل خور کی یہ بات تو اپنی جگہ بڑی عجیب تھی لیکن کسان نے اپنے دل میں سوچا: "مفت کا نوکر مل رہا ہے، خالی روٹی کپڑے میں کیا بُرا ہے؟ پھر اُس نے اپنے آپ کو آمادہ کرنے کے لیے کہا: چھے ماہ بعد ایک چغلی کھاتا ہے تو کھا لے، میرا کیا جاتا ہے؟ یہ کسی سے میری چغلی کھا کر میرا کیا بگاڑ لے گا؟ میرے پاس کون سے راز ہیں جو ظاہر ہو جائیں گے؟"

"مجھے تمھاری یہ شرط منظور ہے۔"

چناں چہ چغل خور کسان کے پاس ملازم ہو گیا۔ وہ کام بھی اُسی کا کرتا تھا اور اُسی کے گھر میں رہتا بھی تھا۔ روزانہ صبح سویرے کسان کے ساتھ کھیتوں میں چلا جاتا، بیلوں کے لیے چارا کاٹتا، ہل چلاتا، گاہی بھی کرتا اور اس طرح کام میں کسان کا برابر کا ہاتھ بٹاتا تھا۔

دن گزرتے گئے اور کسان کو یہ بات بھی بھول گئی کہ چھے ماہ بعد چغل خور نے ایک چغلی کھانے کی اجازت مانگی تھی اور اس نے چغلی کھانے کی اجازت دے دی تھی۔ کسان اس عرصے میں یہ تمام باتیں بھول چکا تھا۔

اِدھر چغل خور کو کسان کے ہاں ملازم ہوئے چھے ماہ بیت چکے تھے اور اب اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی سے کسان کی کوئی چغلی کھائے۔ وہ چھے ماہ سے اب تک اپنی اس عادت پر جبر کیے ہوئے تھا مگر اب معاہدے کی مدت ختم ہونے پر اپنے آپ پر قابو پانا اس کے بس میں نہ تھا، چناں چہ جب وہ اپنی عادت سے بالکل مجبور ہو گیا تو اس نے سوچا، اب چاہے کچھ ہو، میں کسان کی چغلی ضرور کھاؤں گا اور اب تو معاہدے کے مطابق میرا حق بھی ہے۔

ایک روز کسان حسبِ معمول اپنے کھیتوں میں گیا ہوا تھا اور گھر میں اس کی بیوی اکیلی تھی۔ یہ دیکھ کر چغل خور کسان کی بیوی کے پاس گیا اور بڑا ہمدرد بنتے ہوئے کہنے لگا: "اگر تم بُرا نہ مانو تو میں تم سے ایک بات کہوں؟"

کسان کی بیوی بولی: "ضرور کہو! اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے؟"

چغل خور اور بھی زیادہ ہمدردی جتاتے ہوئے بولا: "اس میں تمھارا ہی بھلا ہے۔"

یہ سن کر کسان کی بیوی کو کچھ شک سا ہو گیا۔ اُس نے دل میں سوچا، ہو نہ ہو کوئی خاص بات ضرور ہے۔ یہی خیال کر کے وہ کہنے لگی: "پھر تو ضرور کہو! وہ کیا بات ہے؟"

جواب میں چغل خور بڑے رازدارانہ انداز میں بولا: دراصل کسان کوڑھی ہو گیا ہے۔اس نے اپنی یہ بیماری اب تک تم سے چھپائے رکھی ہے۔"

کوڑھی ہو گیا ہے؟" کسان کی بیوی نے چونک کر پوچھا۔

اسے بڑا تعجب ہوا۔یہ بات اس کے لیے جس قدر نئی تھی،اس سے کہیں زیادہ حیران کن بھی تھی۔

چغل خور نے جب اپنا تیر نشانے پر بیٹھتے دیکھا تو بولا:"اگر تمھیں یقین نہ آئے تو آزما کے دیکھ لو۔"

اب تو کسان کی بیوی بھی سوچ میں پڑ گئی۔اس نے دل میں سوچا،ہو سکتا ہے ملازم ٹھیک ہی کہ رہا ہو۔بھلا اس کو مجھ سے ایسا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟لہٰذا اس نے جلدی سے پوچھا: مگر میں کیسے آزماؤں؟"

چغل خور جھٹ سے کہنے لگا:"اس میں کیا مشکل ہے؟"

پھر اس نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا: جو آدمی کوڑھی ہو جائے اس کا جسم نمکین ہو جاتا ہے اگر تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ کسان کوڑھی ہو گیا ہے یا نہیں تو کسان کے جسم کو زبان سے چاٹ کر دیکھ سکتی ہو۔"

کسان کی بیوی کو چغل خور کی یہ تجویز پسند آئی۔اس نے سوچا،اس سے نوکر کے جھوٹ کا پتا چل جائے گا۔اس نے کہا: اچھا!کل جب میں کسان کا کھانا لے کر کھیتوں میں جاؤں گی تو کسان کے جسم کو چاٹ کر ضرور دیکھوں گی۔"

چغل خور کسان کی بیوی سے یہ باتیں کر کے سیدھا کھیتوں کی طرف چل دیا۔جہاں کسان پہلے ہی سے کھیتی باڑی کے کاموں میں لگا ہوا تھا۔دراصل اُن دنوں فصل پک چکی تھی جس کی وجہ سے کسان دو روز سے اپنے گھر نہیں گیا تھا۔اُسے رات کو بھی کھیتوں ہی میں رہنا پڑتا تھا۔چغل خور کسان کے پاس پہنچا اور اس سے بڑی راز داری سے کہنے لگا: تم اِدھر کھیتوں میں کام کرتے پھر رہے ہو اور اُدھر تمھاری بیوی پاگل ہو گئی ہے۔"

کسان بڑا حیران ہوا۔اس نے تعجب سے پوچھا: یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

چغل خور نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا: سچ کہہ رہا ہوں،وہ تو پاگل پن میں آدمیوں کو کاٹنے کو دوڑتی ہے۔"

کسان سارا کام کاج چھوڑ کر سوچ میں پڑ گیا۔اس نے اپنے دل میں سوچا،نوکر ٹھیک ہی کہہ رہا ہو گا۔بھلا اُسے کسی قسم کا جھوٹ بولنے کی کیا پڑی ہے؟ہو سکتا ہے میری بیوی واقعی پاگل ہو گئی ہو۔چغل خور نے جب کسان کو اس طرح شش و پنج میں مبتلا دیکھا تو بولا: اگر تمھیں میری بات پر یقین نہیں تو کل جب وہ کھانا لے کر آئے،اس وقت دیکھ لینا۔"

اِس پر کسان کہنے لگا: ہاں!یہ ٹھیک ہے۔آج رات تو مجھے کھیتوں ہی میں رہنا ہے،کل جب وہ کھانا لے کر آئے گی تو دیکھ لوں گا۔"

چغل خور نے جب یہ جان لیا کہ کسان اس کی باتوں میں آگیا ہے تو وہاں سے چلا آیا اور کسان کے سالوں کے پاس پہنچ گیا۔وہاں پہنچ کر اس نے ان سے کہا: تم لوگ یہاں مزے کر رہے ہیں اور تمھارا بہنوئی تمھاری بہن کو روز مار مار کر آدھ موا کر دیتا ہے۔وہ اُسے اس ظالمانہ طریقے سے مارتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

کسان کے سالوں نے چغل خور کی یہ بات سنی تو بہت پریشان ہوئے لیکن انھوں نے اس سے کہا: مگر ہماری بہن نے تو ہمیں یہ کبھی نہیں بتایا؟"

اس پر چغل خور بولا: وہ بے چاری شرم کے مارے تمھیں کچھ نہیں بتاتی،ورنہ اسے تو کسان اس بُری طرح مارتا پیٹتا ہے کہ وہ ہلکان ہو جاتی ہے۔کھیتوں میں سب کے سامنے اس کی بے عزتی کرتا ہے۔"

لیکن ہم تمھاری بات پر کیسے یقین کرلیں؟"

اس پر چغل خور جھٹ سے بول پڑا: "اگر تم لوگ یہ سمجھ رہے ہو کہ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں تو کل دوپہر کو جب تمھاری بہن کھانا لے کر کھیتوں میں جائے گی، اس وقت تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا، کسان اسے کس طرح مارتا ہے۔"

کسان کے سالے یہ بات سن کر غصے میں تلملانے لگے۔ بھلا وہ اپنی بہن کی بے عزتی کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ انھوں نے چغل خور سے کہا: اچھا کل ہم کھیت میں چھپ کر یہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھیں گے۔"

کسان وہاں سے رخصت ہو کر سیدھا کسان کے بھائیوں کے پاس گیا اور ان سے جا کر کہا: بڑے افسوس کی بات ہے تم لوگ سب ایک ماں کے بیٹے ہو پھر بھی اپنے بھائی کی مدد نہیں کر سکتے۔

کسان کے بھائیوں نے اس سے تعجب سے پوچھا: "کیا ہوا؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہم کس کی مدد نہیں کرتے؟" اس پر چغل خور نے رُوہانسا سامنہ بنا کر جواب دیا: "تمھارا بھائی سخت مصیبت میں گرفتار ہے، اس کے سالے ہر چوتھے روز آکر اسے زدوکوب کرتے ہیں اور ایک تم ہو کہ تمھیں اس کی خبر تک نہیں۔ کسان کے بھائی یہ سُن کر پریشان سے ہو گئے اور کہنے لگے: مگر ہمارے بھائی نے تو کچھ نہیں بتایا"

چغل خور بولا: وہ تم سے کیا کہے؟ بے چارہ اپنی شرافت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتا اور خاموشی سے یہ بے عزتی برداشت کرلیتا ہے۔"

جواب میں بھائی کہنے لگے: ہمیں تو تمھاری بات پر یقین نہیں آرہا۔"

یہ سن کر چغل خور نے کہا: اگر تم لوگوں کو میری بات کا یقین نہیں تو کل دوپہر کو آکر اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ لینا کہ کس طرح کسان کے سالے اسے مارتے ہیں۔"

کسان کے بھائی غصے میں تلملانے لگے۔ اُنھوں نے کہا: اچھا! ہم کل دیکھ لیں گے، وہ ہمارے بھائی کو کس طرح ہاتھ لگاتے ہیں۔ ابھی ہم مرے نہیں۔"

اس طرح چغل خور سب لوگوں سے یہ باتیں کہہ کر واپس آگیا اور اپنے کام کاج میں وہ اس طرح آکر مصروف ہو گیا کہ کسی کو کانوں کان اس بات کی خبر نہ ہوئی کہ کہاں گیا تھا اور کہاں سے آیا ہے؟

دوسرے روز دوپہر کو جب کسان کی بیوی کھانا لے کر کھیتوں میں آئی تو کسان نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی احتیاط سے اس کی ہر حرکت کا جائزہ لے رہا تھا کیوں کہ اس کے دل میں تھا کہ کہیں پاگل ہونے کی وجہ سے وہ اسے کاٹ نہ کھائے، اس لیے وہ اس کے قریب ہونے سے ڈرتا تھا۔ دوسری طرف کسان کی بیوی کی یہ کوشش تھی کہ کسان کسی طرح اُس کے قریب ہو اور وہ اُس کو کاٹ کر یا اُسے زبان لگا کر دیکھ سکے کہ نمکین ہے یا نہیں؟ جوں ہی وہ چھاچھ کا مٹکا اور روٹیوں کی چنگیری زمین پر رکھ کر بیٹھی، کسان جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کی بیوی بھی روٹیوں کی چنگیری آگے بڑھانے کے بہانے سے قدرے آگے سرک آئی اور پھر جوں ہی کسان نے روٹی پکڑنے کو ہاتھ آگے بڑھایا، اس نے جھپٹ کر اس کی کلائی پکڑی اور اسے چاٹنے کے لیے آگے بڑھی۔ کسان اچھل کر دور ہٹ گیا۔ اب تو اسے پکا یقین ہو گیا تھا کہ واقعی اس کی بیوی پاگل ہو گئی ہے اور کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔

کسان کو نوکر کی کہی ہوئی بات سچ معلوم ہو رہی تھی۔ اُدھر اس کی بیوی نے جب یہ دیکھا کہ کسان اُسے جسم چاٹ کر دیکھنے نہیں دے رہا تو اُسے اس

بات کا یقین ہو گیا کہ کسان واقعی کوڑھی ہو گیا ہے اور نوکر ٹھیک کہ رہا تھا۔

اُس نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر کسان کی کلائی پکڑنے کی کوشش کی۔ یہ دیکھ کر کسان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ پاؤں سے جوتا اُتار کر وہیں بیوی کی ٹھکائی شروع کر دی۔ جوں ہی اس نے بیوی پر جوتے برسانے شروع کیے، قریب ہی کھیت میں چھپے ہوئے کسان کے سالے باہر نکل آئے۔

"واقعی نوکر ٹھیک کہ رہا تھا۔"

اُن کے سامنے اُن کی بہن کی پٹائی ہو رہی تھی، بھلا پھر وہ کیوں نہ یقین کرتے۔ وہ سارے کے سارے للکارتے ہوئے آگے بڑھے اور کسان پر ٹوٹ پڑے: آج دیکھتے ہیں تم ہماری بہن کو کس طرح مارتے ہو!"

ان کا آگے بڑھنا تھا کہ دوسرے کھیت میں چھپے ہوئے کسان کے بھائیوں نے دیکھا: "واقعی نوکر نے ہمیں صحیح اطلاع دی تھی۔"

انھوں نے جواب میں کسان کے سالوں کو للکارا: آج دیکھتے ہیں تم ہمارے بھائی کو کس طرح مارتے ہو۔"

اور اس کے بعد وہ سب ایک دوسرے پر پل پڑے۔ وہ سر پھٹول ہوئی، وہ لاٹھیاں چلیں کہ سب خون میں نہا گئے۔ ارد گرد کے کھیتوں میں کام کرنے والے دوسرے لوگ بھاگ کر آئے اور انھوں نے بیچ بچاؤ کرا کے انھیں ایک دوسرے سے الگ کیا۔ پھر جب ان سب کا غصہ قدرے کم ہوا تو ان سے لوگوں نے پوچھا: "تم لوگ اس طرح کیوں لڑ رہے تھے؟"

اس پر سب نے اپنی اپنی بات بتائی کہ یوں نوکر ہمارے پاس آیا تھا اور اس نے یہ بتایا تھا۔ اس طرح جب سب اپنی اپنی بات بتا چکے تو پتا چلا کہ یہ سب کچھ چغل خور کا کیا دھرا ہے۔

وہ سارے کے سارے مل کر چغل خور کی تلاش میں چلے لیکن اس وقت تک چغل خور وہ گاؤں چھوڑ کر کہیں اور جا چکا تھا۔

کہتے ہیں وہ دن اور آج کا دن، چغل خور کا کہیں پتا نہ چل سکا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی کوئی چغل خور یہ نہیں مانتا کہ وہ چغل خور ہے۔ دراصل اسے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر اس نے یہ بات تسلیم کر لی کہ وہ چغل خور ہے تو کسان، اس کے سالے اور اس کے بھائی اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے، اسی لیے ہر چغل خور چغل خور کہنے پر ناراض ہو جاتا ہے۔

(پنجابی لوک داستانیں)

مشق

سننا

ا۔ موبائل فون، ریڈیو اور ٹیلی ویژن جیسے ذرائع سے کہانی، واقعہ، تقریر، اعلان، خبر، خطبہ، گفت گو، ڈراما، ہدایت اور فیچر وغیرہ سن کر عمدہ سامع ہونے کا مظاہرہ کریں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک عمدہ سامع اپنی بھرپور اور مکمل توجہ زیرِ سماعت مواد پر مرکوز رکھتا ہے۔ الفاظ، جملوں کے اتار چڑھاؤ، ان کے معانی، تلفظ، ادائی اور باہم ربط پر بھی غور کرتا رہتا ہے۔ جتنی گہری توجہ سے کوئی سامع کسی کہانی، ڈرامے، واقعے، خطبے، گفت گو، ہدایت، فیچر وغیرہ کی سماعت کرے گا اسی قدر اس کے ذہن میں زیادہ معلومات محفوظ ہوں گی اور وہ اپنی مدلل رائے کا اظہار کر سکے گا۔

جماعت کے تمام طلبہ پانچ پانچ کے گروہ بنا کر سمعی ذرائع / آڈیو ریکارڈر / ریڈیو سے "تلقین شاہ" یا "زاویہ" کے پروگرام سنیں۔ طلبہ کا جو گروہ بہترین انداز میں اپنی مدلل رائے کا اظہار کرے اس کے لیے سب بچے تالیاں بجائیں تا کہ اس کی حوصلہ افزائی ہو۔

بولنا

۲۔ کہانی "چغل خور" کے درج ذیل حصے کی اس طرح بلند خوانی کیجیے کہ جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھ کر ڈرامائی کیفیات ادا ہو جائیں۔

دوسرے روز دوپہر کو جب کسان کی بیوی کھانا لے کر کھیتوں میں آئی تو کسان نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی احتیاط سے اس کی ہر حرکت کا جائزہ لے رہا تھا کیوں کہ اِس کے دل میں تھا کہ کہیں پاگل ہونے کی وجہ سے وہ اسے کاٹ نہ کھائے، اِس لیے وہ اُس کے قریب ہونے سے ڈرتا تھا۔ دوسری طرف کسان کی بیوی کی یہ کوشش تھی کہ کسان کسی طرح اُس کے قریب ہو اور وہ اُس کو کاٹ کر یا اُسے زبان لگا کر دیکھ سکے کہ نمکین ہے یا نہیں؟ جوں ہی وہ چھاچھ کا مٹکا اور روٹیوں کی چنگیری زمین پر رکھ کر بیٹھی، کسان جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ یہ دیکھ کر اُس کی بیوی بھی روٹیوں کی چنگیری آگے بڑھانے کے بہانے سے قدرے آگے سرک آئی اور پھر جوں ہی کسان نے روٹی پکڑنے کو ہاتھ آگے بڑھایا، اِس نے جھپٹ کر اُس کی کلائی پکڑی اور اُسے چاٹنے کے لیے آگے بڑھی۔ کسان اُچھل کر دُور ہٹ گیا۔ اب تو اُسے پکا یقین ہو گیا تھا کہ واقعی اس کی بیوی پاگل ہو گئی ہے اور کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔

پڑھنا

۳۔ درج ذیل اقتباسات نثری اصناف ادب (کہانی: بہادر خان کی سرگذشت اور ناول: آنگن) سے لیے گئے ہیں۔ انھیں پڑھ کر ان کے طرزِ تحریر پہ غور کریں اور جانیں کہ کہانی اور ناول کے اندازِ بیان اور طرزِ تحریر میں کیا فرق پیشِ نظر رکھا جاتا ہے؟

(عبارت ۱)

بہادر خان ایک کھاتا پیتا کسان تھا۔ بارش نہ ہونے کی صورت میں بھی وہ کاریز کے پانی کی مدد سے اپنے کھیت میں اتنی پیداوار کر لیتا تھا کہ نہ صرف اپنے لیے سال بھر کے غلے کا خرچ پورا کر لیتا بلکہ اپنے ہمسایوں اور غریب غربا کی مدد بھی کرتا۔ جب کاریزوں میں پانی تھوڑا ہوتا تو بھی اس کو کسی دوسرے زمین دار کی مزارعت نہ کرنا پڑتی تھی۔ اس کی اس معاشی آزادی کی وجہ سے اس میں کافی خودداری تھی اور اس کی بانٹ چونٹ کر کھانے کی عادت نے ارد گرد میں اسے کافی نیک نامی دے رکھی تھی۔ لہٰذا اس کی شادی نہایت آسانی اور دھوم دھام سے ہوئی۔ شادی سے پہلے وہ اپنے کھیت اور فصلوں کی پرورش میں بے حد پیش بینی اور محنت کرتا تھا۔ گندم کے خوشوں کے لیے وہ ایک حریص باپ سے کم نہ تھا، اس کے لیے دعا مانگتا تھا اور اسے جانتا تھا، اور جب سبز خوشے اناج سے بھر کر سنہری ہو جاتے تھے اور اپنے سر جھکا لیتے تھے تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہتی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا اناج سے بھرے ان خوشوں کو اپنے وجود کا احساس ہے یہ اپنے مالک کو جانتے اور پہچانتے ہیں ان میں زندگی کی مسرتیں اور قہقہے ملفوف ہیں اور جوان سے پیار کرتا ہے یہ اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور ایک ایک کی جگہ دو دو پھوٹتے ہیں۔

(عبارت ۲)

کون جارہا ہے پاکستان؟'' بڑے چچا نے صحن میں قدم رکھتے ہی بوکھلا کر پوچھا۔انھوں نے اماں کی باتیں سن لی تھیں۔

میں اور عالیہ جائیں گے،اور کسے جانا ہے؟اماں نے تڑاخ سے جواب دیا۔

کوئی نہیں جاسکتا،میری اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں نکال سکتا،کس لیے جاؤ گے پاکستان؟یہ ہمارا ملک ہے،ہم نے قربانیاں دی ہیں اور اب ہم اسے چھوڑ کر چلے جائیں؟اب تو ہمارے عیش کرنے کا وقت آرہا ہے'' بڑے چچا سخت جوش میں تھے۔

ماشاءاللہ آپ بڑے حق دار بن گئے،نہ کھلانے کے نہ پلانے کے،کون سا دکھ تھا جو یہاں آکر نہیں جھیلا،میرے شوہر کو بھی آپ ہی نے چھین لیا،آپ ہی نے اُنھیں مار ڈالا۔میری لڑکی کو یتیم کر دیا اور اب حق جتا رہے ہیں۔''مارے غصے کے اماں کی آواز کانپ رہی تھی۔

کریمن بوا!!میرا کھانا بیٹھک میں بھجوا دو۔'' بڑے چچا سر جھکا کر بیٹھک میں چلے گئے۔

کیا آپ چلنے سے پہلے بڑے چچا کو یہی بدلہ دینا چاہتی ہیں؟بڑے چچا نے کسی کو تباہ نہیں کیا،بڑے چچا نے کسی کو دعوت نہیں دی تھی کہ آؤ اور میرا ساتھ دو۔آپ آج اچھی طرح سن لیں کہ مجھے بڑے چچا سے اتنی ہی محبت ہے جتنی ابا سے تھی۔''عالیہ نے کھانا چھوڑ دیا اور ہاتھ دھو کر بیٹھک میں چلی گئی،اماں کیا کہتی رہ گئیں اس نے ذرا بھی نہ سنا۔

کیا تم سچ مچ جارہی ہو۔بیٹی؟''

ہاں بڑے چچا،اماں جو تیار ہیں۔''اِس نے جواب دیا۔

بڑے چچا میں تو اماں کا واحد سہارا ہوں،میں اُنھیں کس طرح چھوڑ دوں،وہ ضرور جائیں گی مگر آپ کو نہیں معلوم کہ یہ گھر چھوڑ کر میں کس طرح تڑپوں گی،آپ۔۔۔۔۔تو۔۔۔۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔

۴۔ شفیع عقیل نے پنجابی لوک کہانیوں کے علاوہ دیگر عالمی اور علاقائی زبانوں کی کہانیوں کو اُردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔اُردو زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے انھوں نے متعلقہ علاقے کی تہذیب و ثقافت،رسم و رواج وغیرہ پر بھی براہِ راست یا بالواسطہ،روشنی ڈالی ہے۔آپ اپنے سکول کی لائبریری سے اپنے آبائی علاقے یا مادری زبان کے علاوہ کسی دوسری مقامی زبان یا علاقے کی کہانیوں کا مجموعہ جاری کرائیں۔ان کہانیوں میں بیان کی گئی تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج کا اپنی تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج سے موازنہ کریں۔جہاں دقت پیش آئے اپنے والدین یا اساتذہ کرام سے رہ نمائی بھی حاصل کریں۔

۵۔ شاملِ نصاب کہانی ''چغل خور'' کو غور سے پڑھ کر اس کے اجزا(پیراگراف،کرداروں کا تعارف،ابتدا،مناظر کا بیان،اختتام)کو شناخت کریں۔

مثال کے طور پر:چغل خور،کسان،کسان کی بیوی،کسان کے بھائیوں اور سالوں جیسے کرداروں کا ذکر کہانی میں کس کس مقام پر اور کس کس پیراگراف میں آیا۔مزید یہ کہ لوک کہانی کی ابتدا چغل خور اور اس کی چغل خوری کی عادت کے تعارف اور اختتام چغل خور کی فتنہ انگیزی پر کریں۔

طلبہ اس لوک کہانی کے ان تمام اجزا کی نشان دہی کر کے جماعت کے دیگر ساتھیوں کے سامنے پیش کریں۔

لکھنا

د۔ لوک کہانی ”چغل خور“ کو پڑھ کر مصنف اور قاری کے نقطۂ نظر کو سمجھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کریں۔

قواعد/زبان شناسی

حروف کی اقسام:

i۔ حروفِ اضافت: ایسے حروف جو ایک اسم کا تعلق دوسرے اسم سے ظاہر کریں۔ مثلاً: کا، کی، کے

ii۔ حروفِ استفہام: ایسے حروف جو سوال پوچھنے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: کیا، کون، کیوں

iii۔ حروف بیان: ایسے حروف جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیے جائیں۔ استاد نے کہا کہ سب کھڑے ہو جاؤ۔ اس مثال میں ”کہ“ حرفِ بیان ہے۔

iv۔ حروف جار: وہ حروف جو کسی اسم کو فعل سے ملاتے ہیں۔ مثلا: کتاب پر رکھ دو۔ اس مثال میں ”پر“ حرف جار ہے۔ اسی طرح کو، سے، تک، نے وغیرہ حروفِ جار ہیں۔

iv۔ حروفِ شرط: وہ حروف جو کسی شرط کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: اگر محنت کرو گے تو کامیابی ملے گی۔

اگر، اگرچہ، جب، جب تک، تاوقتیکہ کہ، جوں ہی، حروف شرط ہیں۔

v۔ حروفِ ندا: کسی کو پکارنے یا آواز دینے کے لیے استعمال ہونے والے حروف کو حروفِ ندا کہتے ہیں۔

مثلاً: یا، اے، اجی، او، ابے وغیرہ بھی حروفِ ندا ہیں۔

vi۔ حروفِ تاسف: یہ حروف غم یا افسوس کے اظہار کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، افسوس، حیف، وائے، ہائے، اُف، ہے ہے حروف، تاسف ہیں۔

ے۔ درج ذیل حروف کو شناخت کر کے اپنی تحریر و تقریر میں استعمال کریں۔

ارے، اجی، نے، سے، تاوقت یہ کہ، جوں ہی، کہ، ہائے، ہے ہے، پر، کو

سرگرمیاں

آپ نے اپنے گھر والوں یا دوستوں کے ساتھ ایک سیاحتی مقام کی سیر کرتے ہوئے خوب مزے اُڑائے ہیں۔ زندگی کے اس یادگار دن کی تمام مصروفیات اور سرگرمیوں کو کہانی کی صورت میں تحریر کریں۔ لکھتے وقت پیراگراف، کرداروں کا تعارف، ابتدا، مناظر اور اختتام جیسے اجزا کا خیال رکھیں۔

۵

دستک

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

سننا
- مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، گفت گو، خبر، ڈراما، ہدایت اور فیچر سن کر الفاظ کے اصطلاحی، مجازی، کنایاتی معانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔
- ذرائع ابلاغ سے خبروں، ڈراموں اور فیچروں میں اٹھائے گئے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات وغیرہ سن کر اہم نکات مع تبصرہ و تشریح بیان کر سکیں۔

بولنا
- کسی ادبی علمی یا صحافتی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں سامعین کے سامنے درست تلفظ اور لب و لہجے کے ساتھ زبانی تقریر کر سکیں۔

پڑھنا
- مختلف نثری اصنافِ ادب (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما اور ناول) پڑھ کر ان کے طرزِ تحریر سے آگاہ ہو سکیں۔
- مختلف عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ کر سکیں۔
- کسی ڈرامے کو پڑھتے ہوئے اِس میں موجود مکالمے کو کردار کے مطابق تاثر کے ساتھ ادا کر سکیں۔

لکھنا
- پڑھے ہوئے ڈرامے کو محاورات / ضرب الامثال کا استعمال کرتے ہوئے کہانی میں تبدیل کر سکیں۔

قواعد / زبان شناسی
- مرکب ناقص اور مرکب تام (جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ) کی شناخت کر سکیں اور جملہ اسمیہ کے اجزا (خبر اور مبتدا) میں امتیاز کر سکیں اور تحریر میں استعمال کر سکیں۔

خاص	اِصرار	ایڑیاں رَگڑنا	ٹکٹکی باندھنا	جُنبش
الفاظ	دَستک	سر کُھجانے کی فُرصَت	تانگہ	واہمَہ

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو اردو ڈراما نگاری کی روایت، فنی عناصر اور اس کی اقسام سے آگاہ کریں۔
- ڈرامے کے مختلف مکالموں کو طلبہ سے کرداروں کی مناسبت سے تاثر کے ساتھ پڑھوائیں تاکہ طلبہ خود بھی یہ سرگرمی کر سکیں۔

میرزا ادیب (۱۹۱۴ء۔۱۹۹۹ء)

میرزا ادیب لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام دلاور علی تھا۔ ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ میں پائی اور اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے کیا۔ معروف رسالے "ادبِ لطیف" کے مدیر رہے۔ ریڈیو پاکستان سے بھی منسلک رہے۔ تمام زندگی علمی و ادبی سرگرمیوں میں بسر کی۔

میرزا ادیب یک بابی اور ریڈیائی ڈراما نگاری میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اُن کے ڈراموں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں: آنسو اور ستارے، لہو اور قالین، شیشے کی دیوار، فصیلِ شب، پس پردہ اور خاک نشین شامل ہیں۔ وہ اپنے ڈراموں میں عام انسانی زندگی کے تضادات اور تصادم کو پیش کرتے ہیں۔ اِن کی زبان شگفتہ

اور رواں ہے اور مکالمہ نگاری میں انھیں خاص مہارت حاصل ہے۔ آپ کی آپ بیتی مٹی کا دیا کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ آپ کے خاکوں کی بھی ایک کتاب ناخن کا قرض" کے نام سے ہے۔

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- ڈراما کس قسم کی کہانی کو کہتے ہیں؟
- ڈراما کتنی قسم کا ہو سکتا ہے؟
- ریڈیائی ڈراما کیا ہوتا ہے؟

پڑھیں

کردار: ڈاکٹر زیدی۔ بیگم زیدی۔ ڈاکٹر برہان

منظر

(ڈاکٹر زیدی کا کمرہ:

ڈاکٹر صاحب پلنگ پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ عمر پچپن کے لگ بھگ، فرنچ کٹ داڑھی، چہرے پر نقاہت نمایاں۔ اس وقت انھوں نے کمبل لپیٹ رکھا ہے۔ پلنگ کے پاس چھوٹی میز پر مختلف شیشیاں۔

رات، طوفان، تیز و تند ہوا کا مستقل شور ہوتا رہتا ہے۔ بیگم زیدی آرام کرسی پر بیٹھی کسی رسالے کا مطالعہ کر رہی ہیں۔ عمر پچاس کے قریب، سردی کی وجہ سے شال اوڑھ رکھی ہے۔

ڈاکٹر زیدی کچھ سوچتے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں۔ یکایک اُن کی نظر سامنے دروازے پر جا پڑتی ہے جس پر نیلے رنگ کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ بیگم انھیں دیکھتی ہیں اور پھر رسالے کی ورق گردانی کرنے لگتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کچھ کہتے ہیں مگر بہت آہستہ۔ صرف ان کے ہونٹ حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر کمبل اپنے جسم سے ہٹانے لگتے ہیں۔ بیگم کی نظر پڑتی ہے۔)

بیگم: کیا ہے زیدی؟

زیدی: دستک سنی؟

بیگم: دستک!!!

زیدی: سنی نہیں تم نے؟

(ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ رک جاتے ہیں)

بیگم: ہو تو سنوں بھی! کہاں ہے دستک؟

زیدی: کہاں ہے دستک؟ یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ دیکھو تو جا کر۔ کوئی آیا ہے دروازے پر کوئی کھٹکھٹا رہا ہے دروازہ!

بیگم: کوئی نہیں!

زیدی: صاف آواز آرہی ہے۔ نہیں جانا چاہتیں تو میں خود۔۔۔

(ڈاکٹر صاحب کمبل ہٹانے لگتے ہیں۔)

(بیگم رسالہ کرسی پر رکھ کر اٹھتی ہیں اور ان کی طرف آتی ہیں۔)

بیگم: کیا کر رہے ہیں آپ!

زیدی: دیکھتا ہوں دروازے پر کون ہے؟ تم تو جاتی ہی نہیں!!

بیگم: مہربانی کر کے بیٹھے رہیے، دروازے پر کوئی بھی نہیں۔

زیدی: تو یہ دستک؟

(بیگم اُن کے گرد کمبل لپیٹنے لگتی ہے)

بیگم: تیز ہوا کا شور ہے۔

زیدی: تیز ہوا دروازے پر دستک دیا کرتی ہے! تم جا کے دیکھو تو ذرا۔

بیگم: میں کہتی ہوں کوئی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں!

زیدی: ذرا سنو تو۔ صاف، بالکل صاف۔۔۔ دستک نہیں تو اور کیا ہے؟

بیگم: آپ کا وہم ہے!

زیدی: دیکھو اب زیادہ زور سے ہونے لگی ہے۔ یہ وہم ہے کیا؟

(پھر اٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بیگم اُن کا ہاتھ پکڑ لیتی ہیں)

بیگم: خدا کے لیے لیٹے رہیے۔ آپ تو خود ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر ہو کر ایسی حرکتیں کر رہے ہیں، اپنی حالت کا ذرا خیال کریں۔

زیدی: تم ایک مرتبہ جا کر دیکھ نہیں آتیں۔

بیگم: میں جانتی ہوں دروازے پر کوئی نہیں۔ خیر دیکھ آتی ہوں۔

(یوں سر کو جُنبش دیتی ہیں جیسے اس کام کو بے کار سمجھ رہی ہیں۔ دروازے کی طرف جاتی ہیں۔ زیدی اُنھیں ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے ہیں۔ بیگم پردے کے پیچھے چلی جاتی ہیں دو تین لمحوں کے بعد پردے سے باہر آتی ہیں۔)

زیدی: کون ہے؟

بیگم: کون ہوگا؟

(بیگم واپس آتی ہیں)

زیدی: تم نے دروازہ کھولا تھا؟

بیگم: (ذرا غصے سے) تو کیا دروازہ کھولے بغیر ہی کہہ رہی ہوں۔ نہ جانے بیٹھے بیٹھے کیا ہو جاتا ہے آپ کو؟؟ کوئی آئے گا تو کیا کال بیل نہیں دیکھے گا دروازے پر ہی دستک دے گا؟؟

(ڈاکٹر اور بیگم ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر کی نظروں میں بے اعتباری سی ہے اور بیگم کی نظروں میں شکایت)

زیدی: مگر یہ دستک!

بیگم: (الفاظ کاٹتے ہوئے) آپ آرام نہیں کریں گے۔۔۔ ڈاکٹر ہو کر۔۔۔

زیدی: (بیوی کے الفاظ کاٹ کر) بار بار مجھے کیوں بتا رہی ہو کہ میں ڈاکٹر ہوں؟؟

بیگم: وہ اس لیے کہ آپ کو عام لوگوں سے بالکل مختلف ہونا چاہیے اگر ڈاکٹر بھی کسی واہمے کا شکار ہو جائے تو پھر اس کے علم کا کیا فائدہ؟

زیدی: شاید تم سچ ہی کہتی ہو۔

بیگم: (آواز میں نرمی) آپ خود ہی بتایئے ایک ڈاکٹر حقیقت پسند نہیں ہوگا تو اور کون ہوگا؟

زیدی: دروازے پر دستک کی آواز سننا حقیقت کے خلاف ہے؟

بیگم: جب دستک ہی نہ ہو اور اصرار کریں کہ آواز سنی ہے اُس وقت آواز سننا کس طرح حقیقت ہوئی؟

(ڈاکٹر سر جھکا کر اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں۔ بیگم اُنھیں دیکھتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی نظریں بے اختیار سامنے پردے پر پڑتی ہیں۔ تیز و تند ہوا کا شور بڑھ گیا ہے۔ شاید بارش شروع ہو گئی ہے۔

آپ لیٹ جائیں نا!!!

(ڈاکٹر صاحب اپنے خیال میں غرق ہیں۔۔۔)

میں نے کیا کہا؟

زیدی: کیا کہا؟

بیگم: لیٹ جایئے!

زیدی: تم نے دروازہ کھول کر دیکھا تھا نا؟

بیگم: حد ہو گئی ہے۔ آپ لیٹ کیوں نہیں جاتے۔ آدھی رات ہو چکی ہے ابھی تک جاگ رہے ہیں۔ ڈاکٹر برہان نے کہا نہیں تھا، آپ کو مکمل آرام کی ضرورت ہے!

زیدی: یہ بات میں خود نہیں جانتا؟

بیگم: کیوں نہیں جانتے، جانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں۔ ڈاکٹر برہان نے کہا تھا میں خود آکر دوا پلاؤں گا۔ یاد نہیں رہا اُسے، اب تو صبح ہی آئے گا۔

زیدی: اچھا لڑکا ہے۔

بیگم: میں نے اِتنا ذمہ دار اور فرض شناس نوجوان آج تک نہیں دیکھا۔ سوائے کام کے اُسے اور کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ ہر وقت کام، دن ہو یا رات! کام کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں! یہ ہے فرض شناسی!

زیدی: ڈاکٹر کو فرض شناس ہی ہونا چاہیے!

(یہ لفظ کہتے ہوئے ڈاکٹر صاحب پھر سامنے پردے کو دیکھنے لگتے ہیں)

بیگم: آپ پھر، تو یہ ہے، ڈاکٹر برہان آئیں گے تو کہوں گی ان سے!

زیدی: کیا کہو گی؟

بیگم: یہ بھی تو ایک بیماری ہے۔ دروازے پر کوئی ہے نہیں اور آپ ہیں کہ دستک کی آواز سُن رہے ہیں۔ ایک بار نہیں کئی بار ایسا ہوا ہے۔

(دروازے کی گھنٹی بجتی ہے)

زیدی: اب تو آیا ہے کوئی!

بیگم: شاید ڈاکٹر برہان ہیں!!

(بیگم دروازے کی طرف جاتی ہیں اور پردے کے پیچھے غائب ہو جاتی ہیں۔ چند لمحوں کے بعد جب باہر نکلتی ہیں تو ان کے ساتھ ڈاکٹر برہان بھی آتے ہیں۔ ڈاکٹر برہان عمر کے لحاظ سے بالکل نوجوان ہیں۔ ہاتھ میں ڈاکٹروں والا بیگ، برساتی پہن رکھی ہے۔)

برہان: (دور ہی سے) السلام علیکم، ڈاکٹر صاحب!!

زیدی: وعلیکم السلام۔ بڑی تکلیف کی بیٹا! اس وقت آنے کی کیا ضرورت تھی؟ صبح دیکھا جاتا!!

برہان: کوئی بات نہیں۔

بیگم: ہاں بیٹا! اس وقت بھلا کیا ضرورت تھی آنے کی؟

برہان: آج شام سے پہلے دو کیس ایسے آگئے کہ فرصت ہی نہ ملی، بڑا مصروف رہا۔

(برہان آگے بڑھتے ہیں۔ بیگ چھوٹی میز پر رکھ دیتے ہیں، کیسے ٹمپریچر؟

بیگم: تھوڑی دیر پہلے لیا تھا، (۱۰۰) ہے۔

برہان: سینے میں تو درد نہیں؟

زیدی: نہیں۔

برہان: شکر ہے اور کوئی بات؟

بیگم: گھبراہٹ سی ہے۔

برہان: کوئی بات نہیں۔ میرا خیال ہے انجکشن میں ناغہ کر دیا جائے۔

زیدی: یہ ٹھیک ہے۔

(بیگم جلدی سے بائیں دروازے میں سے دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہیں۔ برہان ایک بوتل اٹھاتے ہیں)

برہان: سیرپ ختم ہو گیا ہے۔ کل آؤں گا تو لے آؤں گا۔

زیدی: تو آپ چلے؟

برہان: جی ہاں۔

بیگم: (دوسرے کمرے سے) ڈاکٹر صاحب!

برہان: جی!

بیگم: ذرا ٹھہریے۔

برہان: مجھے جلدی ہے ذرا۔

بیگم: ایک دو منٹ چائے لا رہی ہوں۔

برہان: اوہ! آپ نے کیوں تکلیف کی؟

(بیگم آتی ہیں)

بیگم: آپ تو اتنی سردی میں آئے ہیں۔ برساتی اتار دیجیے۔

(برہان برساتی اتار کر کرسی کے بازو پر پھیلا دیتے ہیں۔ بیگم چلی جاتی ہیں۔)

زیدی: بیٹھ جائیے۔

(برہان کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں)

برہان: اور تو کوئی تکلیف نہیں؟

(بیگم ٹرے میں چائے کی تین پیالیاں لے کر آتی ہیں)

بیگم: میں بتاتی ہوں ڈاکٹر صاحب۔

(ٹرے برہان کی طرف بڑھاتی ہیں۔ وہ ایک پیالی اٹھا لیتے ہیں۔ بیگم دوسری پیالی شوہر کو اور تیسری پیالی اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر خالی ٹرے جھک کر میز کے ساتھ لگا دیتی ہیں۔

برہان: (گھونٹ لے کر) آپ کیا بتا رہی تھیں؟

بیگم: ڈاکٹر صاحب! یہ بات بتاتے ہوئے مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوتا ہے۔ شاید آپ اِس پر یقین نہیں کریں گے مگر۔۔۔

(شوہر کی طرف دیکھتی ہیں جو نگاہیں جھکائے چائے پینے میں مصروف ہیں)

برہان: فرمایئے تو!!

بیگم: انھیں ایک وہم ہو گیا ہے۔

برہان: وہم!

بیگم: (مسکرا کر) آپ کہیں گے ڈاکٹر اور وہم۔ یہ کیا بات ہوئی!

برہان: جی میں نہیں کہوں گا۔ میں جانتا ہوں انسانی فطرت بڑی پُر اسرار ہوتی ہے اور ڈاکٹر بھی تو آخر انسان ہی ہوتا ہے۔

(بیگم ایک بار پھر شوہر کو دیکھتی ہیں وہ بہ دستور چائے پینے میں مصروف ہیں)

بیگم: چائے پیجیے نا!!!!

برہان: بہتر۔

(برہان پیالی ہونٹوں سے لگا لیتے ہیں۔ بیگم بھی چائے پیتی ہیں)

بیگم: پتا نہیں کیا بات ہے۔ بیٹھے بیٹھے خیال کرنے لگتے ہیں کہ دروازے پر دستک ہو رہی ہے۔ حالاں کہ دروازے پر کوئی بھی نہیں ہوتا۔

برہان: ہو سکتا ہے کسی نے دروازے پر ہی دستک دی ہو اور آپ نے نہ سنی ہو۔

بیگم: دستک ہوئی ہی نہیں، میں کیسے مان لوں۔

برہان: یعنی دستک نہیں ہوتی اور ڈاکٹر صاحب محسوس کرتے ہیں کہ دستک ہو رہی ہے؟

بیگم: جی ہاں۔

(برہان چائے کے دو گھونٹ پی کر زیدی کی طرف دیکھتے ہیں۔ زیدی نے پیالی خالی کر دی ہے۔ بیگم ہاتھ بڑھا کر پیالی لے لیتی ہیں اور میز پر رکھ دیتی ہیں۔ زیدی نے اپنا سر دیوار سے لگا دیا ہے اور آنکھیں بند کیے لیٹے ہیں۔)

برہان: نیند آ رہی ہے ڈاکٹر صاحب؟

زیدی: (آنکھیں کھولے بغیر) جی نہیں۔

بیگم: آج اِنھیں بار بار یہ خیال آیا ہے۔ میں نے کہا بھی کہ باہر تیز ہوا چل رہی ہے۔ اِس کی وجہ سے یہ شور ہو رہا ہے مگر مانتے ہی نہیں۔ دو مرتبہ دروازے پر بھجوایا ہے۔

زیدی: اور وہاں کوئی نہیں تھا؟

بیگم: کوئی بھی نہیں۔

زیدی: اچھا!

بیگم: آپ ان سے پوچھیے۔

(زیدی آنکھیں کھول دیتے ہیں)

زیدی: برہان بیٹا!

برہان: کہیے!

زیدی: یہ آج سے اٹھارہ بیس برس پہلے کا واقعہ ہے۔ اُس زمانے میں میری پریکٹس خوب چلتی تھی۔ سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی، ڈسپنسری اور گھر پر مریضوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ایک رات میں دیر سے گھر پہنچا اور پہنچتے ہی بستر پر گر پڑا، بری طرح تھک چکا تھا۔

(برہان پیالی میز پر رکھ دیتے ہیں، بیگم پیالی ہاتھ میں لیے شوہر کو بڑے غور سے دیکھ رہی ہیں۔)

کچھ دیر بعد میرے نوکر نے آ کر بتایا کہ ایک بڑے میاں آئے ہیں اور آپ کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں، میں نے انکار کر دیا اور نوکر سے کہا کہ بڑے میاں کو واپس بھیج دو مگر اُس کے روکنے کے باوجود وہ بوڑھا میرے کمرے میں آ گیا اور منت سماجت کرنے لگا کہ میرا بیٹا سخت بیمار ہے۔ پہلے بھی آپ کی دوا سے شفا ہوئی تھی۔ چل کر دیکھ لیں مگر میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔

(زیدی دو تین لمحوں کے لیے خاموش رہتے ہیں، پھر کہنے لگتے ہیں۔)

گرم بستر چھوڑنا بڑا مشکل نظر آ رہا تھا۔ میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ وہ بولتا رہا اور جب نوکر نے اُسے زبردستی باہر نکال دیا تو دروازے پر دستک دینے لگا نہ جانے کب تک دستک دیتا رہا میں سو گیا۔

(زیدی پھر خاموش ہو جاتے ہیں۔ بیگم کی نگاہیں اپنے شوہر پر جمی ہیں اور برہان میز سے دوائی کی ایک شیشی اٹھا کر اُسے دیکھ رہے ہیں۔)

صبح اُٹھا تو طبیعت پر بڑا بوجھ تھا۔ افسوس کر رہا تھا کہ میں نے بوڑھے کو کیوں مایوس کیا۔

برہان: اُس وقت آپ کا ضمیر بیدار ہو گیا تھا۔

زیدی: بس یہی بات تھی میں نے اُس بوڑھے کو ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی مگر کہیں پتا نہ چلا۔ نہ جانے وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا؟

برہان: وہ بوڑھا تو چلا گیا مگر اب کبھی کبھی آپ کا ضمیر دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے۔

(برہان بوتل میز پر رکھ دیتا ہے)

یہ دوا آج ختم ہو جانی چاہیے تھی۔

(زیدی خاموش رہتے ہیں، برہان برساتی اٹھا کر پہن لیتے ہیں اور بیگ اٹھا کر زیدی کی طرف دیکھتے ہیں۔)

ڈاکٹر صاحب!

زیدی: کہو بیٹا!

برہان: اِس واقعے میں ایک بات کا اضافہ کر لیجیے۔ میں اُنھی بڑے میاں کا پوتا ہوں، جس کا بیٹا اُس رات ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہا تھا۔

زیدی: تم!!!

بیگم: برہان بیٹا؟

برہان: اچھا خدا حافظ! ڈاکٹر صاحب اطمینان کے ساتھ سو جایئے! اب دروازے پر دستک نہیں ہونی چاہیے۔ آرام کیجیے ۔شب بہ خیر۔ کل حاضر ہوں گا۔

(برہان دروازے کی طرف بڑھتا ہے اور جلدی سے پردے کے پیچھے غائب ہو جاتا ہے)

زیدی اور بیگم اسے خاموشی سے دیکھتے رہتے ہیں۔ (برہان کے پردے کے پیچھے جاتے ہی پردہ گر جاتا ہے)

(پس پردہ)

مشق

سننا

۱۔ مختلف سمعی ذرائع سے میرزا ادیب کا ڈراما" دستک" یا" لہو اور قالین" سنیں اور ان میں استعمال ہونے والے الفاظ کے مجازی، اصطلاحی اور کنائی معانی تک رسائی حاصل کریں۔ جہاں وقت پیش آئے، اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ کی رہ نمائی حاصل کریں۔

۲۔ اپنے والدین کی موجودگی میں ہفتے یا اتوار کے دن مختلف ٹی وی چینلز پر خبریں، ڈرامے اور فیچر وغیرہ ملاحظہ کریں۔ رات آٹھ بجے سے دس بجے تک کے دورانیے میں الیکٹرانک ذرائع ابلاغ پہ پیش کی جانے والی خبریں، ڈرامے اور فیچروں وغیرہ میں اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات کے حامل پروگراموں کو سننے کے بعد ایک خاکہ ترتیب دیں:

ٹی وی چینل کا نام:

پروگرام کا نام:

وقت اور تاریخ:

پروگرام کا موضوع: اخلاقی/معاشی/معاشرتی/ثقافتی یا

پروگرام کی نوعیت: خبریں/ڈراما/فیچر

پروگرام کادورانیہ: نصف گھنٹا/۴۵منٹ/ایک گھنٹا

موضوعات کے اعتبار سے ہر پروگرام کے متعلق مختصر جملے لکھ کر تبصرہ اور تشریح کریں۔ اس تبصرے کو اپنی جماعت کے دیگر ساتھیوں کے سامنے پیش کرنے سے قبل حتمی تبصرے کی تیاری کے سلسلے میں والد صاحب یا والدہ صاحبہ کی رہ نمائی بھی لی جاسکتی ہے۔

بولنا

۳۔ درج ذیل علمی، ادبی اور صحافتی موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں صبح سکول کی اسمبلی میں درست تلفظ اور لب و لہجے کے ساتھ زبانی تقریر کریں:

i. موسمیاتی تبدیلیاں

ii. علامہ اقبال کی شاعری اور نوجوان نسل

iii. آئین پاکستان اور حقوق انسانی

پڑھنا

۴۔ درج ذیل عبارات میں سے ایک ڈرامے (دہلیز) اور دوسری عبارت ناول (آنگن) سے ماخوذ ہے۔ اپنے استادِ محترم/استانی صاحبہ سے دونوں ادب پاروں سے متعلق مزید معلومات حاصل کریں اور عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ کریں۔

(۱)

سعیدہ: آخر آپ بتاتے کیوں نہیں۔ کیا بات ہوئی تھی وہاں؟

فقیر حسین: کہنا کچھ نہیں۔ بڑوں کی باتوں میں بچے دخل نہیں دیا کرتے۔

اختر: (وقفہ) یہ عابد آپ کی طرف ایسے گھور کر کیوں دیکھ رہا تھا۔؟؟؟

فقیر حسین: (نظریں چراتے ہوئے) کب۔۔۔ میں نے تو نہیں دیکھا۔

اختر: ضرور اُن لوگوں نے آپ سے کوئی زیادتی کی ہے!!!

فقیر حسین: (غصہ دباتے ہوئے) یہ ایک دم تمھارے دل میں میری محبت کیسے جاگ پڑی ہے۔۔۔ تم جاؤ اپنی موج کرو۔ آوارہ گردوں میں اُٹھو بیٹھو، میرے عمر بھر کے کمائے ہوئے نام پر مٹی ڈالو۔

(اختر جھنجلا کر کمرے سے نکل جاتا ہے۔ فقیر حسین کمبل کھینچ کر اوپر لیتا ہے۔ سعیدہ چند لمحے کچھ سوچتی رہتی ہے پھر کمرے سے نکل جاتی ہے۔)

(۲)

پاکستان بن گیا۔ لیگی رہ نما کراچی دارالحکومت جاچکے تھے۔ مشرقی پنجاب میں خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی۔ بڑے چچا اِس صدمے سے جیسے نِڈھال ہوگئے تھے۔ بیٹھک میں بیماروں کی طرح وہ ہر ایک سے پوچھتے رہتے "یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا ہو گیا ہے"؟

جب وہ یہ سب کچھ عالیہ سے پوچھتے تو وہ ان کا سر سہلانے لگتی۔ "بڑے چچا آپ آرام کیجیے، آپ تھک گئے ہیں بڑے چچا۔" اور بڑے چچا اِس طرح آنکھیں بند کر لیتے جیسے خون کی ندی اِن کی آنکھوں کے سامنے بہ رہی ہو۔

کریمن بوا فساد کی خبریں سن سن کر ٹھنڈی آہیں بھرا کرتیں۔ اپنے شہر میں فساد تو نہ ہوا تھا مگر سب کی جانوں پر بنی رہتی، پتا نہیں، کب کیا ہو جائے؟

کہاں ہو گا میرا شکیل،'' بمبئی میں فساد کی خبر سن کر بڑی چچی بلکنے لگیں۔

تمھارا پاکستان بن گیا جمیل، تمھارے ابا کا ملک بھی آزاد ہو گیا، پر میرے شکیل کو اب کون لائے گا؟''

سب ٹھیک ہو جائے گا اماں، وہ خیریت سے ہو گا۔ یہ فساد وساد تو چار دن میں ختم ہو جائیں گے '' جمیل بھیاًن کو سمجھاتے مگر اُن کا چہرہ فق رہتا۔

شام سب لوگ خاموش بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ ماموں کا خط آگیا۔ اُنھوں نے اَماں کو لکھا تھا کہ اُنھوں نے اپنی خدمات پاکستان کے لیے وقف کر دی ہیں اور وہ جلد ہی جا رہے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کو چلنا ہو تو فوراً جواب دیجیے اور تیار رہیے۔''

۵ ڈراما'' دستک'' کی بلند خوانی کے لیے کلاس کے دو طلبہ رضاکارانہ سامنے آئیں۔ ایک ڈاکٹر زیدی جب کہ دوسرا بیگم زیدی کے کردار کا روپ دھار کر دونوں کرداروں کے مکالموں کو کردار کے مطابق تاثر کے ساتھ ادا کریں۔

لکھنا

۶۔ ڈراما'' دستک'' آپ نے پڑھا۔ اس ڈرامے کو مختلف ضرب الامثال اور محاورات کا استعمال کرتے ہوئے کہانی کی صورت میں تبدیل کریں۔

قواعد/زبان شناسی

مرکب ناقص اور مرکب تام اور جملے کے اجزائے ترکیبی

دو یا دو سے زائد الفاظ کا مجموعہ جو پڑھنے والے تک اپنا مفہوم مکمل طور پر ادا نہ کرے اسے مرکب ناقص کہتے ہیں۔ مثلاً: دو لڑکے، آسان اردو۔

دو یا دو سے زائد الفاظ کا مجموعہ جو پڑھنے والے پر اپنا مفہوم مکمل طور پر ادا کر دے مرکب تام کہلاتا ہے۔ مثلاً: دو لڑکے پڑھ رہے تھے۔ آسان اردو لکھا کریں وغیرہ۔ اردو زبان میں بنیادی طور پر ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے تاکہ سننے یا پڑھنے والے تک مفہوم درست اور مکمل طور پر ادا ہو جائے۔ جملے کے ان دونوں حصوں کو مجموعی طور پر اسناد کہا جاتا ہے۔ جس کے متعلق کچھ کہا جاتا ہے اُسے مسند الیہ اور جو کچھ کہا جاتا ہے اسے مسند کہتے ہیں۔ مرکب تام کی دو قسمیں شاملِ نصاب ہیں: جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ

جملہ اسمیہ میں مسند الیہ اور مسند دونوں اسم ہوں گے۔ مسند الیہ کو مبتدا اور مسند کو خبر کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر: اردو آسان زبان ہے۔ اس جملے میں اردو (مسند الیہ) مبتدا، جب کہ آسان زبان (مسند) خبر ہو گی اور (ہے) فعل ناقص ہے۔

اسی طرح جملہ فعلیہ میں مسند الیہ تو اسم ہو گا جب مسند، فعل کی صورت میں آئے گا۔ جملہ فعلیہ میں مسند الیہ کو فاعل جب کہ مسند کو فعل کہیں گے۔

مثال کے طور پر: طالب علم نے پڑھا۔ اس جملے میں طالب علم؛ فاعل اور پڑھا، فعل ہے۔

۷۔ درج ذیل جملوں میں جملہ اسمیہ کے اجزائے ترکیبی (مبتدا، خبر اور فعل ناقص) اور جملہ فعلیہ کے اجزائے ترکیبی (فاعل، فعل اور مفعول) کی نشان دہی کریں تاکہ دونوں جملوں کے اجزائے ترکیبی میں امتیاز واضح ہو سکے۔

i پاکستان نے میچ جیتا۔

ii آمنہ ذہین لڑکی ہے۔

iii سلیمان نے بال کٹوائے۔

iv سعودی عرب ایک اسلامی ملک ہے۔

v آم پھلوں کا بادشاہ ہے۔

vi عبدالستار ایدھی عظیم سماجی کارکن تھے۔

ڈراما یونانی زبان کے لفظ ڈرؤ (drao) سے مشتق ہے، جس کے معانی ہیں : عمل کر کے دکھانا۔ ڈرامے کی ابتدا بھی یونان سے ہوئی۔ بر صغیر میں بھی قدیم زمانوں سے ڈرامے کا سراغ ملتا ہے۔ راجا بکرماجیت کے عہد میں لکھا ہوا ڈراما "شکنتلا" دنیا بھر میں بڑی شہرت کا حامل ہے۔ قدیم زمانے میں لوگ اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے ڈراما کھیلا کرتے تھے مگر بعد میں ترقی کرتے کرتے یہ فن کی منزل تک پہنچ گیا۔ ڈرامے کی دو مشہور بنیادی اقسام بتائی جاتی ہیں : طربیہ ڈراما۔ ایسا ڈراما جس میں ہنسی مذاق کے ذریعے سماج کی کمزوریوں کی نشان دہی کی گئی ہو اور جس کا اختتام خوشی و مسرت کی کیفیت پہ ہو۔ دوسرا المیہ یا حزنیہ ڈراما: ایسا ڈراما جس میں پیش آنے والے واقعات غم ناک ہوں اور اس کا اختتام خوشی و مسرت کی کیفیت پہ نہ ہو۔ پلاٹ، کردار نگاری ارتقائی عمل، کش مکش، مکالمے، اسٹیج، کرداروں کی حرکات و سکنات، اختتامی عمل کو ڈرامے کے اجزائے ترکیبی میں شمار کیا جاتا ہے۔

۸۔ ڈراما "دستک" پڑھ کر اس کے اجزائے ترکیبی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے طرز تحریر پر تبصرہ کریں۔

اصطلاحی، مجازی، کنایاتی معانی:

لغوی معانی کے علاوہ کئی لفظوں کے مجازی معانی بھی ملتے ہیں اور انھیں لغوی معنوں کے بعد درج کیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر مجازی سے مراد کوئی بھی ایسی شے ہوتی ہے جو اپنی ماہیت اور روح میں تو اصل یا حقیقی جیسی ہو یا اُس سے قریب ہو مگر حقیقی نہ ہو۔ جیسے یک انسان کے سائے کو ایک انسان کی ساخت سے تشبیہ دے دی جائے۔ تو یہ سایا انسان کے لیے مجازی تصور ہوگا۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ اس کے سر سے والد کا سایا اٹھ گیا۔ یہاں لفظ "سایا" اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کے لغوی اور مجازی معنوں کے ساتھ ساتھ دیگر مفاہیم میں اصطلاحی معانی بھی آتے ہیں۔ مثلاً: مطلع کے لغوی معانی ہیں ، طلوع ہونے یا نکلنے کی کیفیت یا موسم کی کیفیت ۔ لیکن اصطلاح میں غزل یا قصیدے کا پہلا شعر؛ جس کے دونوں مصرعے آپس میں ہم قافیہ ہم ردیف ہوں۔

کنایہ کے لغوی معانی پوشیدہ یا چھپی ہوئی بات کرنا، کے ہیں۔ الفاظ کو حقیقی کی بہ جائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کرنا کہ اس سے حقیقی معانی بھی مراد لیے جائیں، اِس بیان کو کنایاتی بیان یا معانی کہا جائے گا۔ مثلاً: وہ بڑا تنگ دل ہے۔ یا وہ کھلے دل کا مالک ہے۔ ان جملوں میں تنگ دل اور کھلا دل سے مراد کنجوس اور دریادل کے معانی ہیں جو کہ کنایاتی معانی کہلائیں گے۔

۹۔ اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معانی کی حامل دو دو مثالیں تحریر کریں۔

سرگرمی

سکول کی لائبریری سے میرزا ادیب کے ڈراموں کا کوئی ایک مجموعہ جاری کرائیں۔ مجموعے میں شامل ڈراموں کا مطالعہ کریں اور درج ذیل تفصیل کے مطابق ایک فہرست ترتیب دیں:

اخلاقی موضوعات کے ڈرامے:

معاشی موضوعات کے ڈرامے:

سماجی موضوعات کے ڈرامے:

اولڈ ایج ہوم

۲

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- **سننا** • عمدہ سامع کے طور پر الفاظ جملوں، مصرعوں، شعروں، نظموں وغیرہ کے تلفظ، آہنگ لَے، اور ادائی سے شعوری طور پر لطف اندوز ہو سکیں۔
- **بولنا** • کسی ادبی علمی یا صحافتی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں سامعین کے سامنے درست تلفظ اور لب و لہجے کے ساتھ زبانی تقریر کر سکیں۔
- • کلام / بات درمیان سے سن کر اپنے حافظے سے تسلسل کے ساتھ اہم نکات بتا سکیں۔
- **پڑھنا** • نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر متعلقہ سوالات (براہِ راست، بالواسطہ اور کثیر الجہت) کے جوابات دے سکیں۔
- • عبارت پڑھتے ہوئے تمام علامات اوقاف کا لحاظ رکھ سکیں۔
- **لکھنا** • کسی بھی نظم / نثر کو پڑھ کر مصنف / شاعر اور قاری کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کر سکیں۔
- **قواعد / زبان شناسی** • حروفِ فجائیہ کی نشان دہی کر سکیں۔

خاص	حائل	سرزنش	اُگل دان	سَرخُوشی
الفاظ	دُور دَراز	دُوبھَر ہونا	لَجاجت	مُنتَشِر

ہدایات برائے اساتذہ کرام

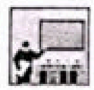

- طلبہ کو میرزا ادیب کی ڈراما نگاری کے ساتھ ساتھ افسانہ نگاری اور سوانح نگاری سے آگاہ کریں۔

میرزا ادیب (۱۹۱۴ء۔۱۹۹۹ء)

میرزا ادیب لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام دلاور علی تھا۔ ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ میں پائی اور اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے کیا۔ معروف رسالے "ادبِ لطیف" کے مدیر رہے۔ ریڈیو پاکستان سے بھی منسلک رہے۔ تمام زندگی علمی و ادبی سرگرمیوں میں بسر کی۔

میرزا ادیب یک بابی اور ریڈیائی ڈراما نگاری میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کے ڈراموں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں: آنسو اور ستارے، لہو اور قالین، شیشے کی دیوار، فصیلِ شب، پسِ پردہ اور خاک نشین شامل ہیں۔ وہ اپنے ڈراموں میں عام انسانی زندگی کے تضادات اور تصادم کو پیش کرتے ہیں۔ ان کی زبان شگفتہ اور رواں ہے اور مکالمہ نگاری میں اِنھیں خاص مہارت حاصل ہے۔ آپ کی آپ بیتی مٹی کا دیا کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ آپ کے خاکوں کی بھی ایک کتاب "ناخن کا قرض" کے نام سے ہے۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- مرزا ادیب کے افسانوی مجموعے کا نام بتائیں۔
- "مٹی کا دیا" کس کی لکھی ہوئی آپ بیتی ہے؟

آخری سیڑھی اور اس کے کمرے کے درمیان کم و بیش دس گز کا فاصلہ حائل تھا اور یہ فاصلہ اس کے لیے ایک بڑی آزمائش کا مرحلہ بن جاتا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند ہوتا تھا تو اسے کسی قدر اطمینان ہو جاتا تھا کہ اس کے پوتے اور پوتیوں کے حملے سے اس کا کمرا محفوظ ہے مگر جب اس کے دونوں پٹ کھلے ہوتے تھے اور دروازے کے باہر کمرے کی کوئی نہ کوئی چیز پڑی ہوتی تھی تو اس کی پیشانی شکن آلود ہو جاتی تھی اور چہرے کی بوڑھی رگیں زیادہ نمایاں ہو کر اس کی کرب انگیز دلی کیفیت کا اظہار کرنے لگتی تھیں۔

اس وقت کمرے کے دونوں پٹ کھلے تھے۔

اومیرے خدایا! اس کے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا اور کمرے کے اندر چلا گیا۔

جس غارت گری کا اس نے اندازہ لگایا تھا وہ صورت حال سے کچھ کم تر ہی تھی۔ اس روز محمود اور اس کی دونوں بہنوں نے معمول سے زیادہ ہی تباہی مچادی تھی۔ پلنگ کی چادر، جسے اس کی بہو نے صرف ایک روز پہلے بدلا تھا، اس پر جا بہ جا مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ انھوں نے پلنگ پر بیٹھ کر کوئی میٹھی چیز کھائی کم اور گرائی زیادہ تھی اور ہر طرف بکھرے ہوئے ریزوں نے مکھیوں کو دعوتِ عام دے دی تھی۔ میز پر کتابیں وہ بڑی ترتیب کے ساتھ رکھا کرتا تھا۔ اسے اپنی کتابوں سے بڑی محبت تھی اور انھی کا مطالعہ کر کے اپنا وقت بتاتا تھا۔ یہ ساری کتابیں منتشر حالت میں پڑی تھیں۔

قالین پر اُگل دان الٹا پڑا تھا۔ حقہ کمرے کے ایک گوشے میں رکھا ہوا تھا، وہ کمرے کے عین وسط میں اس عالم بے چارگی میں پڑا تھا کہ اس کی چلم غائب تھی اور چلم کے کوئلے ادھر ادھر دکھائی دے رہے تھے۔ پنشن کے لیے گھر سے جانے سے پہلے وہ دھوبی سے دُھلے ہوئے کپڑے لا کر کرسی کے اوپر رکھ گیا تھا کہ واپس آ کر انھیں الماری کے خانے میں رکھ دے گا۔ ان میں سے کوٹ نکل کر پلنگ پر پڑا تھا۔ محمود نے ضرور اسے پہن کر دادا جان بننے کی کوشش کی ہوگی۔

ایسے میں اس کا صبر و قرار جواب دے جاتا تھا اور وہ کھڑکی سے منہ باہر نکال کر اپنی بہو کو بڑے غصے سے مخاطب کرتا تھا اور اس روز بھی اس نے یہی کیا تھا۔

زینب! تم اپنے بچوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتیں اوپر آ کر دیکھو تو کیا حالت کر دی ہے میرے کمرے کی۔

بچے اپنے دادا جان کو گھر کے اندر آتے دیکھ کر چپکے سے کھسک جاتے تھے۔ اس لیے زینب انھیں بے تحاشا بد دعائیں دینے کے سوا اور کیا کر سکتی تھی۔

میں کیا کروں باباجی! آپ انھیں کیوں نہیں سمجھا لیتے؟

اپنی بہو کا یہ رویہ اس کے لیے حیران کن تھا۔ وہ تو سسر کی غصیلی آواز سنتے ہی دروازے کی طرف بھاگتی تھی اور محمود یا اس کی کوئی بہن ہاتھ آ جاتی تھی تو مار مار کر اس کا کچومر نکال دیتی تھی۔ مگر اس روز اس نے ایک فقرہ کہہ کر ہی اپنی طرف سے معاملہ ختم کر دیا تھا۔

ماں بچوں کو بد دعائیں دیتی تھی۔ تو اس کا غصہ بھی ذرا دب جاتا تھا لیکن اس روز اس نے جس ردِ عمل کا اظہار کیا تھا وہ اسے بڑا غیر مناسب لگا۔ وہ کھڑکی سے پرے ہٹ گیا۔ اس کی پیشانی زیادہ شکن آلود ہو گئی تھی اور سانس شدید غصے کی حالت میں تیزی سے آنے جانے لگا تھا۔

کیا اس نے بچوں کو شہ دی ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا اور وہ نیچے آ گیا۔

زینب نلکے کے نیچے کپڑے دھو رہی تھی۔

زینب! تم نے ان بد تمیزوں کو اتنی کھلی چھٹی کیوں دے رکھی ہے۔ انھیں کمرے میں جانے ہی کیوں دیتی ہو۔ تمھیں خبر نہیں کہ میرے کمرے کے اندر جا کر وہ کیا کرتے ہیں؟

زینب نے ہاتھ میں ڈنڈا اٹھا رکھا تھا جسے وہ کپڑوں پر مار رہی تھی۔ اپنے سسر کے الفاظ سن کر اس نے بے دھیانی میں ڈنڈا نلکے پر زور سے مار دیا اور چمک کر بولی:

یہ میری کم بخت اولاد ہے تو آپ کی کچھ نہیں لگتی؟

زینب اس کے سوال کا کیا جواب دے رہی تھی۔ اس کے الفاظ نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

میری کچھ لگتی ہے یا نہیں لگتی مگر۔

زینب تڑپ اٹھی۔ فوراً بولی:

کچھ نہیں لگتی ناں؟

زینب! میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میری چیزوں کو اس طرح تباہ کیا جائے۔

تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ پکڑ کر گلے گھونٹ دیں ان کے۔"

ان کی بہو کو کیا ہو گیا ہے۔ ترکی بہ ترکی جواب دے رہی ہے۔ بیٹا بھی اپنے کمرے میں موجود ہے۔ اسے ضرور صورت حال کا علم ہو چکا ہے مگر نہ تو باہر آیا ہے نہ بچوں کی معمول کے مطابق سرزنش کی ہے۔

اچھا! کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ تم لوگ چاہتے ہو کہ میں گھر سے نکل جاؤں۔"

اور وہ تیزی کے ساتھ دروازے سے باہر آ گیا۔

میرزا عبدالقیوم نے ساری زندگی صوبائی حکومت کے ایک دفتر میں ملازمت کی تھی۔ وہ معمولی کلرک سے اعلیٰ افسر کے عہدے تک پہنچا تھا اور اس کی ترقی کا حقیقی سبب اس کی ایمان داری، دیانت داری اور منصبی فرائض سے گہری دل چسپی تھی۔

ملازمت کے اختتام پر دفتر کے سربراہ نے بڑی کوشش کی تھی کہ اس کی دفتر سے وابستگی میں توسیع کر دی جائے مگر وہ خود اس پر راضی نہ ہوا۔ اپنے دوستوں سے تو اس نے یہی کہا کہ میں نے اپنے حصے کا کام کر لیا ہے، اب یہ دوسروں کا حق ہے کہ وہ آگے بڑھ کر میری ذمے داریاں نبھائیں۔ میں کسی کا حق مارنا نہیں چاہتا۔ اس کے دوستوں نے قطع ملازمت کا یہ جواز تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن دل کی بات اس نے کسی سے بھی نہیں کہی تھی اور دل کی بات یہ تھی کہ وہ دفتری ہنگاموں سے دور ہو کر بڑے پر سکون ماحول میں بقیہ زندگی بسر کرنے کا آرزو مند تھا۔ خاموشی، سکون اور اپنا دن اور اپنی رات، یہ تھی اس کی آرزو جو چھٹی کے وقت اپنے کاموں سے فراغت پانے کے بعد یا گھر میں اپنے مخصوص کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے اس کے دل و دماغ پر چھا جاتی تھی اور وہ ان لمحوں کی گود میں چلا جاتا تھا۔ جب دفتر سے رشتہ منقطع کرنے کے بعد خاموشی، سکون اور اپنے سارے معمولات میں مکمل آزادی حاصل کرے گا۔ اس ماحول کا تصور کرتے وقت اسے ایک عجیب سی خوشی مل جاتی تھی اور وہ دیر تک اس تصور میں ڈوبا رہتا تھا۔

پہلے دن جب صبح اٹھ کر اس نے یہ خیال کیا کہ اب سارا دن اس کا اپنا ہے اور اسے کہیں بھی آنا جانا نہیں ہے۔ کوئی بھی فریضہ ادا کرنا نہیں ہے تو اس کا دل سرخوشی کی ایک ایسی کیفیت محسوس کرنے لگا جسے وہ اپنی تمام تگ و دو کا حاصل سمجھتا تھا۔

وہ خوش تھا، مطمئن تھا۔

اس نے اپنے کمرے کو ٹھیک کرنے کا ارادہ کیا اور اپنی بہو سے جو بچوں کے ساتھ ناشتا لے کر آگئی تھی کہا:

زینب! اب تو یہی میری دنیا ہے۔ یہ میرا کمرا، اسے ٹھیک ٹھاک کرنا ہو گا۔ تمھارا کیا خیال ہے؟

ضرور بابا جان! جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہو جائے گا۔ حکم کیجیے۔ اس کی بہو نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

یہ صوفہ سیٹ پرانا ہو گیا ہے۔

نیا خرید لیں گے۔"

میز بھی۔"

یہ بھی نہیں۔

بس ٹھیک ہے۔

اس کی بہو مسکرا رہی تھی۔

بابا جان! میں آج ہی پرانی چیزیں نکلوا لوں گی۔ صوفہ سیٹ خرید لائیں گے اور بھی سب کچھ۔ محمود کے ابو بھی کہہ رہے تھے کہ ابا جان اب گھر پر ہی رہا کریں گے۔ انھیں ہر طرح آرام پہنچائیں گے۔

چند روز میں کمرا ٹھیک ہو گیا اسے ٹھیک کرنے میں اس نے خود کم اور گھر والوں نے زیادہ حصہ لیا تھا۔

ایک ہفتہ اس انداز میں گزرا جس انداز میں وہ گزارنا چاہتا تھا۔ دفتر کے پرانے ساتھی اس سے ملاقات کے لیے آتے رہے۔ اس کا پوتا اور دونوں پوتیاں چائے اور کھانا اس کے کمرے ہی میں پہنچاتے رہے۔ اس قسم کا ہنگامہ ضرور رہا لیکن اسے یقین تھا کہ یہ سب کچھ عارضی ہے۔ احباب آتے ہیں تو آئندہ آنے سے رک جائیں گے۔ اس کی بہو بچوں کو ڈانٹنے ڈپٹنے میں جو شور کرتی ہے یہ بھی اس وقت ختم ہو جائے گا یا بہت حد تک تھم جائے گا جب وہ ان کی ماں کو سمجھا دے گا کہ بچوں کے ساتھ مادرانہ شفقت کا رویہ اختیار کرے۔ بچے اوپر آتے ہیں، اپنے جوتوں کے ساتھ اندر آکر قالین خراب کر دیتے ہیں۔ تو یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ وہ انھیں بتا دے گا کہ اوپر میرے کمرے میں آؤ تو جوتے اتار کر آؤ۔

تین ہفتے بیت گئے اور پھر اس کے ذہن میں اندیشہ ہائے دُور دراز اپنا سایا ڈالنے لگے۔

اس نے سوچا تھا کہ دفتر کے کچھ لوگ آتے ہیں تو اظہارِ محبت کے لیے آتے ہیں۔ آخر کب تک یہ اظہار ہوتا رہے گا۔ مگر اتنی مدت صبر سے کام لینے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ پہلے اس کے پرانے اور نئے ساتھی محض اسے اس کے شان دار کیریئر پر مبارک باد دینے کے لیے آتے تھے اب وہ اس سے ہدایات لینے کے لیے آنے لگے تھے۔

سر! ایسے کاغذات کن فائلوں میں رکھے جاتے ہیں۔ بڑے افسر کے ہاں جا کر سوال کس طرح کرنا چاہیے؟

یہ لوگ عام طور پر یہی سوال کرتے تھے اور وہ جواب دے دے کر بور ہو جاتا تھا۔

اس سے بڑی کوفت اسے اپنے پوتے اور پوتیوں سے ہونے لگی تھی۔ وہ سیر و تفریح کی خاطر، کسی سے ملاقات کے لیے، کوئی چیز خریدنے کے لیے گھر سے باہر نکلتا تھا تو بچے سکول سے واپس آکر گھر میں ہوتے تھے تو بے تکلف اس کے کمرے میں آجاتے تھے اور طوفانِ بدتمیزی مچا دیتے تھے۔ چیزوں کی بے ترتیبی دیکھ کر اسے دکھ ہونے لگا تھا۔ اپنے کمرے میں تباہی پر اسے ہر بار ذہنی کوفت ہوتی تھی مگر جب اس کی بہو بچوں کو بری طرح ڈانٹ ڈپٹ دیتی تھی بلکہ کسی نہ کسی کی پٹائی بھی کر دیتی تھی اور اس کا بیٹا بھی، اگر گھر میں ہوتا تھا تو اس ڈانٹ ڈپٹ میں حصہ لینے سے باز نہیں رہتا تھا تو اس کا غصہ کسی قدر ہلکا ہو جاتا

تھا اور وہ آہستہ آہستہ نارمل حالت میں آجاتا تھا مگر اس روز تو ان دونوں نے ایک ایسا رویہ اختیار کر لیا تھا جو اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

بہو کا فقرہ: تو میں کیا کر سکتی ہوں، پکڑ کر گلے گھونٹ دیں ان کے۔" اس کے ذہن پر مسلسل ضربیں لگا رہا تھا۔

وہ بغیر کسی مقصد کے گلیوں اور بازاروں کے چکر لگاتا رہا۔ باغوں میں گھوما، کتابوں کی دکان پر کچھ کتابیں خریدیں اور ایک اخبار بھی۔ گھر پہنچ کر وہ کسی سے کچھ کہے سنے بغیر اوپر کمرے میں چلا گیا اور بستر پر گر کر ایک نئی کتاب کی ورق گردانی کرنے لگا۔ شام ہو چکی تھی۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ کتاب پڑھنا ممکن نہیں تھا اور اس کے اعصاب پر کچھ ایسا بوجھ پڑ چکا تھا کہ بستر سے اٹھ کر بجلی کے سوئچ بورڈ تک جانا دوبھر لگ رہا تھا۔ وہ کتاب بند کر کے لیٹ گیا۔

بہو اور بیٹے کی بے نیازی اسے یاد آگئی اور اپنے وہ الفاظ بھی جو اس نے گھر سے نکلتے وقت اپنی بہو سے کہے تھے: "اب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ تم لوگ چاہتے ہو کہ میں گھر سے نکل جاؤں۔

مگر میں کر کیا سکتا ہوں۔ کہاں سر چھپاؤں جا کر کدھر جا سکتا ہوں؟ یہ سوچ کر اس پر ایک گہری افسردگی طاری ہو گئی۔

اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اچانک اس کی بند آنکھوں پر کسی نرم سی شے نے مَس کیا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس کی بڑی پوتی کلثوم پاس کھڑی مسکرا رہی تھی۔

دادا ابو! سو گئے تھے آپ؟

کیوں آئی ہو یہاں؟" وہ گرجا۔

بچی کی آنکھوں میں جو میٹھی سی معصومانہ مسکراہٹ جھلک رہی تھی فی الفور غائب ہو گئی۔

دادا ابو۔" وہ آگے کچھ نہ کہ سکی۔

کیا ہے؟" وہ دوبارہ گرجا۔

وہ۔ دادا ابو! کھانا۔

نہیں۔ بھوک نہیں ہے مجھے۔ بھاگ جاؤ فوراً۔

کلثوم کمرے سے باہر جانے لگی۔ جب وہ کمرے میں آیا تھا تو اس نے اِدھر اُدھر نظر نہیں ڈالی تھی۔ آتے ہی بستر پر گر پڑا تھا۔ اب اس نے دیکھا کہ کمرے کی صفائی ہو گئی ہے مگر کتابیں بدستور منتشر ہیں۔

جاہل عورت۔

وہ اپنی اَن پڑھ بہو کو جاہل سمجھتا تھا۔ اس کے بیٹے نے محبت کی شادی کی تھی اور وہ شروع ہی سے بہو کو پسند نہیں کرتا تھا اگرچہ وہ اس کے آرام کا ہر طرح خیال رکھتی تھی۔ چند منٹ بعد بہو اور بیٹا آگئے۔

بابا جان! کھانا کھا لیجیے ناں۔" یہ اس کی بہو کے الفاظ تھے۔

نہیں! کہہ جو دیا بھوک نہیں ہے۔ کیوں پریشان کرتے ہو مجھے۔

مگر ابو! آپ نے تو دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔" اس کا بیٹا بولا۔

باپ نے خشمگیں نظروں سے بیٹے کو دیکھا اور بیٹے نے نظریں جھکا لیں۔ کچھ اور اصرار کرنے کے بعد دونوں مایوس ہو کر چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد اس نے پھر کتاب اٹھائی۔ لیکن آدھا صفحہ پڑھ کر ہی اسے چھوڑ دیا۔ سرہانے کے اوپر اخبار بھی کھلا ہوا پڑا تھا۔ کتاب ایک طرف رکھ کر اس نے اخبار اٹھا لیا۔ وہی دہشت ناک خبریں تھیں جو اخباروں میں نمایاں طور پر چھپتی ہیں۔ یکایک اس کی نگاہ ایک اشتہار پر پہنچ کر رک گئی۔ اس

اشتہار میں امریکی طرز پر ایک اولڈ ایج ہوم (OLD AGE HOME) کے قیام کی خوش خبری سنائی گئی تھی اور ان بوڑھے مردوں اور بوڑھی عورتوں کو اس 'ہوم' کے مالک احمد جاوید سے ملنے کو کہا گیا تھا جو بڑھاپے میں پُر سکون زندگی بسر کرنے کے آرزومند ہیں۔ نیچے احمد جاوید کا پتا درج تھا۔
اس نے سانس روک کر یہ خبر پڑھی۔

یہ تو بہت ہی اچھی خبر ہے۔

اس نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا اور اخبار کو لپیٹ کر تپائی کے اوپر رکھنے سے پیشتر وہ تین بار اس اشتہار کو پڑھ چکا تھا۔
صبح اس کی بہو ناشتا لے کر آگئی۔

باباجی! خدا کے لیے انکار نہ کریں۔

بہو نے یہ الفاظ بڑی لجاحت سے کہے تھے۔ اس نے بہو کے ہاتھ سے ٹرے لے لی اور وہ اپنے سسر کو بڑی ممنونیت سے دیکھنے لگی۔
جلدی جلدی ناشتا کرنے کے بعد اس نے لباس تبدیل کیا اور احمد جاوید سے ملاقات کے لیے روانہ ہو گیا۔ احمد جاوید کی عمر پچاس پچپن سے کم نہیں تھی مگر بڑا چاک و چوبند دکھائی دیتا تھا۔ لباس فیشن کے مطابق، چوڑی پیشانی اور آنکھوں میں ذہانت کی چمک۔ بڑی خوشی سے اس نے خیر مقدم کرتے ہوئے اسے اپنی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ نام وغیرہ پوچھا، حالات دریافت کیے اور جب اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ جس شخص سے وہ ملاقات کر رہا ہے وہ ہوم میں داخل ہونے کے لیے بے قرار ہے تو بولا:

مجھے آپ کی تشریف آوری پر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ آپ کی خواہش کی تکمیل کر کے مجھے اور خوشی ہوگی۔ میں نے اپنی زندگی کا ایک اچھا خاصا حصہ امریکا میں گزارا ہے۔ اس کی کچھ چیزیں مجھے پسند نہیں آئیں۔ کچھ پسند آئی ہیں اور ایک چیز جو بہت زیادہ پسند آئی ہے وہ "اولڈ ایج ہوم" کا سسٹم ہے۔ میں کئی بار اس قسم کے ایک ہوم میں گیا تھا اور وہاں رہنے والوں کو بہت مسرور اور مطمئن پایا تھا۔ سچ کہتا ہوں ان کے چہروں پر مجھے جو سکون نظر آیا تھا وہ قابل رشک تھا۔

احمد جاوید نے ذرا رک کر اپنے ملاقاتی کا غور سے چہرا دیکھ کر اس کے ردِ عمل کو بھانپنے کی کوشش کی۔ یہ ردِ عمل اس کی منشا کے عین مطابق تھا۔

میں نے قیام امریکہ کے دوران ہی اپنے ہاں اولڈ ایج ہوم بنانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ میرے محترم! آپ اس حقیقت سے بہ خوبی واقف ہوں گے کہ سن رسیدہ افراد کو بڑے سکون کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ان بے چاروں کو نہیں ملتا۔ اسی ضرورت کو مدِ نظر رکھ کر میں نے زرِ کثیر صَرف کر کے ایک بہت آرام دہ اور ہر لحاظ سے مکمل ہوم بنالیا ہے۔ اخراجات کے لیے بڑی معمولی رقم مقرر کی ہے۔

کتنی؟" اس نے پوچھا۔

صرف ایک ہزار ماہانہ جو ہوم کی سہولتوں کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔

ٹھیک اور کچھ۔

اور کچھ؟ بس آپ چلیے میرے ساتھ، میں آپ کو ہوم دکھادوں۔

چائے پینے کے دس منٹ بعد وہ احمد جاوید کے ساتھ ایک خوب صورت، سجے سجائے کمرے میں کھڑا تھا۔ اس کمرے میں سب کچھ موجود تھا۔ صوفہ سیٹ، کرسیاں، میز، تپائیاں، بک شیلف، الماریاں، فرش پر قالین، دیواروں پر رنگا رنگ تصویریں، ایک طرف وال کلاک۔ احمد جاوید نے مزید سہولتوں کی تشریح کی۔

ایک ملازم اور ایک ملازمہ خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ گھنٹی بجائیے۔ ایک منٹ میں موجود۔ ناشتا، کھانا وقت پر اور کیا چاہیے پُر سکون زندگی کے لیے؟

اسے کمرا بہت پسند آیا۔

اور کمرے بھی ہوں گے اور ان میں۔

احمد جاوید بات سمجھ گیا۔

اور کمرے ضرور ہیں مگر جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ابھی اس سسٹم کی ابتدا ہوئی ہے۔ لوگ آتے جائیں گے اور ایک دن یہ ہوم واقعی اولڈ ایج ہوم بن جائے گا۔

تو ابھی صرف میں؟

احمد جاوید نے جواب دیا۔

آپ کی طرح ایک صاحب آئے تھے۔ بے حد مطمئن اور خوش تھے۔ افسوس انھیں ایک پرانی بیماری نے کچھ زیادہ مدت خوشی سے زندگی بسر کرنے نہ دی۔ فوت ہو گئے۔

اس دن دوسرے پہر وہ اپنی کتابیں ترتیب کے ساتھ رکھنے، کمرے کے فرنیچر کا اچھی طرح جائزہ لینے، نوکر اور نوکرانی سے تعارف ہونے میں گزر گیا۔ نوکر کا نام بخشو تھا اور نوکرانی رشتے میں اس کی خالہ تھی جس کا نام ہاجرہ تھا۔ ہاجرہ نے بڑے سلیقے سے چائے کی ٹرے اس کے آگے تپائی پر رکھی تھی اور خود مؤدب ہو کر ایک طرف کھڑی ہو گئی تھی۔

بس جاؤ۔

جی کوئی حکم؟

نہیں کوئی نہیں۔

کتنی تربیت یافتہ نوکرانی ہے۔ اسے اپنی بہو یاد آ گئی۔ جو اس کے ایک مرتبہ کہنے پر اول تو چائے بھیجتی ہی نہیں تھی۔ دو تین بار کہتا تھا تو کوئی بچہ چائے لے کر آجاتا تھا جو کافی ٹھنڈی ہوتی تھی۔ دو تین گھونٹ بھر کر وہ پیالی ہاتھ سے رکھ دیتا تھا اور جب سیر کے لیے باہر جاتا تھا تو کسی ریستوران میں بیٹھ کر خوش گوار ماحول میں چائے پی لیتا تھا۔ چائے پینے کے بعد اس نے کھڑکی کا پٹ کھول کر فضا میں دیکھا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ اس روز فضا کچھ بدلی بدلی لگتی تھی۔ ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکوں نے اس کے ماتھے کو چھُوا تو اسے ایک نئی لذت کا احساس ہوا۔

خواہ مخواہ اتنا وقت اس منحوس گھر میں بتایا۔ کاش اس ہوم کا علم ریٹائرمنٹ کے وقت ہی ہو جاتا۔

اس نے سرد ہوا میں لمبا سانس لے کر سوچا۔ شام کو کمرے سے باہر نکلا اور سیر کو روانہ ہو گیا۔ گھنٹا بھر اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد کمرے میں آ گیا۔ احمد جاوید کرسی میں بیٹھا اس کا منتظر تھا۔

ویلکم سر!" تعظیماً اس نے اٹھ کر کہا۔

شکریہ۔

میں صرف یہ پوچھنے حاضر ہُوا ہوں کہ کسی قسم کی دِقت۔ کوئی تکلیف؟" احمد جاوید نے کرسی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

جی بالکل نہیں۔ بہت خوش ہوں۔

آپ یہاں ہمیشہ خوش ہی رہیں گے۔ جلد ہی ایک صاحب آجائیں گے۔ تنہائی نہیں رہے گی۔

کوئی صاحب آنے والے ہیں؟ اس کا سوال تھا۔

جی ہاں۔ انھیں بھی بڑھاپے میں سکون کی تلاش ہے۔ جلد جلد اپنے معاملات نپٹا رہے ہیں۔ بڑے خوش مزاج آدمی ہیں۔ امریکا میں بھی کئی سال گزار چکے ہیں۔ یہ آپ کے ساتھی بنیں گے۔

بہت خوب۔

اور احمد جاوید شب بہ خیر کہہ کر چلا گیا۔

رات کا کھانا آگیا۔ سادہ کھانا تھا مگر مزے دار۔ کھانا کھا کر اس نے چائے منگوائی اور اس سے فارغ ہو کر کچھ دیر ایک کتاب کا مطالعہ کیا اور بستر پر لیٹ گیا۔

یہی سکون ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ خوش قسمت ہوں کہ میرا خواب پورا ہو گیا ہے۔

وہ جب تک جاگتا رہا، ایسے ہی خوش آئند تصورات اس کے ذہن پر چھائے رہے پھر وہ سو گیا۔ صبح اٹھا تو اس کا جی بے اختیار چاہا کہ کچھ گنگنائے

خدا جانے یہ کس کو دیکھ کر دیکھا ہے دنیا کو
کہ جو شے ہے نگاہوں کو حسیں معلوم ہوتی ہے

دوسرا مصرع وہ بار بار گنگناتا رہا۔ ملحقہ غسل خانے میں وہ نہایا دھویا۔ نکلا تو چائے کی ٹرے تپائی پر رکھی ہوئی تھی۔

یہ سہولت اس منحوس گھر میں کہاں تھی؟

چائے پی کر وہ کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔

فضا میں روشنیاں اُترتی چلی جا رہی تھیں۔ بازاروں اور سڑکوں پر زندگی جاگ اٹھی تھی۔ بچے دو دو تین تین کی ٹولیوں میں مدرسوں کو جا رہے تے۔ اسے اپنے پوتے اور پوتیوں کا خیال آگیا۔

"بد تمیز کہیں کے۔" اور وہ کھڑکی سے الگ ہو گیا۔

سکون کے دن تھے۔ سکون کی راتیں تھیں اور وہ خود کو ایک ایسا پنچھی محسوس کرتا تھا جو پنجرے کی قید سے رہائی پا کر فضا کی وسعتوں میں پوری آزادی کے ساتھ اڑ رہا ہو۔ ایک ہفتہ بیت گیا۔ ایک اور ہفتہ بیتا اور وہ شام کی چائے پی کر سیر کے لیے جانے ہی والا تھا کہ اماں ہاجرہ نے اوپر آکر اسے اطلاع دی کہ آپ کے گھر والے آئے ہیں۔

کیا ہے۔ آگئے ہیں تو ہُوا کیا ہے۔ مجھے واپس لے جانے سے تو رہے۔ چلے جائیں گے تھوڑی دیر بیٹھ کر۔

بلا لو۔

اس کا بیٹا، بہو اور پوتا اور پوتیاں آگئیں۔ بہو نے پھل کی ٹوکری اٹھا رکھی تھی۔

السلام علیکم ابو! السلام علیکم بابا جی! دادا جان! السلام علیکم۔

آوازیں بلند ہوئیں۔ اس نے سر کی جنبش سے جواب دیا اور ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میاں بیوی صوفے پر اور بچے نیچے بیٹھ گئے۔

ابو آپ یہاں خوش ہیں؟" اس کے بیٹے نے سوال کیا۔

بہت خوش ہوں۔ بہت مطمئن ہوں۔

اچھا!بڑی اچھی بات ہے۔ ہمیں دُکھ ہے کہ آپ کو خوش اور مطمئن نہیں کر سکتے تھے۔ "بیٹے کے لہجے میں دبا دبا دکھ تھا۔

باباجی اِسے کیا کہتے ہیں؟ "بہو نے پوچھا۔

اولڈ ایج ہوم۔

اول۔۔۔ "بہو کی زبان پر پہلا لفظ ہی نہ آسکا۔

یہ ہوتا کیا ہے باباجی؟

اِس نے گلو خلاصی کے لیے دونوں ہاتھ لہرائے: تم نہیں سمجھ سکتیں۔

بیٹے نے باپ کو پھل کی ٹوکری دی۔

مجھے یہاں کسی شے کی کمی نہیں ہے۔ سب کچھ مل جاتا ہے۔ لے جاؤ بچوں کے لیے۔

نہیں ابو! یہ آپ کے لیے لائے ہیں۔

باپ نے بیٹے کی طرف ٹوکری بڑھادی تھی۔

اس دوران میں بچوں نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ دادا محمود کی طرف دیکھتا تھا تو وہ فوراً اپنا سر جھکا لیتا تھا۔ یہی حال اس کی بہنوں کا بھی تھا۔

کتنی چالاکی سے تمیز داری کا ڈراما کر رہے ہیں؟" یہ سوچ کر وہ خود ہی مسکرا پڑا۔

گھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ کون کون اسے ملنے کے لیے گھر آیا اور اسے کیا بتایا گیا۔ ہم سایوں کے سامنے اس کے بارے میں کیسی کیسی غلط بیانی کی گئی۔ یہ سب کچھ اسے بتایا گیا

خبر دار! کسی کو بھی یہاں کا علم نہ ہو۔" اس نے تاکیداً کہا۔

جی! ابو ہم نے کسی کو نہیں بتایا۔ آپ نے جو کہ دیا تھا۔

ٹھیک ہے!

وہ جانے لگے تو بیٹے نے ایک بڑا سا لفافہ باپ کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ وہ خط تھے جو اس کے نام اس کی عدم موجودگی میں آئے تھے۔ اس کے چلے جانے کے بعد اس نے لفافے سے خط نکالے اور ایک کو پڑھنے لگا۔ ایک خط کتابوں کی ایک دکان سے آیا تھا جس میں اسے NEW ARRIVALS کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی۔ دوسرا خط اس کے پرانے دفتر کی یونین کے سیکرٹری کی طرف سے تھا جس میں اس سے درخواست کی گئی تھی کہ اپنے پرانے ساتھی فیروز دین کی الوداعی پارٹی میں شامل ہو کر ممنون فرمائے۔ دو خطوں میں اس کے دوستوں نے اپنے بیٹوں کی شادی پر اسے مدعو کیا تھا۔

کتابوں کی دکان والا خط اس نے تکیے کے نیچے رکھ لیا اور باقی پھاڑ کر ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیے۔

اب میرا اِن لوگوں سے کیا تعلق واسطہ؟

ایک مہینا گزر گیا۔ نوکر اور نوکرانی نے اپنی ذمے داریوں میں کبھی کسی قسم کی بے قاعدگی نہیں کی تھی۔ مگر اس روز صبح کی چائے چھ بجے کی بہ جائے ساڑھے سات بجے ملی۔

معاف کرو باباجی!" ہاجرہ نے خود ہی کہنا شروع کر دیا: چائے دیر سے ملی۔ دیر سے جو آئی ہوں۔

اچھا!" اس نے ہاجرہ کے الفاظ کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

وہ جی۔ بیمار ہو گیا تھا۔

کون بیمار ہو گیا تھا؟" اس نے یوں ہی سوال کر دیا اور چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

جی اوہ میرا پوتا جی۔ بڑی فکر ہے جی۔ بیمار ہی چھوڑ کر آئی ہوں۔ میرا دھیان اسی میں لگا ہوا ہے۔ دعا کریں بزرگ ہیں۔ ٹھیک ہو جائے۔

وہ گھونٹ گھونٹ چائے پیتا رہا اور وہ ملتجیانہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

دعا کریں گے ناں۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ناشتا تھوڑی دیر بعد یا ابھی؟" ہاجرہ نے ٹرے اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

تھوڑی دیر بعد۔

اور یہ الفاظ سن کر وہ چلی گئی۔

وہ جب کھڑکی کی طرف جا رہا تھا تو اسے اپنے پوتے کا خیال آ گیا اور اس کے ساتھ ہی پوتے اور پوتیوں کے چہرے اس کے سامنے آ گئے۔

"اس روز کتنے مؤدب ہو کر یہاں بیٹھے تھے۔" وہ مسکرانے لگا۔

دھوپ پھیل چکی تھی۔ بازاروں میں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ اس کی نگاہیں ڈور سکول کی عمارت پر پڑیں۔ بچے قطاروں میں کھڑے تھے، دعا کر رہے ہوں گے۔ وہی دعا جو اس کا پوتا اور پوتیاں گھر آ کر کبھی کبھی اسے سنایا کرتی تھیں۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

وہ کھڑکی میں کھڑا رہا۔ قریب کمرے کے اندر شور ہوا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ یہ بخشو تھا جو ناشتا لے کر آیا تھا۔ بیڈ ٹی اور ناشتا ہاجرہ ہی لایا کرتی تھی۔ ناشتے کے بعد بخشو حقہ تازہ کر کے لاتا تھا۔ ناشتا لانا اس کی ڈیوٹی میں شامل نہیں تھا۔

ہاجرہ کہاں ہے؟" اس نے کھڑکی سے الگ ہوتے ہوئے پوچھا۔

اسے اپنے پوتے کا بڑا فکر ہے۔ گھر چلی گئی ہے۔

زیادہ بیمار ہو گیا ہے۔

کہتی تھی بڑا کمزور ہو گیا ہے۔

وہ کرسی میں بیٹھ کر ناشتا کرنے لگا۔ چند منٹ گزرنے پر بخشو حقہ لے آیا۔

تازہ اخبار لے آؤں بازار سے؟

نہیں میں خود لے آؤں گا۔

ناشتا کرنے کے بعد وہ بڑے اطمینان کے ساتھ حقے کے کش لگاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ کش لگا رہا تھا اور جلد باہر نکلنا چاہتا تھا۔ اخبار خرید کر وہ اپنی منزل متعین کیے بغیر چلتا گیا۔ اخبار کی بڑی خبریں وہ کسی باغ میں بیٹھ کر پڑھتا تھا۔ اس روز بھی ایک باغ کے اندر بنچ پر بیٹھ گیا۔ ایک دم شور بپا ہونے لگا۔ اس نے سامنے دیکھا۔ لڑکے آدھی چھٹی کے وقت خوش خوش شور مچاتے ہوئے اپنی اپنی کلاسوں سے نکل رہے تھے۔ اسے سکول کی عمارت شناسا محسوس ہوئی اور دوسرے ہی لمحے اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اس سکول کے پاس بیٹھا ہے جس میں اس کا پوتا اور پوتیاں پڑھتی ہیں۔

پتا نہیں میں یہاں کیسے آ گیا۔

وہ اخبار سرسری طور پر دیکھنے لگا۔ چند منٹ میں سارا اخبار دیکھ لیا۔ اُٹھا تو اس کے پاس وہ تینوں کھڑے تھے۔

تم!

تینوں نے بہ یک وقت اثبات میں سر ہلا دیے۔

ٹھیک ہو؟

پھر اسی طرح سر ہلنے لگے۔

دادا ابو جی۔ ہم۔

کبھی۔۔۔ دادا ابو جی۔۔۔ "کلثوم بس اتنا کہہ سکی۔

نرگس نے کچھ نہ کہا صرف اپنا سر ہلاتی رہی۔

کیا یہ وہی بچے ہیں جنھوں نے اسے اس قدر پریشان کر دیا تھا۔ اب کہنا کیا چاہتے ہیں؟

آدھی چھٹی کا وقت ختم ہو گیا تھا۔ سکول کی گھنٹی اس کا اعلان کر رہی تھی۔

جاؤ اپنی کلاسوں میں!

اور وہ باغ سے باہر نکلنے لگے۔ باہر نکل کر وہ بغیر ارادے کے رک گیا اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ وہ تینوں ابھی تک وہیں کھڑے تھے اور اسے دیکھ رہے تھے وہ واپس پہنچا۔ بخشو کمرے کی صفائی کر چکا تھا۔

جناب! یہ آپ کا ہے؟" بخشو کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔

'صفائی کرتے ہوئے وہاں سے ملا ہے۔" بخشو نے کمرے کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا۔

نہیں۔ میرا تو نہیں۔ دکھاؤ!

اس نے لفافہ لے لیا۔

شاید یہ ان صاحب کا ہے جو پہلے یہاں رہتے تھے۔

وہ بابا جی! بے چارے یہیں مر گئے تھے۔" بخشو نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"کھانا کتنے بجے جی؟ ہاجرہ نہیں ہے نا۔ میں بھی پکا لیتا ہوں جی۔

جب پکا چکو تو لے آنا۔

بخشو چلا گیا۔ وہ کرسی میں بیٹھ گیا تھا۔ لفافہ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ لفافے پر پتا درج تھا:

برخوردار الطاف احمد!

مکان نمبر ۱۳۱۔ ڈی۔ محلہ ست رنگاں، اندرون موچی گیٹ، لاہور

یہ الطاف احمد کون تھا؟ برخوردار کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط لکھنے والے کا کوئی چھوٹا عزیز ہو گا۔ ممکن ہے بیٹا ہو تو اس نے بیٹے کو کیا لکھا تھا اور یہ خط پوسٹ کیوں نہیں ہوا تھا۔ یہیں کیوں پڑا رہا؟

ایسے سوالات نے اس کے ذہن کا احاطہ کر لیا تھا۔

اب وہ تو ہے نہیں جس نے خط لکھا تھا۔ دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟" اس نے لفافہ کھولنے کے لیے جواز تلاش کر لیا۔
ذرا سی ہچکچاہٹ۔۔۔ اور پھر لفافہ چاک ہو چکا تھا۔ وہ پڑھنے لگا۔ وہ پڑھنے لگا۔ الفاظ ٹیڑھے میڑھے تھے۔ لگتا تھا لکھنے والے کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔

میرے عزیز بیٹے!

تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ چار دن سے میری حالت کافی خراب ہو گئی ہے۔ ہارٹ بار بار سِنک کرتا ہے۔ زندگی سے اب مایوسی ہی مایوسی ہے۔ میرے عزیز اور پیارے بیٹے! تمھاری ماں کے انتقال کے بعد میں بُری طرح یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ بالکل بے آسرا اور بے سہارا ہو گیا ہوں۔ مجھے تم سے، تمھاری آپا سے یہ شکایت ہو گئی تھی کہ تم لوگ میری پروا نہیں کرتے۔ تم لوگوں کا سارا وقت اپنے بچوں، دوستوں اور سہیلیوں کے لیے وقف ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کا ردِ عمل یہ ہوا تھا کہ میں اپنے گھر سے بیزار ہو گیا تھا۔ چاہتا تھا کہ یہاں سے نکل بھاگوں۔ انھی دنوں احمد جاوید سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے بتایا کہ امریکہ میں اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں "اولڈ ایج ہوم" بوڑھوں کے لیے ایک جنت ہوتی ہے جس میں رہنے والے بڑی پُرسکون زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس نے اسی طرز کا ہوم بنا لیا تھا اور میں اس کی باتوں سے متاثر ہو کر اس کے ہوم میں آ گیا تھا۔

یہ چند ہفتے جو میں نے یہاں گزارے ہیں میرے لیے عارضی سکون لے کر آئے تھے۔ بیٹا! جب سے بیمار ہوا ہوں۔ تم سب لوگ مجھے بہت یاد آ رہے ہو۔ اپنے کنبے کی جدائی مجھ پر شاق گزرنے لگی ہے۔ الطاف بیٹے! اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں نے ایک بہت بڑی غلطی کی تھی۔ یورپ میں گھر کا کیا تصور ہے میں نہیں جانتا مگر ہمارا گھر تو ہماری چھوٹی سی ایک دنیا ہوتی ہے۔ جس میں رہنے والے ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہوتے ہیں کہ انھیں الگ الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ایک درخت کی طرح جس کی شاخیں زمین کے اندر ایک دوسرے سے گتھی ہوتی ہیں۔ ہمارے گھر بزرگوں کی شفقتوں، جوانوں کے قہقہوں اور بچوں کی معصوم مسکراہٹوں سے آباد رہتے ہیں۔ یہی سب کچھ ہماری زندگی کی رونق ہے۔ ہماری زندگی کی بہار ہے۔ اسی میں زندگی کا سارا حسن ہے۔ یہاں تنہائی مجھے اندر ہی اندر چاٹتی رہی ہے۔ مجھے اب اس کا علم ہوا ہے۔

میرے پیارے بیٹے! آؤ اپنے بیمار اور لاچار باپ کو اس گھر میں لے جاؤ جس میں اس کا حقیقی سکون ہے۔ آؤ الطاف! جلدی آؤ۔ میں تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔

یہ تحریر پڑھ کر اس کے اندر ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ وہ کرسی سے اٹھ بیٹھا اور ٹہلنے لگا۔ وہ کئی منٹ تک ٹہلتا رہا۔

بخشو آیا: "جناب کھانا لے آؤں؟

مجھے یہ بتاؤ یہ خط یہیں کیوں پڑا رہا؟

بخشو سوچ کر بولا۔

جناب! میں نہیں جانتا۔ اس نے ہاجرہ کو دیا ہو گا۔ وہ بھول گئی ہو گی۔

اس کے گھر سے کوئی آیا تھا؟

مرنے کے بعد اس کا بیٹا آیا تھا اور میت لے گیا تھا۔

وہ پھر کمرے میں پھرنے لگا۔

کھانا لے آؤں جناب؟" بخشو نے پوچھا۔

اس نے ملازم کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنی کتابیں اور کپڑے ایک طرف رکھنے لگا۔ بخشو اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

مشق

سننا

۱۔ شامل نصاب افسانے "اولڈ ایج ہوم" کے درج ذیل حصے کی ایک طالب علم بلند خوانی کرے جب کہ باقی طلبہ عمدہ سامع کے طور پر الفاظ جملوں، مصرعوں، شعروں، نظموں وغیرہ کے تلفظ، آہنگ لے، اور ردائے ئی سے شعوری طور پر لطف اندوز ہو سکیں۔

رات کا کھانا آگیا۔ سادہ کھانا تھا مگر مزے دار۔ کھانا کھا کر اس نے چائے منگوائی اور اس سے فارغ ہو کر کچھ دیر ایک کتاب کا مطالعہ کیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ یہی سکون ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ خوش قسمت ہوں کہ میرا خواب پورا ہو گیا ہے۔

وہ جب تک جاگتا رہا، ایسے ہی خوش آئند تصورات اس کے ذہن پر چھائے رہے پھر وہ سو گیا۔ صبح اٹھا تو اس کا جی بے اختیار چاہا کہ کچھ گنگنائے

خدا جانے یہ کس کو دیکھ کر دیکھا ہے دنیا کو
کہ جو شے ہے نگاہوں کو حسیں معلوم ہوتی ہے

دوسرا مصرع وہ بار بار گنگناتا رہا۔ ملحقہ غسل خانے میں وہ نہایا دھویا۔ نکلا تو چائے کی ٹرے تپائی پر رکھی ہوئی تھی۔

یہ سہولت اس منحوس گھر میں کہاں تھی؟

چائے پی کر وہ کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ فضا میں روشنیاں اُترتی چلی جا رہی تھیں۔ بازاروں اور سڑکوں پر زندگی جاگ اٹھی تھی۔ بچے دو دو تین تین کی ٹولیوں میں مدرسوں کو جا رہے تے۔ اسے اپنے پوتے اور پوتیوں کا خیال آگیا۔

بولنا

۲۔ درج ذیل علمی، ادبی اور صحافتی موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں صبح سکول کی اسمبلی میں درست تلفظ اور لب و لہجے کے ساتھ زبانی تقریر کریں:

i. فضائی آلودگی کے پھیلاؤ کی وجوہات اور اس کی روک تھام
ii. تعلیمی نظام میں سوشل میڈیا کے استعمال کی اہمیت

۳۔ افسانہ "اولڈ ایج ہوم" کے درج ذیل درمیانی حصے کی ایک طالب علم بلند خوانی کرے جب کہ باقی طلبہ اس اقتباس کو سن کر اپنے حافظے سے تسلسل کے ساتھ پورے افسانے کے اہم نکات بیان کریں۔

کتنی تربیت یافتہ نوکرانی ہے۔ اسے اپنی بہو یاد آگئی۔ جو اس کے ایک مرتبہ کہنے پر اول تو چائے بھیجتی ہی نہیں تھی۔ دو تین بار کہتا تھا تو کوئی بچہ چائے لے کر آ جاتا تھا جو کافی ٹھنڈی ہوتی تھی۔ دو تین گھونٹ بھر کر وہ پیالی ہاتھ سے رکھ دیتا تھا اور جب سیر کے لیے باہر جاتا تھا تو کسی ریستوران میں بیٹھ کر خوش گوار ماحول میں چائے پی لیتا تھا۔ چائے پینے کے بعد اس نے کھڑکی کا پٹ کھول کر فضا میں دیکھا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ اس روز فضا کچھ بدلی بدلی لگتی تھی۔ ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکوں نے اس کے ماتھے کو چھوا تو اسے ایک نئی لذت کا احساس ہوا۔ خواہ مخواہ اتنا وقت اس منحوس گھر میں بتایا۔ کاش اس ہوم کا علم ریٹائرمنٹ کے وقت ہی ہو جاتا۔

اس نے سرد ہوا میں لمبا سانس لے کر سوچا۔ شام کو کمرے سے باہر نکلا اور سیر کو روانہ ہو گیا۔ گھنٹا بھر اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد کمرے میں آ گیا۔ احمد جاوید کرسی میں بیٹھا اس کا منتظر تھا۔

پڑھنا

۴۔ افسانے "اولڈ ایج ہوم" کے متن کو فہم کے ساتھ پڑھ کر درج ذیل سوالات کے جوابات دیں:

الف۔ آخری سیڑھی اور اس کے کمرے کے درمیان کم و بیش دس گز کا فاصلہ اس کے لیے ایک بڑی آزمائش کا مرحلہ کیوں بن جاتا تھا؟

ب۔ پلنگ کی چادر پر مکھیاں کیوں بھنبھنا رہی تھیں؟

ج۔ دادا کو گھر کے اندر آتے دیکھ کر بچوں کا کیا ردِ عمل ہوتا تھا؟

د۔ احمد جاوید نے اولڈ ایج ہوم کے متعلق کیا بتایا تھا؟

ہ۔ ہاجرہ اولڈ ایج ہوم کیوں نہ آسکی تھی؟

و۔ الطاف کے نام خط میں کیا التجا کی گئی تھی؟

۵۔ شامل نصاب افسانے "اولڈ ایج ہوم" کے درج اقتباس کو تمام علامات اوقاف کا لحاظ رکھ کر پڑھیں۔

باپ نے بیٹے کی طرف ٹوکری بڑھادی تھی۔ اس دوران میں بچوں نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ دادا محمود کی طرف دیکھتا تھا تو وہ فوراً اپنا سر جھکا لیتا تھا۔ یہی حال اس کی بہنوں کا بھی تھا۔ کتنی چالاکی سے تمیز داری کا ڈراما کر رہے ہیں؟" یہ سوچ کر وہ خود ہی مسکرا پڑا۔

گھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ کون کون اسے ملنے کے لیے گھر آیا اور اسے کیا بتایا گیا۔ ہمسایوں کے سامنے اس کے بارے میں کیسی کیسی غلط بیانی کی گئی۔ یہ سب کچھ اسے بتایا گیا۔ خبردار! کسی کو بھی یہاں کا علم نہ ہو۔" اس نے تاکید اً کہا۔

جی! ابو ہم نے کسی کو نہیں بتایا۔ آپ نے جو کہہ دیا تھا۔ ٹھیک ہے! وہ جانے لگے تو بیٹے نے ایک بڑا سا لفافہ باپ کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ وہ خط تھے جو اس کے نام اس کی عدم موجودگی میں آئے تھے۔

لکھنا

۶۔ افسانہ "اولڈ ایج ہوم" پڑھ کر مصنف اور قاری کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

قواعد/زبان شناسی

۷۔ درج ذیل حروف فجائیہ کی شناخت کرتے ہوئے نشان دہی کریں۔

شاباش!	واللہ!	شاباش!
اوہو!	اے کاش!	ہائے ہائے!

سرگرمی

گھر یا محلے میں موجود بزرگوں سے ملاقات کریں اور ریٹائرمنٹ کے بعد کی زندگی کے معمولات کے متعلق ان کے احساسات اور تاثرات کو نوٹ کر کے ایک مضمون کی صورت میں تحریر کریں اور اپنے ساتھی طلبہ کو پڑھ کر سنائیں۔

۷ میرا گاؤں

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

بولنا
- مباحثوں، مذاکروں میں موضوع کے حق یا مخالفت میں حصہ لے سکیں۔

پڑھنا
- مختلف نثری اصناف ادب (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما اور ناول) پڑھ کر ان کے طرزِ تحریر سے آگاہ ہو سکیں۔
- عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں
- افسانوی اور غیر افسانوی انتخاب پڑھ کر اس میں موجود معلومات اخذ کرتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- مختلف مصنفین / شعرا کے ادب پارے پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کی اہمیت پر رائے دے سکیں۔
- عالمی ثقافتوں، معاشرتی، معاشی اور سماجی رابطوں کے لیے مختلف تحاریر کو پڑھ سکیں اور ان سے معلومات اخذ کر سکیں۔

لکھنا
- رسمی و غیر رسمی خطوط کی تحریری یا برقی (ای میل کے لیے) تشکیل کر سکیں۔

قواعد / زبان شناسی
- حروف (شرط و جزا، علت، اضراب، بیان اور تشبیہ) کو تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔

خاص الفاظ	اَینچ پینچ	پَرنتوں ۔	پگڈنڈی	جی للچانا
	خَراس	سفید پوش	سَنولاہٹ	کُندکارے

ہدایات برائے اساتذہ کرام

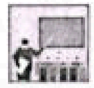

- سبق خوانی سے قبل طلبہ کو اردو ناول کے ارتقا اور اقسام سے آگاہ کریں ۔ بعد میں طلبہ کو مختلف دنوں میں غلام الثقلین نقوی کا ناول "میرا گاؤں" پڑھنے کے لیے دیں تاکہ ناول میں جس زمانے کے حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں طلبہ انھیں پڑھ کر لطف اندوز ہو سکیں۔
- طلبہ کو قدرت اللہ شہاب یا کسی اور مصنف کے بچپن کے حالات و واقعات (تاریخ) سے آگاہ کریں اور انھیں بتائیں کہ وہ کس طرح گزرے حالات و واقعات کا اپنے موجودہ حالات (عصری تناظر) سے موازنہ کر کے اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں؟

غلام الثقلین نقوی (۱۹۲۲ء۔ ۲۰۰۲ء)

غلام الثقلین نقوی ۱۲؍ مارچ ۱۹۲۲ء کو چوکی ہنڈن، نوشہرہ، ریاست جموں و کشمیر میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مرے کالج سیال کوٹ سے گریجویشن، سینٹرل کالج لاہور سے بی۔ ٹی کی ڈگریاں حاصل کیں اور پنجاب یونی ورسٹی سے ایم۔ اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہوئے۔ نومبر ۱۹۶۸ء سے اپنی سبک دوشی تک وہ گورنمنٹ کالج لاہور سے منسلک رہے۔ غلام الثقلین نقوی نے بہ یک وقت افسانہ، سفر نامہ، مضامین اور ناول کی صنف میں طبع آزمائی کی لیکن وہ افسانہ نگاری کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوئے۔ وہ حلقہ ارباب ذوق سے وابستگی رکھتے تھے۔ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کافی حد تک بسیار نویس تھے۔ متعدد اصناف میں طبع آزمائی کی اور شہرت و ناموری ناول "میرا گاؤں" سے حاصل ہوئی۔ آپ کی تصانیف میں بند گلی، شفق کے سائے، سرگوشی، نقطے سے نقطے تک (افسانوی مجموعے)، اک طرفہ تماشا ہے (مضامین کا مجموعہ)، بکھری راہیں، میرا گاؤں (ناول)، چاند پور کی نینا شیر زمان (ناولٹ)، چل بابا اگلے شہر (سفر نامہ) کے نام سرِ فہرست ہیں۔ غلام الثقلین نقوی ۶۔ اپریل ۲۰۰۲ء کو لاہور میں وفات پا گئے اور موضع بھڑتھ، ضلع سیال کوٹ میں سپردِ خاک ہوئے۔

پڑھیں

> **پڑھنے سے پہلے پوچھیں**
> - ناول کس قسم کی کہانی کو کہتے ہیں؟
> - ناول کس زبان وادب کے زیرِ اثر، اردو میں آیا؟

میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا جب ہمارے گاؤں میں آٹا پیسنے کی مشین لگی تھی۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو اَب تک میرے ذہن میں موجود ہے جیسے یہ کل کی بات ہو۔ یوں بھی زندگی کی سیدھی لکیر پر کوئی ننھا سا موڑ آجائے تو یوں لگتا ہے جیسے سفر کی ایک نئی منزل کا آغاز ہو رہا ہے اور میں جو زندگی کے سفر کا ایک معمولی سا راہی ہوں اور جس نے زندگی کے بہت کم اونچ نیچ دیکھے ہیں، اِس موڑ پر کچھ دیر کے لیے ضرور ٹھٹکا تھا اور اِس کے بعد سیدھی اور صاف پگڈنڈی کا رُخ ذرا سا بدل گیا تھا۔

اب تو میرے گاؤں میں پرائمری سکول قائم ہے لیکن میرے بچپن میں جب ابھی پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا، میں اپنے گاؤں سے تین میل دُور گل بہار میں پڑھنے کو جایا کرتا تھا۔ میں پڑھائی میں اچھا تھا اور میرے استاد مجھ پر مہربان تھے، اِس لیے بچپن کے اُس زمانے کی یادیں اب بھی تازہ ہیں۔ یادیں کڑوی ہوں یا میٹھی، تازگی اُنھی میں ہوتی ہے جو۔۔۔ نہ جانے کیا۔۔۔ آٹھویں جماعت پاس شخص کے پاس مناسب لفظ بھی کم ہوتے ہیں اور لوگ جب مجھے منشی عبدالرحمن کے نام سے پکارتے ہیں تو مجھے اپنی کم علمی پر شرم بھی آتی ہے لیکن میں جو بات کرنا چاہتا ہوں اُسے لفظوں کا لباس پہنانا بھی ضروری ہے۔ میرا مطلب ہے اگر مجھے تصویر کھینچنی آتی تو کڑوی یادوں کو میں زمین کے اُس ٹکڑے سے ظاہر کرتا جو ہرے بھرے کھیتوں سے الگ تھلگ نظر آتا ہے اور بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی جب اُس ٹکڑے میں اُگی جھاڑیوں سے گزرتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے اُس مایوس و نامراد بنجر ٹکڑے نے میری یادوں کو کڑوا بنا دیا ہو۔۔۔ یا اُنھی کھیتوں کے درمیان سنگتروں اور مالٹوں کا وہ باغیچہ بھی تھا جس کی خوش بُو اور جس کا رنگ اب تک میرے ذائقے میں مٹھاس گھولتا رہتا ہے اور اُس سے دُور شمال کی طرف نیلے پہاڑوں کی دیواریں ہیں۔ سردیوں کی بے داغ دھوپ میں نیلے پربتوں کی چوٹیوں پر برف چمکتی ہے تو بچپن کی ساری یادیں اب بھی نیلے آنچلوں کی طرح لہرانے لگتی ہیں۔

پر بات تو اسکول اور چکی کی ہو رہی تھی۔

اُس دن سکول سے واپسی پر میں نیلے پربتوں کی طرف منھ کیے بیٹھا تھا اور سکول کا کام کر رہا تھا۔ گھر پہنچ کر کام کرنے کا وقت نہیں ملا کرتا تھا۔ یوں بھی باغیچے میں بڑا سکون ملتا۔ چڑیاں چہچہاتیں اور تتلیاں اُڑتی پھرتیں۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ کوئی رنگ بہ رنگی چڑیا میرے سر کی اوپر کی شاخ پر بیٹھ کر مجھ سے ہم کلام ہو جاتی۔ ماہنے! اوماہنے!

کیا بات ہے سُنی!

ماہنے اوماہنے!

کچھ کہو بھی، نہیں تو مجھے کام کرنے دو۔

ماہنے! اوماہنے!

یہ تُو نے ماہنے! اوماہنے!! کی کیا رٹ لگا رکھی ہے؟ میں اونچی آواز میں کہتا اور چڑیا پُھر سے اُڑ جاتی۔

اور چند لمحوں بعد ایک تتلی اُڑتی ہوئی آتی اور میرے سامنے سبز گھاس کے ایک تنکے پر بیٹھ کر پھڑ پھڑانے لگتی۔ تتلی کچھ نہ بولتی، ممکن ہے۔ وہ بھی مجھ سے ہم کلام ہوتی ہو، پر میں اُس کی آواز سُن نہ سکتا تھا۔ میرا خیال ہے اُس کے پروں کی رنگ بہ رنگی پھڑ پھڑاہٹ میں کوئی آواز ضرور تھی اور اب جب میں قلم ہاتھ سے رکھ کر اس کے متعلق سوچ رہا تھا تو مجھے رنگ اُڑتے ہوئے نظر آئے اور آواز کا جادو میرے دل میں نغمے جگانے لگا۔

یکایک گاؤں کی طرف سے ڈھول پٹنے کی آواز آئی اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔

ڈھول کی آواز دُور سے بہت سہانی معلوم ہوتی ہے، خواہ مخواہ تال پر ناچنے کو جی چاہتا ہے جبھی تو اب جب کہ میری کنپٹیوں میں سفید بال آچکے ہیں اور میری عمر کے لوگ میلوں ٹھیلوں میں شریک ہونے سے ہچکچاتے ہیں، ڈھول کی آواز پر میرے پاؤں خود بہ خود حرکت میں آجاتے ہیں اور جب میرے پاؤں میرے جسم سے بالکل الگ تھلگ ہو جاتے ہیں تو مجھے اپنے آپ کو یہ کہہ کر روکنا پڑتا ہے۔ منشی عبدالرحمٰن! اب تیرے دن بھنگڑا ڈالنے کے نہیں اب تو۔۔۔ میں بات کو کہاں سے کہاں لے گیا۔ ڈھول کی آواز سنتے ہی میں نے کھدر کے بستے میں کتابیں لپیٹیں اور تال پر ناچتا ہوا تیز تیز گاؤں کی طرف دوڑا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں بھی ناچ رہا تھا اور گندم کے سرسبز کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی بھی میرے ساتھ ساتھ سو سو بل کھاتی ہوئی، ناچ رہی ہے۔

گاؤں کے مشرقی کونے پر لوگوں کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگا ہوا تھا۔ سارا گاؤں یہاں موجود تھا۔ بچے بھی، جوان بھی، بوڑھے بھی، لڑکیاں اور عورتیں بھی۔ جب میں بھیڑ میں داخل ہوا تو سب سے پہلے سُلی سے ملاقات ہوئی۔ ہم اُسے سُلی ہی کہتے تھے، حالاں کہ سکول کے رجسٹر میں، جب اُس کی حاضری بولی جاتی تو اُسے محمد سلیمان کے نام سے پکارا جاتا۔ آج وہ سکول سے غیر حاضر تھا۔ ماسٹر جی نے مجھے کہا تھا کہ اس کی غیر حاضری کی خبر اس کے باپ کو ضرور دے دوں۔ سُلی نے نئے کپڑے پہنے تھے اور ہجوم میں اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔

میں نے اُس سے کہا: چھوٹے سفید پوش، کل سکول میں تیری پٹائی ہوگی۔ میں چوہدری صاحب کو تیری غیر حاضری کی خبر ابھی دوں گا۔

"ضرور، ضرور!! اس نے ناک سکیڑ کر کہا: ماہنے! آج تو ضرور شکایت لگا کر دیکھ۔ تجھے بھی پتا ہے آج ہماری چکی پہلی بار چلے گی۔ آج ابا مجھے کچھ نہیں کہے گا۔"

سُلی میرا ہم عمر ہے، کوئی ایک سال ہی تو چھوٹا ہو گا مگر ہم دونوں سکول میں اکٹھے داخل ہوئے تھے اور داخلے کے وقت ہماری عمریں آٹھ نو سال سے کیا کم ہوں گی۔ سُلی تو خیر گاؤں کے نمبردار اور سفید پوش چوہدری شرف دین کا بیٹا تھا، اِس لیے گل بہار میں سکول کھلا تو چوہدری اُسے وہاں داخل کروا آیا تھا میرے داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا لیکن چوہدری کو خیال آیا کہ سُلی کا کوئی ساتھ بھی تو ہونا چاہیے۔ اس کی نظرِ انتخاب مجھ پر پڑی۔ میں اُن دنوں گاؤں کے مولوی جی کے پاس قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ مولوی جی کے نزدیک میں پڑھنے میں اچھا تھا۔ میرے باپ سے اُنھوں نے بھی سفارش کی اور چوہدری بھی ہمارے گھر آیا۔ میرے باپ نے بہتیرا انکار کیا پر وہ نہ مانا۔

میرے باپ نے کہا: چوہدری! ماہنا میرا پہلوٹھی کا بیٹا ہے۔ اب وہ میرا ہاتھ بٹانے لگ گیا ہے۔ بیل ہانک لیتا ہے، چارا کاٹ لیتا ہے، کیارا موڑ لیتا ہے۔ پڑھنے لکھنے میں لگ گیا تو میرے کام کا نہیں رہے گا۔ بس دین اسلام کی کچھ کچھ خبر لگ جائے اُسے تو کافی ہے کیوں مولبی جی۔

بات تو تمھاری ٹھیک ہے چوہدری موج دین! پر بڑے چوہدری کو ناراض کرنا بھی اچھا نہیں۔

موج دینا! اتنا تو خیال کر، میں تیرے پاس چل کر آیا ہوں۔ چوہدری نے کہا۔

تیرا آنا میرے سر ماتھے پر چوہدری، پر ماہنے نے پڑھ لکھ کر کون سا پٹواری بن جانا ہے۔

میرا تیرا خدا ضامن ہے، ماہنا پڑھ گیا تو میں اُسے پٹواری ضرور بنوا دوں گا۔ آخر میں سفید پوش ہوں، تحصیل کچہری میں میرے جاننے والے بہت سے ہیں۔ میری اتنی سی بات بھی نہ مانی جائے گی بھلا!!!

نہیں چوہدری! میرے باپ نے کہا: کوئی اور کام بتا، میں نہ کروں تو بلا شک دوش دینا۔

موج دین!"

سفید پوش کا بدلا ہوا لہجہ سن کر میرا باپ کچھ گھبرا سا گیا۔

کہو چوہدری!"

نالے کے کنارے والے تین کھیتوں کا ٹھیکا اِس سال مجھے پورا وصول نہیں ہوا۔

ہاں چوہدری، نہیں ہوا۔ نالے میں اِتنا پانی نہیں آیا تھا۔ اِس سال جھلار سارا سال بے کار رہی۔

میں نے اِس سال کا باقی ٹھیکا تمھیں معاف کیا۔ پر، اگلے سال کو جو میں زمین کسی اَور کو دے دوں تو تجھے انکار تو نہیں ہو گا موج دین؟

زمین تیری ہے چوہدری، میں کون ہوں، انکار کرنے والا؟ میرے باپ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

چوہدری جی! مولوی صاحب بولے: کل ماہنا سکول پہنچ جائے گا۔ کیوں چوہدری موج دین۔

مولبی جی! بڑے چوہدری کی بات کو میں کون ہوں ٹالنے والا؟ ماہنے کو مدرسے بھیجنے میں اِن نے اُس کا کچھ بھلا ضرور سوچا ہو گا۔ میرے باپ نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا۔

دوسرے دن میں سُلی کے ساتھ سکول پہنچ گیا اور اب چار سال سے میرا اور سُلی کا ساتھ تھا۔ پر ان چار سالوں میں میں اور سُلی دوست نہ بن سکے تھے۔ میں پڑھائی میں اس سے زیادہ ہوشیار تھا پر سُلی مجھے اپنے برابر نہ سمجھتا تھا۔ ہم ایک ہی برادری کے لوگ تھے۔ یہ اور بات ہے کہ سُلی کے باپ کے پاس ہم سے کہیں زیادہ زمین تھی۔ ہماری زمین تقسیم ہوتے ہوتے ایک دو کھیتوں میں بٹ گئی تھی۔ پہلا سال تو ہم دونوں اکٹھے مدرسے جاتے اور اکٹھے واپس آتے رہے۔ اگلے سال ہمارے گاؤں کے کچھ اور لڑکے بھی سکول میں داخل ہو گئے تھے۔ سُلی نے میرے ساتھ دوستی توڑلی اور وہ اُن لڑکوں کی ٹولی کا سردار بن گیا۔ پھر بھی سکول سے جو کام ملتا وہ سُلی مجھ سے زبردستی کرواتا رہا۔ ایک بار منشی جی نے ہم دونوں کی ایک جیسی لکھائی دیکھ کر ہمیں پیٹا تو میں نے سُلی کا کام چھوڑ دیا۔ مجھے پڑھنے کا شوق تھا تو سُلی کو کھیل کُود کا۔ سکول سے واپسی کے بعد وہ سارا وقت کھیل کُود میں گزار دیتا اور میں باغیچے میں بیٹھ کر مدرسے کا کام پورا کر لیتا اور تب گاؤں پہنچنے کے بہ جائے سیدھا اپنے کنوئیں پر پہنچتا اور کام کاج میں باپ کا ہاتھ بٹاتا سُلی اِس بات سے بہت چڑتا تھا۔

گاؤں میں کبھی کبھار ہنگامہ ہوتا ہے۔ چکی کا پہلی بار چلنا سارے گاؤں والوں کے لیے ایک میلے سے کم نہیں تھا۔ میں میلے میں کھو گیا تو مجھے بالکل یاد ہی نہ رہا کہ کنوئیں پر جا کر مویشیوں کے لیے چارہ کاٹنا ہے اور دودھ کا گڑوا، لے کر شام کو گھر پہنچنا ہے۔ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی یادیں دماغ میں کتنی پائیداری سے نقش ہو جاتی ہیں۔ میں میلے میں گھوم پھر رہا تھا اور بھانت بھانت کی باتیں سُن کر بڑا خوش ہو رہا تھا۔ چوہدری شرف دین لٹھے کا سفید تہمد اور لٹھے کا سفید کُرتا پہنے اُس کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا جس کے اندر انجن لگا تھا۔ اُس کی کف لگی پگڑی کا طرہ ہوا میں لہرا رہا تھا۔

چوہدری اُس دن بڑا با رعب لگ رہا تھا۔ یوں بھی سارے گاؤں میں وہی ایک شخص تھا جو ہمیشہ صاف ستھرے سفید کپڑے پہنتا اور اُن دنوں میرا خیال تھا کہ اُسے انھی کپڑوں کی وجہ سے سفید پوش کہا جاتا ہے۔

اس ہجوم کی دوسری بڑی شخصیت وہ مستری تھا جس نے چکی کا انجن چلانا تھا۔ یہ مستری شہر سے آیا تھا وہ بوسکی کی قمیض اور پھانتوں والا پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ اُس کی ننھی ننھی مونچھیں بڑی صفائی سے ترشی ہوئی تھیں، اس کے پاؤں میں زری کے چپل تھے اور اس کی واسکٹ پر بھی زری کا کام ہوا ہوا تھا۔ سنہری دھوپ میں واسکٹ کے پھول جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔

نہ جانے کیوں بابا نتھو اس بھیڑ میں مجھے سب سے الگ تھلگ نظر آیا۔ بابا نتھو گاؤں کے مغربی کونے میں ایک کچے مکان میں رہتا تھا جس کے آنگن

میں اس کا خراس تھا۔ اس آنگن کے ایک کونے میں بکائن کا ایک درخت تھا جس کی چھتنار کا سایہ مجھے بڑا بھلا لگتا تھا۔ بابا نتھو خراس کا مالک تھا۔ لوگ اپنی اپنی جوگ لے کر آتے اور خراس سے دانے پیسوا کر لے جاتے۔ بابا نتھو کو پہاڑا مل جاتا۔ سردیوں میں دھوپ میں اور گرمیوں میں چھتنار کے سائے تلے اُس کی جھلنگا سی کھاٹ بچھی ہوتی اور پاس ہی اُس کی پوتی شیماں کھیل رہی ہوتی۔ شیماں مجھ سے یہی کوئی دو ایک سال چھوٹی ہوگی۔ پر وہ میرے ساتھ کھیل کر بہت خوش ہوتی تھی۔ جب اتوار کو یا کوئی اور چھٹی ہوتی تو میں اُس کے ہاں ریٹھے کھیلنے کے لیے چلا جاتا۔

اب میں ایک عرصے سے شیماں کے ہاں کھیلنے کو نہیں گیا تھا حالاں کہ شیماں کی پالی ہوئی بچھیا سے مجھے بہت پیار تھا۔ پر بات تو بابا نتھو کی ہو رہی تھی۔ میں نتھو سے شیماں اور شیماں سے حمیدا اس تک پہنچ گیا اور بچھیا ان دونوں کے بیچ میں کلول کرنے لگی۔ یاد کے ایک نقطے سے کتنی پگڈنڈیاں پُھوٹتی ہیں۔ قلم اٹھانے سے پہلے مجھے اس کا پتا نہیں تھا کہ میں کن کن بھول بھلیوں میں کھو جاؤں گا۔

میں بابا نتھو کے پاس جا کر چُپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

شیطان کا کرخانہ"۔۔۔ بابا نتھو بولا۔

میں نے سمجھا: بابا نتھو نے مجھے کچھ کہا ہے، میں نے بڑے بھولپن سے کہا، بابا! میں تو ماہنا ہوں۔

شیطان کا کرخانہ۔۔۔"

بابا شیطان یہاں کہاں سے آ گیا؟ میں نے ذرا چہک کر کہا۔

یہیں ہے ماہنے، یہیں ہے۔

کہاں ہے؟ میں نے چِڑ کر کہا۔

اس کمرے کے اندر نہ جانے چوہدری کو کیا سوجھی کہ شیطان کا چرخا اس گاؤں میں لے آیا۔ لوگ میلہ دیکھنے آئے ہیں۔ ہُوں، میلہ !!!! ابھی شیطانی چرخا چلے گا۔ گھرر گھرر۔۔۔ اور پھر دیکھنا کیا ہوگا۔ گاؤں سے ساری برکت اُٹھ جائے گی۔ کبھی شیطان بھی انسان کا دوست بنتا ہے؟؟؟

پر بابا! یہ تو آٹا پیسنے کی چکی ہے۔ گل بہار میں تو کئی سالوں سے یہ چکی چل رہی ہے۔ وہاں تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں نے دانا بنتے ہوئے کہا۔

لڑکے! میں بھی جانتا ہوں۔ پر اس کے چلانے کو نہ بیل جُتتے ہیں، نہ گدھے گھوڑے پھر شیطان کے سوا اور کون ہے۔ جو اسے چلاتا ہے؟

مجھ سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو بابا نے کہا: بول ماہنے، کون چلاتا ہے چکی کے پاٹوں کو۔ میں کِھلکھلا کر ہنس پڑا۔ وہ مستری اور کون؟

مستری انسان ہے یا جِن؟

انسان"۔

میرے خراس کے پاٹ تو اس وقت گھومتے ہیں جب بیل مل کر زور لگاتے ہیں، اس چکی کے پاٹ تو ان سے کہیں بڑے ہیں ماہنے۔

مجھے تو نظر نہیں آ رہے۔۔۔"

جب وہ چھکڑے پر لے کر آئے تھے تو میں نے دیکھے تھے۔ اب بتا! شیطان کے سوا کون ہے جو انھیں چکر دے گا۔ سفید پوش اچھا بھلا آدمی تھا۔ نہ جانے اُسے کیا سُوجھا کہ گاؤں میں شیطانی چرخا لے آیا؟

اس اثنا میں شیماں بھی آ گئی۔

اُس نے پوچھا: ماہنے! تم اب ہمارے ہاں کیوں نہیں آتے۔"

پڑھائی لکھائی سے وقت ہی نہیں ملتا اور اب میں بڑا بھی تو ہو گیا ہوں۔"
کتنے بڑے ہو گئے ہو؟" بابا تھو نے مسکرا کر پوچھا۔
ایک دو مہینوں میں چوتھی پاس کر لوں گا تو تیرہ سال کا ہو جاؤں گا۔"
پھر کیا ہو گا؟"
میں اور پڑھوں گا اور پھر پٹواری لگ جاؤں گا۔"
تو اب تم ریشے کیلئے بھی نہیں آؤ گے ماہنے!!" شیماں نے پوچھا۔
نہیں؟"
گوری کو دیکھنے نہیں آؤ گے؟"
کون گوری؟"
بھول گئے ہو ہی بچھیا جو ہم نے پار سال لی تھی۔"
ہوں!! وہ بچھیا تو تم نے اس کا نام گوری رکھ دیا ہے۔"
گوری کو دیکھنے کے لیے میرا جی للچا گیا۔ میں کسان کا بیٹا ہوں۔ مجھے ڈھور ڈنگروں سے اب بھی پیار ہے اور اس وقت بھی وہ بچھیا کیا تھی؟ پارہ تھی پارہ۔۔۔ سارے آنگن میں کدکارے لگاتی پھرتی۔ سرخ رنگ۔۔ بے داغ چھریرا بدن۔۔۔ دو چار سال بعد وہ گاؤں کی سب سے زیادہ خوب صورت گائے بن جائے گی۔ تب میں نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہا: میں گوری کو دیکھنے آؤں گا شیماں پر چھٹی کے دن۔"
اور تب میری توجہ گاؤں کی طرف سے آنے والی عورتوں پر لگ گئی۔ ان کے سر پر گٹھڑیاں تھیں۔ سب سے آگے آگے چودھرائن تھی، پر اس کے سر پر گٹھڑی نہیں تھی۔ اس کے پیچھے حمیداں تھی جو گٹھڑی اٹھا کر ٹھمک ٹھمک چل رہی تھی۔ اپنے صاف ستھرے کپڑوں کی وجہ سے وہ باقی عورتوں سے الگ تھلگ معلوم ہو رہی تھی جب وہ چکی پر پہنچیں تو سفید پوش نے کہا: مستری تم انجن کو گرم کرو۔
مولوی جی!! بسم اللہ کیجیے اور اپنے ہاتھ سے دانے چھانے میں ڈالیے۔ چوہدری نے کہا۔ مولوی جی نے کچھ آیتوں کی تلاوت کرتے ہوئے حمیداں کی گٹھڑی اپنے ہاتھوں میں لی اور لکڑی کی دو سیڑھیاں چڑھ کر اوپر تختوں پر پہنچے اور مستری کی مدد سے دانے چھانے میں انڈیل دیے۔ دانے ڈالتے ہوئے مولوی جی کانپ رہے تھے اور سفید پوش مسکرا رہا تھا۔ جب نیچے سے آٹے کی دھار پیپے میں گرنے لگی تو چوہدری نے ہاتھ بڑھا کر آٹا اپنے ہاتھ میں لیا اور بے اختیار ہو کر کہا: کتنا باریک پس رہا ہے۔ میدہ ہے میدہ سُکی کی ماں!!
جی! چودھرائن نے کہا۔
آٹے کو ذرا مٹھی میں لے کر دیکھو تو۔"
چودھرائن نے آٹا مٹھی میں لیا اور انگلیوں سے مل کر دیکھا۔ اُس نے چہک کر کہا: بڑا باریک پس رہا ہے، تب حمیداں کی باری آئی، آٹا اس کی مٹھی میں آیا تو اُس کے چہرے کی ستلاہٹ مسکرا اٹھی۔ حمیداں کے بعد سُکی آگے بڑھا۔ مستری ایک گٹھڑی کے بعد دوسری چھانے میں انڈیلتا رہا۔

(میرا گاؤں)

مشق

بولنا

۱۔ اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ کی رہنمائی میں اپنے سکول میں "بین المذاہب ہم آہنگی" یا "تحفظِ اطفال" کے موضوع پر ایک مباحثہ یا مذاکرہ منعقد کرائیں جس میں مختلف سکولوں کے طلبہ کو شرکت کی دعوت دیں۔ اس مذاکرے یا مباحثے میں موضوع کے حق یا مخالفت میں خود بھی حصہ لیں۔

پڑھنا

۲۔ کسی عبارت میں موجود الفاظ کو زیر، زبر، پیش اور شد کی حرکات کی مناسبت سے پڑھنے کو درست تلفظ سے پڑھنا کہتے ہیں۔ اسی طرح عبارت میں موجود مختلف الفاظ پر موقعے اور تاثر کی مناسبت سے زیادہ زور دیا جاتا ہے اور کچھ الفاظ پر کم، جب کہ باقیوں کو روانی سے پڑھ دیا جاتا ہے۔ جذبات، احساسات اور تاثرات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے تاکہ پڑھی جانے والی عبارت روکھی پھیکی سی محسوس نہ ہو بلکہ سننے والوں پر ایک تاثر قائم کر سکے۔

درج ذیل عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجہ، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں اور دیے گئے سوالات کے جوابات دیں۔

اس کمرے کے اندر نہ جانے چوہدری کو کیا سوجھی کہ شیطان کا چرخا اس گاؤں میں لے آیا۔ لوگ میلہ دیکھنے آئے ہیں۔ ہوں میلہ !!! ابھی شیطانی چرخا چلے گا۔ گھرر گھرر۔ اور پھر دیکھنا کیا ہوگا۔ گاؤں سے ساری برکت اُٹھ جائے گی۔ کبھی شیطان بھی انسان کا دوست بنتا ہے۔

پر بابا! یہ تو آٹا پیسنے کی چکی ہے۔ گل بہار میں تو کئی سالوں سے یہ چکی چل رہی ہے وہاں تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں نے دانا بنتے ہوئے کہا۔

لڑکے ! میں بھی جانتا ہوں۔ پر اس کے چلانے کو نہ بیل جتتے ہیں، نہ گدھے گھوڑے پھر شیطان کے سوا اور کون ہے جو اسے چلاتا ہے؟

مجھ سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو بابا نے کہا: بول ماہنے، کون چلاتا ہے چکی کے پاٹوں کو۔ میں کر ہنس پڑا۔ وہ مستری اور کون؟؟ مستری انسان ہے یا جن؟

سوالات:

الف۔ بابا نے آٹا پیسنے کی مشین کو "شیطان کا چرخا" کیوں کہا؟

ب۔ بابا کے مطابق گاؤں سے برکت اٹھنے کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟

ج۔ یہ عبارت کن دو کرداروں کے درمیان ہے؟

د۔ بابا کے مطابق چکی کے پاٹوں کو کون چلاتا ہے؟ اور یہ بات کہاں تک درست تھی؟

۳۔ درج ذیل میں ایک افسانوی اور ایک غیر افسانوی انتخاب دیا جا رہا ہے۔ آپ ان دونوں کو پڑھیں اور ان میں موجود معلومات کو اخذ کرتے ہوئے ان کا موازنہ کریں اور اخذ شدہ معلومات پر آپس میں گفت گو کریں۔ دونوں مختلف اصناف نثر کے طرزِ تحریر سے آگاہی حاصل کریں۔

(۱)

مرزا سلیم کے ایک بھانجے مرزا شہ زور نو عمری کے سبب اکثر اپنے ماموں کی صحبت میں بے تکلف شریک ہوا کرتے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک تو وہ وقت تھا جو آج خواب و خیال کی طرح یاد آتا ہے اور ایک وہ وقت آیا کہ دہلی زیر و زبر ہو گئی۔ قلعہ برباد کر دیا گیا۔ امیروں کو پھانسیاں مل گئیں۔ ان کے گھر اُکھڑ گئے۔ اُن کی بیگمات ماما گیری کرنے لگیں اور مسلمانوں کی سب شان و شوکت تاراج ہو گئی۔ اِس کے بعد ایک دفعہ رمضان شریف کے مہینے میں جامع مسجد جانے کا اتفاق ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جگہ جگہ چولھے بنے ہوئے ہیں۔ سپاہی روٹیاں پکا رہے ہیں۔ گھوڑوں کے دانے دَلے جا رہے ہیں۔ گھاس کے انبار لگے ہوئے ہیں اور شاہ جہاں کی خوب صورت اور بے مثال مسجد، اصطبل نظر آتی ہے اور پھر جب مسجد واگزاشت ہو گئی اور سرکار نے اُس کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا تو رمضان ہی کے مہینے میں پھر جانا ہوا۔ دیکھا کہ چند مسلمان میلے کچیلے پیوند لگے کپڑے پہنے بیٹھے ہیں۔ دو چار قرآن شریف کا دَور کر رہے ہیں اور کچھ اِسی پریشان حالی میں بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ افطاری کے وقت چند آدمیوں نے کھجوریں اور دال سیو بانٹ دیے، کسی نے ترکاری کے قتلے تقسیم کر دیے۔ نہ وہ اگلا سا ساماں نہ وہ اگلی سی چہل پہل نہ وہ پہلی سی شان و شوکت۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ بے چارے فلک کے مارے چند لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان تو مسجد میں نظر ہی کم آتے ہیں۔ غریب غربا آئے تو اُن سے رونق کیا خاک ہو سکتی ہے؟ پھر بھی غنیمت ہے کہ مسجد آباد رہے۔ اگر مسلمانوں کے افلاس کا یہی عالم رہا تو آئندہ خبر نہیں کیا نوبت آئے

(۲)

اردو ہی پاکستان کی وہ واحد زبان ہے جو ہمارے کسی ایک علاقے کی زبان نہ ہوتے ہوئے بھی سبھی کی زبان ہے۔ پاکستان کے تمام علاقوں میں یکساں سمجھی، بولی، پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔ اس کے علمی و ادبی سرمائے میں پاکستان کے ہر علاقے کے باشندوں نے مقدور بھر اضافہ کیا ہے۔ کوئی علاقہ ایسا نہیں جہاں اردو کے شاعر اور ادیب موجود نہ ہوں۔ اِس زبان کی ہمہ گیری و ہر دل عزیزی کا اندازہ اس اَمر سے بھی لگا یا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے ہر صوبے کو دعویٰ ہے کہ اردو اُس کے ہاں پیدا ہوئی۔ اِس ضمن میں ہمارے محققین نے بڑا قابلِ قدر کام کیا ہے۔ پنجاب میں اردو، سندھ میں اردو، سرحد (خیبر پختون خوا) میں اردو اور بلوچستان میں اردو کے عنوانات کے تحت متعدد کتابیں اور طویل مضامین تحریر ہوئے۔ جن سے اردو زبان کی تاریخ کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں اس طرح مقامی زبانوں اور اردو کے لسانی روابط پر بھی خاصی تحقیق ہو چکی ہے۔

اردو ادب نے دیگر پاکستانی زبانوں کے ادب پر بھی گہرے اثرات ڈالے اِن زبانوں کی جدید نثر اور نظم میں اردو ادب سے خاصا استفادہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اِن زبانوں کا ادب، اردو ادب کو بھی متاثر کر رہا ہے۔ نہ صرف یہ کہ اِن زبانوں کے ادب کا ایک بڑا حصہ اردو میں منتقل ہو چکا ہے بل کہ اردو کے ذخیرہ الفاظ میں اِن زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے خوش گوار اضافہ بھی ہوا ہے۔ اردو میں اب وہ لب و لہجہ پیدا ہو رہا ہے جسے ہم خالصتاً پاکستانی لب و لہجہ کہہ سکتے ہیں۔ آئین کی رُو سے اردو پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان ہے۔ اِس زبان نے جہاں تخلیقِ پاکستان میں اہم کردار ادا کیا ہے وہاں یہ وطنِ عزیز کے مختلف علاقوں کے مابین رابطے کا اہم ذریعہ بھی ہے۔ یوں یہ زبان وحدتِ پاکستان کی ضامن بھی قرار پائی ہے۔

۴۔درج ذیل میں مختلف نثری اصناف (کہانی، ناول) کے اقتباسات دیے جارہے ہیں۔پہلا کہانی جب کہ دوسرا ناول کا اقتباس ہے۔آپ انھیں پڑھیں اور ان کے طرزِ تحریر سے آگاہ ہوں کہ کہانی کس طرح سادہ، سہل اور عام فہم انداز میں تحریر کی جاتی ہے جب کہ ناول؛ تاریخی ہو یا رومانوی، سیاسی ہو یا جاسوسی، میں اس کا اپنا ایک اسلوب پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔

(ا۔۔۔کہانی)

اِدھر چغل خور کو کسان کے ہاں ملازم ہوئے چھے ماہ بیت چکے تھے اور اب اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی سے کسان کی کوئی چغلی کھائے۔ وہ چھے ماہ سے اب تک اپنی اس عادت پر جبر کیے ہوئے تھا مگر اب معاہدے کی مدت ختم ہونے پر اپنے آپ پر قابو پانا اس کے بس میں نہ تھا، چنانچہ جب وہ اپنی عادت سے بالکل مجبور ہو گیا تو اس نے سوچا، اب چاہے کچھ ہو، میں کسان کی چغلی ضرور کھاؤں گا اور اب تو معاہدے کے مطابق میرا حق بھی ہے۔ایک روز کسان حسبِ معمول اپنے کھیتوں میں گیا ہوا تھا اور گھر میں اُس کی بیوی اکیلی تھی۔ یہ دیکھ کر چغل خور کسان کی بیوی کے پاس گیا اور بڑا ہمدرد بنتے ہوئے کہنے لگا: "اگر تم بُرا نہ مانو تو میں تم سے ایک بات کہوں؟"

(۲)

اب تو میرے گاؤں میں پرائمری سکول قائم ہے لیکن میرے بچپن میں جب ابھی پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا، میں اپنے گاؤں سے تین میل دُور گل بہار میں پڑھنے کو جایا کرتا تھا۔ میں پڑھائی میں اچھا تھا اور میرے استاد مجھ پر مہربان تھے،اِس لیے بچپن کے اُس زمانے کی یادیں اب بھی تازہ ہیں۔ یادیں کڑوی ہوں یا میٹھی، تازگی اُنھیں میں ہوتی ہے جو نہ جانے۔۔۔۔۔ آٹھویں جماعت پاس شخص کے پاس مناسب لفظ بھی کم ہوتے ہیں اور لوگ جب مجھے منشی عبدالرحمٰن کے نام سے پکارتے ہیں تو مجھے اپنی کم علمی پر شرم بھی آتی ہے لیکن میں جو بات کرنا چاہتا ہوں اُسے لفظوں کا لباس پہنانا بھی ضروری ہے۔

لکھنا

رسمی/غیر رسمی خط

مکتوب نگاری یا خطوط نویسی ایک ایسی صنفِ ادب ہے جس میں ایک انسان اپنے خیالات، جذبات و احساسات کا بے ساختہ اظہار کرنے میں آزاد ہوتا ہے۔ خطوط مختلف اقسام کے ہو سکتے ہیں جن میں شخصی خطوط، عمومی خطوط، رسمی خطوط، کاروباری خطوط، سرکاری یا دفتری خطوط وغیرہ اہم ہیں۔ رسمی خطوط؛ شادی بیاہ، سال گرہ کی تقریب یا علمی ادبی و ثقافتی تقریبات میں شرکت کی دعوت دینے کے لیے لکھے جاتے ہیں یعنی مختلف قسم کے دعوت ناموں کو رسمی خطوط کہا جاتا ہے۔ رسمی قسم کے مضمون کے حامل ان خطوط میں تمام مدعوئین کو ایک جیسے آداب و القابات سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ عزیز و اقارب اور دوست احباب کے نام لکھے گئے خطوط کو "غیر رسمی خطوط" کہا جاتا ہے۔ ایسے خطوط میں بے تکلفانہ اندازِ تحریر اختیار کیا جاتا ہے۔

۵۔رسمی خط کا ایک نمونہ جماعت نہم کی کتاب میں درج کیا گیا تھا۔اب ذیل میں غیر رسمی خط کا نمونہ دیا جارہا ہے۔

چچا جان کے نام تحفے کے شکریے کا خط

امتحانی کمرا

ا۔ب۔ج

۲۵/ مئی ۲۰۲۴ء

پیارے چچا جان!

السلام علیکم!

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ سال گرہ کی تقریب میں ہم سب بے چینی سے آپ کی آمد کے منتظر تھے کہ آپ اپنی موجودگی سے میری سال گرہ کی تقریب کو رونق بخشیں گے لیکن مجھے خاص طور پر دکھ ہوا جب مجھے پتا چلا کہ آپ اپنی دفتری مصروفیات کی وجہ سے نہ آسکیں گے۔

اگرچہ سال گرہ کی تقریب میں ہم تمام گھر والوں کو آپ کی خوش مزاج شخصیت کی کمی محسوس تو ہوئی لیکن میرے لیے تو آپ کی طرف سے ملنے والا سرپرائز بہت زیادہ خوشی کا باعث بنا جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے میری سال گرہ پر کلائی پر باندھی جانے والی ایک خوب صورت گھڑی کا تحفہ ارسال کیا ہے۔ میں اپنی خوشی کو الفاظ کی صورت میں بیان نہیں کر سکتا کیوں کہ گھڑی کی نہ صرف مجھے سخت ضرورت تھی بلکہ مجھے کلائی کی گھڑیاں پسند بھی بہت ہیں۔

گھڑی ملنے کے بعد اب میں اپنے معاملات میں وقت کی مزید پابندی بھی کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ امتحان کے دنوں میں پرچوں کو بروقت مکمل کرنے میں بھی کافی مدد ملے گی۔

اتنا خوب صورت، کارآمد اور قیمتی تحفہ بھیجنے کا ایک بار پھر شکریہ۔ چچی جان کی خدمت میں بھی سلام عرض ہے۔

والسلام

آپ کا بھتیجا

م۔ی۔ے

۶۔ اپنے دوست کو خط لکھ کر اس کے والد کی وفات پر تعزیت کا اظہار کریں۔

قواعد

حروف کی اقسام:

i۔ حروفِ شرط و جزا: وہ حروف جو کسی شرط کے لیے استعمال ہوں۔

مثلاً: اگر ورزش کرو گے تو صحت مند رہو گے۔

جب تک جھوٹ بولنا نہیں چھوڑو گے دنیا میں عزت حاصل نہیں کر سکتے۔

پاکستان ترقی کر ہی نہیں سکتا تاوقتیکہ سب لوگ ایمان داری کا مظاہرہ نہ کریں۔

اگر، اگرچہ، جب، جب تک، تاوقتیکہ، جوں ہی، حروفِ شرط ہیں۔

جس کام کے لیے شرط عائد کی گئی ہو اس کے ساتھ جزا کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

مثلاً: اگر ورزش کرو گے تو صحت مند رہو گے۔

اس مثال میں "تو" حرفِ جزا ہے۔

ii۔ حروفِ علت: کسی وجہ یا سبب کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہونے والے حروف، کیوں کہ، چوں کہ، تاکہ، لہٰذا، اس لیے

مثلاً: آج بارش ہو رہی تھی اس لیے احمد وقت پر نہ پہنچ سکا۔

چوں کہ وہ بیمار ہے اس لیے اسکول حاضر نہیں ہو سکتا۔

وہ لنگڑا کے چل رہا ہے کیوں کہ اُسے ایک حادثہ پیش آیا تھا۔

میں آج بہت مصروف ہوں لہٰذا آج ملاقات نہیں ہو سکتی۔

iii حروفِ اضراب: ایک بات کو ترقی دے کر اعلیٰ کو ادنیٰ یا ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دینے کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف

مثلاً: وہ انسان نہیں بل کہ حیوان ہے۔

اس مثال میں "بل کہ" حرفِ اضراب ہے۔

iv۔ حروف بیان: ایسے حروف جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیے جائیں۔

مثلاً: استاد محترم نے کہا کہ سب کھڑے ہو جاؤ۔

اس مثال میں "کہ" حرفِ بیان ہے۔

v حروف تشبیہ: یہ حروف ایک شے کو دوسری شے کی طرح بتانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

مثلاً: سلمان تو شیر کی طرح بہادر ہے۔

پانی تو برف کی مانند ٹھنڈا تھا۔

اس کے دانت تو موتیوں جیسے ہیں۔

مانند، مثل، طرح، سا، جیسا، بعینہٖ حروف تشبیہ ہیں۔

۷۔ درج ذیل حروف کی شناخت کرتے ہوئے ان کے جملے لکھیں۔

اگر، لیکن، اس لیے، بل کہ، مثل، چوں کہ

سرگرمیاں

۱۔ آپ اپنے گاؤں گئے ہوں گے اور گاؤں کی تہذیب و تمدن اور رہن سہن کا مشاہدہ بھی کیا ہو گا۔ دیہاتی اور شہری زندگی کی بُود و باش کے حوالے سے ایک ایک پیراگراف لکھتے ہوئے دونوں کے درمیان فرق واضح کریں۔

۲۔ معاصر چینی افسانے" مرتب و مترجم منیر فیاض (پبلشر: اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد) اپنے سکول کی لائبریری سے جاری کرائیں اور عالمی ثقافتوں، معاشرتی، معاشی اور سماجی رابطوں کے حوالے سے ان افسانوں کو پڑھیں اور ان سے معلومات اخذ کریں۔

۸ سر سید کا بچپن

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

پڑھنا
- عبارت کو اس کے اسلوب اور بیان کو پیش نظر رکھتے ہوئے خاص مقاصد کے لیے پڑھ سکیں۔
- مختلف مقاصد کے لیے مرتب کردہ دفتری اور عدالتی مواد (داخلہ فارم، اقرار نامے برائے تعلیمی اسناد، دعوت نامے، رسید برائے خریداری، تہنیت نامے، عرضی وغیرہ) پر مبنی متن پڑھ سکیں اور اس کے مقصد و تحریر کی اہمیت سے واقف ہو سکیں۔
- پڑھے گئے متن کے کسی حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار خیال کر سکیں۔

لکھنا
- منتخب اقتباسات (انگریزی سے اردو) کے اصل معانی و مفہوم اور مقاصد کو برقرار رکھتے ہوئے تراجم کر سکیں۔
- خاکہ نویسی / شخصیت نگاری (سنجیدہ / فکاہیہ) کر سکیں۔

قواعد / زبان شناسی
- جملے کی ساخت، بناوٹ، روزمرہ اور محاورے کے لحاظ سے غلط فقرات / جملوں کی درستی کر سکیں۔

خاص	اَشراف	بہ تدریج	جِنّا	چُنِید	خصلتیں
الفاظ	دِیوان خانہ	رَفتہ رَفتہ	رِیاضت	صَرِیح	گیڑیاں

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو ترجمے کی روایت اور اہمیت سے آگاہ کریں اور انگریزی سے اردو ترجمہ کرتے وقت پیش آنے والی مشکلات کی وضاحت اور انھیں دُور کرنے کے حوالے سے رہ نمائی کریں۔
- طلبہ کو مولوی عبدالحق کا لکھا ہوا خاکہ "نام دیو۔مالی" پڑھنے کے لیے دیں اور نام دیو کی شخصیت کے نمایاں پہلو لکھنے کا کہیں تاکہ طلبہ خود بھی خاکہ نگاری / مرقع نگاری کرنے کے اہل ہو سکیں۔

خواجہ الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء)

نام خواجہ الطاف حسین اور تخلص حالی تھا۔ مشرقی پنجاب کے ایک مشہور قصبے پانی پت میں پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں دہلی چلے گئے جہاں تحصیلِ علم اور مشقِ سخن میں مشغول ہوئے۔ یہیں میرزا غالب سے فنِ شعر میں اصلاح لی۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے اور بعد تک قدیم رنگ میں غزلیں کہتے تھے۔ مرزا غالب کی وفات کے بعد لاہور پہنچے اور گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازم ہو گئے۔ اس زمانے میں محمد حسین آزاد بھی لاہور میں تھے۔ یہاں انھوں نے انجمنِ پنجاب کے مشاعروں کے لیے نظمیں لکھنی شروع کیں۔ اِن نظموں میں "برکھارت"، "نشاطِ امید"، "حبِ وطن" اور "مناظرۂ رحم وانصاف" بہت مشہور ہوئیں۔

حالی اُردو شاعری میں مجدِّد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے انھوں نے ہی زُلف و رُخسار، گُل و بلبل اور ساقی و ساغر کی علامتوں سے نکل کر فطری اور ملی شاعری کی بنیاد رکھی۔ اُن کی شاعری اردو میں حقیقت نگاری اور جدیدیت کی عمدہ مثال ہے۔ سرسیّد کے ساتھ حالی قومی تحریک میں شامل تھے۔ حالیؔ قومی نظمیں اس تحریک کے زمانے کی یادگار ہیں جن میں ان کی مشہور نظم مدّو جزرِ اسلام، معروف بہ مسدسِ حالی بھی شامل ہے جو سادگی کا مرقع ہے اور اثر انگیزی میں اپنی مثال آپ ہے۔ انھوں نے رباعیات اور قطعات بھی لکھے، جن میں مقصدیت اور اخلاقیات کو موضوع بنایا گیا ہے۔

حالیؔ نظموں کی بڑی خوبی زبان اور بیان کی سادگی ہے۔ انھیں اُردو ادب میں کئی اعتبار سے انفرادیت حاصل ہے۔ وہ اُردو کے پہلے جدید شاعر ہونے کے علاوہ مقدمۂ شعر و شاعری کے حوالے سے اُردو کے پہلے نظریہ ساز نقاد بھی ہیں۔

پڑھیں

> **پڑھنے سے پہلے سوچیں**
> - اردو زبان و ادب میں سرسید احمد خان کی خدمات کیا ہیں؟
> - الطاف حسین حالی کی کسی ایک کتاب کا نام بتائیے۔

سرسید کے خاندان کا حال جس قدر کہ ہم نے لکھا ہے شاید ناظرین کتاب میں اِس کو ضرورت سے زیادہ خیال کریں لیکن بائیو گرافی کا اصل مقصد جو ہیرو کے اخلاق و عادات و خیالات کا دنیا پر روشن کرنا ہے۔ وہ اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک یہ نہ دکھایا جائے کہ ہیرو میں یہ اخلاق و عادات اور خیالات کہاں سے آئے؟ اور اُن کی بنیاد اُس میں کیوں کر پڑی؟ انسان میں کچھ خصلتیں جبلی ہوتی ہیں جو آباؤ اجداد سے بہ طور میراث کے اس کو پہنچتی ہیں اور زیادہ تر وہ اخلاق و عادات ہوتے ہیں جو بچپن میں نامعلوم طور پر وہ اپنے خاندان کی سوسائٹی سے اکتساب کرتا ہے اور جو رفتہ رفتہ اس درجے تک پہنچ جاتے ہیں جس کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو ٹل جائے لیکن آدمی اپنی جبلت سے نہیں ٹل سکتا۔ پس ہیرو کے خاندان کا حال؛ جس میں وہ پیدا ہوا اور اُس سوسائٹی کا حال؛ جس میں اُس نے نشوونما پائی، در حقیقت ہیرو کے اخلاق و عادات پر ایک ایسی روشنی ڈالتا ہے جس کے بعد کسی اور ثبوت کے پیش کرنے کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(ذیل میں سرسید احمد خاں کے بچپن کے حالات و واقعات پیش کیے جاتے ہیں تاکہ واضح ہو سکے کہ سرسید احمد خاں بچپن ہی میں کیسے اوصاف کے مالک تھے۔)

سرسید کا بچپن

سرسید کے پیدا ہونے سے پہلے اُن کی بہن صفیۃ النساء بیگم اور اُن کے بھائی سید محمد خاں پیدا ہو چکے تھے۔ سید محمد خان کی ولادت کے بعد چند برس تک اُن کے والدین کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اِس لیے سید احمد خاں کے پیدا ہونے کی، اُن کو نہایت خوشی ہوئی۔ سرسید سے چند مہینے پہلے اُن کے ماموں نواب زین العابدین خاں کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا؛ جس کا نام حاتم علی خاں تھا۔ سرسید اپنے خاندان کے اکثر بچوں کی نسبت زیادہ قوی اور توانا اور ہاتھ پاؤں سے تن دُرست پیدا ہوئے تھے۔ وہ اپنی ماں کی زبانی بیان کرتے تھے کہ جب اِن کے نانا دوسری بار کلکتہ سے دلی میں آئے اور اِن کو پہلی بار ہی دیکھا تو کہا کہ یہ تو ہمارے گھر میں جاٹ پیدا ہوا ہے۔ سرسید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بچپن میں جسمانی صحت اور فزیکل قابلیت کے سوا کوئی ایسی خصوصیت جس سے اُن کے بچپن کو معمولی لڑکوں کے بچپن پر بے تکلف فوقیت دی جاسکے، نہیں پائی جاتی تھی یعنی جیسا کہ بعض بچے ابتدا میں نہایت ذکی الطبع اور ہم جولیوں میں سب سے زیادہ تیز اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ سرسید میں کوئی اس قسم کا صریح امتیاز نہ تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے قوائے ذہنیہ کو محض دماغی ریاضت اور لگاتار غور و فکر سے بہ تدریج ترقی دی تھی اور اسی لیے اُن کی لائف کا آغاز معمولی آدمیوں کی زندگی سے کچھ زیادہ چمک دار معلوم نہیں ہوتا لیکن جس قدر آگے بڑھتے جایے اسی قدر اُس میں زیادہ عظمت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ہیرو کو معمولی آدمیوں کی سطح سے بالاتر کر دیتی ہے۔ اِسی لیے بعض حکما کی یہ رائے ہے کہ محنت سے آدمی جو چاہے سو ہو سکتا ہے۔

الغرض جب سرسید پیدا ہوئے تو اُن کے والد نے شاید غلام علی صاحب سے نام رکھنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحب ہی نے بڑے بھائی کا نام محمد رکھا تھا اور اِن کا نام احمد رکھا۔ سرسید کے دادا، اِن کے والد کی شادی ہونے سے پہلے قضا ہو چکے تھے اور یہ اُن کے بہن بھائی، شاہ صاحب ہی کو "دادا حضرت" کہا کرتے تھے۔ سرسید کہتے تھے کہ شاہ صاحب کو بھی ہم سب سے ایسی ہی محبت تھی جیسی حقیقی دادا کو اپنے پوتوں سے ہوتی ہے۔ شاہ صاحب

اکثر کہا کرتے تھے کہ گو خدا تعالیٰ نے مجھے اولاد کے جھگڑوں سے آزاد رکھا ہے لیکن متقی کی اولاد کی محبت ایسی دے دی ہے کہ اُس کے بچوں کی تکلیف یا بیماری مجھے بے چین کر دیتی ہے۔

- سرسید کو مسماۃ بھاگ بی بی نے؛ جو ایک قدم خیر خواہ خادمہ اُن کے گھرانے کی تھی، پالا تھا اس لیے اِن کو "ماں بی بی" سے نہایت محبت تھی۔ وہ پانچ برس کے تھے جب ماں بی بی کا انتقال ہوا۔ اُن کا بیان ہے کہ مجھے خوب یاد ہے۔ ماں بی بی چند گھنٹے پہلے فالسے کا شربت مجھ کو پلا رہی تھی۔ جب وہ مر گئی تو مجھے اُس کے مرنے کا نہایت رنج ہوا۔ میری والدہ نے مجھے سمجھایا کہ وہ خدا کے پاس گئی ہے۔ بہت اچھے مکان میں رہتی ہے۔ بہت سے نوکر چاکر اُس کی خدمت کرتے ہیں اور اُس کی زندگی آرام سے گزرتی ہے۔ تم کچھ بھی مت کرو۔ ہم کو اُن کے کہنے سے پورا یقین تھا کہ فی الواقع ایسا ہی ہے۔ مدت تک ہر جمعرات کو اُس کی فاتحہ ہوا کرتی تھی اور کسی محتاج کو کھانا دیا جاتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ سب کھانا ماں بی بی کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اُس نے مرتے وقت کہا تھا کہ میرا تمام زیور سید "کا ہے۔ اگرچہ میری والدہ اُس کو خیرات میں دینا چاہتی تھیں۔ ایک دن اُنھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اگر تم کہو تو یہ گہنا، ماں بی بی کے پاس بھیج دوں؟؟ میں نے کہا: ہاں بھیج دو۔ والدہ نے وہ سب گہنے مختلف طرح سے خیرات میں دے دیے۔

بچپن میں سرسید پر نہ تو ایسی قید تھی کہ کھیلنے کودنے کی بالکل پابندی ہو اور نہ ایسی آزادی تھی کہ جہاں چاہیں اور جن کے ساتھ چاہیں کھیلتے کودتے پھریں۔ اُن کی بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ خود اُن کے ماموں اُن کی خالہ اور دیگر نزدیکی رشتے داروں کے چودہ پندرہ لڑکے اُن کے ہم عمر تھے جو آپس میں کھیلنے کودنے کے لیے کافی تھے۔ اِس لیے اُن کو نوکروں کے بچوں اور اشرافوں کے آوارہ لڑکوں سے ملنے جُلنے اور اُن کے ساتھ کھیلنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ اُن کے بزرگوں نے یہ اجازت دے رکھی تھی کہ جس کھیل کو تمھارا جی چاہے شوق سے کھیلو مگر کسی کھیل کو چھپا کر مت کھیلو۔ اس لیے سب لڑکے جو کھیل کھیلتے تھے؛ اپنے بڑوں کے سامنے کھیلتے تھے۔ اُن کے کھیلوں میں کوئی بات ایسی نہ ہوتی تھی جو اپنے بزرگوں کے سامنے نہ کر سکیں۔ خواجہ فرید کی حویلی جس میں وہ اور اُن کے ہم عمر لڑکے رہتے تھے۔ اُس کا چوک اور اُس کی چھتیں ہر قسم کی بھاگ دوڑ کے کھیلوں کے لیے کافی تھیں۔ ابتدا میں وہ اکثر گیند بلا، گیڑیاں، آنکھ مچولی، چیل چلو وغیرہ کھیلتے تھے۔ اگرچہ گیڑیاں کھیلنے کو اشراف معیوب جانتے تھے مگر اُن کے بزرگوں نے اجازت دے رکھی تھی کہ اس میں سب بھائی مل کر گیڑیاں کبڈی ہی کھیلو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

اُن کا بیان تھا کہ باوجود اس قدر آزادی کے بچپن میں مجھے تنہا باہر جانے کی اجازت نہ تھی جب میری والدہ نے اپنے رہنے کی جدا حویلی بنائی اور وہاں آرہیں تو باوجود یہ کہ اس حویلی میں اور نانا صاحب کی حویلی میں صرف ایک سڑک درمیان تھی۔ جب کبھی میں اُن کی حویلی میں جاتا تو ایک آدمی میرے ساتھ جاتا۔ اسی لیے بچپن میں مجھے گھر سے باہر جانے اور عام صحبتوں میں بیٹھنے یا آوارہ پھرنے کا بالکل اتفاق نہیں ہوا۔

سرسید اپنے کھیل کود کے زمانے میں بہت مستعد اور چالاک اور کسی قدر شوخ بھی تھے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اکثر شوخی کیا کرتے۔ سرسید کہتے تھے کہ ایک بار میں شطرنج کھیلنے میں ایک اپنے رشتے دار بھائی سے لڑ پڑا۔ میرے مکے سے اُس کے ہاتھ کی اُنگلی اُتر گئی اور کئی دن بعد اچھی ہوئی۔ ہمیشہ یوں ہی لڑائی بھڑائی مار کٹائی ہوتی تھی مگر آخر کو سب ایک ہو جاتے تھے۔"

سرسید لکھتے ہیں کہ میرے نانا صبح کا کھانا اندر زنانے میں کھاتے تھے۔ ایک چوڑا چکلا دستر خوان بچھتا تھا، بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں اور بیٹوں کی بیویاں؛ سب اُن کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ بچوں کے آگے خالی رکابیاں ہوتی تھیں۔ نانا صاحب ہر ایک سے پوچھتے تھے کہ کون سی چیز کھاؤ گے؟ جو کچھ وہ بتاتا وہی چیز چمچے میں لے کر اپنے ہاتھ سے اُس کی رکابی میں ڈال دیتے۔ تمام بچے بہت ادب اور صفائی سے ان کے ساتھ کھانا کھاتے

تھے۔ سب کو خیال رہتا تھا کہ کوئی چیز گرنے نہ پائے۔ ہاتھ کھانے میں زیادہ نہ بھریں اور نوالا چبانے کی آواز منھ سے نہ نکلے۔ رات کو کھانا وہ باہر دیوان خانے میں کھاتے تھے۔ میری والدہ اور میری چھوٹی خالہ کھانا کھلانے آتی تھیں۔ ہم سب لڑکے اُن کے سامنے بیٹھتے تھے۔ ہم کو بڑی مشکل پڑتی تھی۔ کسی کے پاؤں کا دھبا سفید چاندنی پر لگ جاتا تھا تو نہایت ناراض ہوتے تھے۔ روشنائی وغیرہ کا دھبا کسی کے کپڑے پر ہوتا تھا تو اُس سے بھی ناخوش ہوتے تھے۔ شام کو چراغ جلنے کے بعد اُن کے پوتے اور نواسے جو مکتب میں پڑھتے تھے اور جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ ان کو سبق سنانے جاتے تھے۔ جس کو سبق اچھا یاد ہوتا اُس کو کسی قسم کی عمدہ مٹھائی ملتی اور جس کو یاد نہیں ہوتا اُس کو کچھ نہ دیتے اور گھرک دیتے۔

گرمی اور برسات کے موسم میں اب بھی دلی کے اکثر باشندے سہ پہر کو جمنا پر جا کر پانی کی سیر کرتے ہیں اور تیرنے والے تیرتے ہیں۔ مگر پچاس برس پہلے وہاں تیرنے والوں کے بہت دل چسپ جلسے ہوتے تھے۔ سرسید کہتے تھے کہ میں نے بڑے بھائی سے، اپنے والد سے تیرنا سیکھا تھا۔ ایک زمانہ تو وہ تھا کہ ایک طرف دلی کے مشہور تیراک مولوی علیم اللہ کا غول ہوتا تھا اور دوسری طرف ہمارے والد کے ساتھ سو سوا سو شاگردوں کا گروہ ہوتا تھا۔ یہ سب ایک ساتھ دریا میں کودتے تھے اور سارا گروہ تیرتا جاتا تھا۔ جب ہم دونوں بھائی تیرنا سیکھتے تھے۔ اُس زمانے میں بھی تیس چالیس آدمی، والد کے ساتھ ہوتے تھے۔ زینۃ المساجد کے پاس نواب احمد بخش خاں کے باغ کے نیچے جمنا بہتی تھی۔ وہاں سے تیرنا شروع ہوتا تھا۔ مغرب کے وقت سب تیراک زینۃ المساجد میں جمع ہو جاتے تھے اور مغرب کی نماز جماعت سے پڑھ کر اپنے اپنے گھر چلے آتے تھے۔ میں ان جلسوں میں اکثر شریک ہوتا تھا۔"

تیر اندازی کی صحبتیں بھی سرسید کے ماموں نواب زین العابدین خاں کے مکان پر ہوتی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ "مجھے اپنے ماموں اور والد کے شوق کا وہ زمانہ جب کہ نہایت دھوم دھام سے تیر اندازی ہوتی تھی یاد نہیں مگر جب دوبارہ تیر اندازی کا چرچا ہوا وہ بہ خوبی یاد ہے۔ اُس زمانے میں دریا پر جانا موقوف ہو گیا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد تیر اندازی شروع ہوتی تھی۔ نواب فتح اللہ بیگ خان، نواب سید عظمت اللہ خاں، نواب ابراہیم علی خاں اور چند شاہ زادے اور رئیس اور شوقین اس جلسے میں شریک ہوتے تھے۔ میں نے بھی اسی زمانے میں تیر اندازی سیکھی اور مجھ کو خاصی مشق ہو گئی تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک دفعہ میرا نشانہ جو تودے میں نہایت صفائی اور خوبی سے جا کر بیٹھا تو والد بہت خوش ہوئے اور کہا: مچھلی کے جائے کو کون تیرنا سکھائے؟" یہ جلسہ برسوں تک رہا پھر موقوف ہو گیا۔"

اہلُ اللہ اور مقدس لوگوں کی عظمت کا خیال بچپن سے سرسید کے دل میں بٹھایا گیا تھا۔ وہ اپنے والد کے ساتھ اکثر شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں جاتے تھے اور شاہ صاحب سے ان کی عقیدت کا رنگ اپنی آنکھ سے دیکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مرزا صاحب کے عرس میں شاہ صاحب ایک روپیہ اُن کے مزار پر چڑھایا کرتے تھے اور اُس روپے کا حق میرے والد کے سوا اور کسی کو نہ تھا۔ ایک دفعہ عرس کی تاریخ سے کچھ پہلے ایک مرید نے شاہ صاحب سے اجازت لے لی کہ اب کی بار نذر کا روپیہ مجھے عنایت ہو۔ میرے والد کو بھی خبر ہو گئی۔ جب شاہ صاحب نے روپیہ چڑھانے کا ارادہ کیا تو والد نے عرض کی کہ حضرت! میرے اور میری اولاد کے جیتے جی آپ نذر کا روپیہ لینے کی اوروں کو اجازت دیتے ہیں؟ شاہ صاحب نے فرمایا: نہیں، تمھارے سوا کوئی نہیں لے سکتا۔ میں اُس وقت صغیر سن تھا، جب شاہ صاحب نے روپیہ چڑھایا۔ والد نے مجھے کہا: جاؤ، روپیہ اُٹھا لو میں نے آگے بڑھ کر روپیہ اُٹھا لیا۔

سرسید کہتے تھے کہ مجھ کو اپنی بسم اللہ کی تقریب بہ خوبی یاد ہے۔ سہ پہر کا وقت تھا اور آدمی کثرت سے جمع تھے۔ خصوصاً حضرت شاہ غلام علی صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ مجھ کو لا کر حضرت کے سامنے بٹھا دیا تھا۔ میں اس مجمع کو دیکھ کر ہکا بکا سا ہو گیا۔ میرے سامنے تختی رکھی گئی اور غالباً شاہ صاحب ہی نے فرمایا کہ پڑھو بسم اللہ الرحمن الرحیم! میں کچھ نہ بولا اور حضرت صاحب کی طرف دیکھتا رہا۔ انھوں نے اُٹھا کر مجھے اپنی گود میں بٹھا لیا اور

فرمایا کہ ہمارے پاس بیٹھ کر پڑھیں گے اور اول بسم اللہ پڑھ کر اقرا کی اول آیتیں "مالم یعلم" تک پڑھیں۔ میں بھی اُن کے ساتھ ساتھ پڑھتا گیا۔"

سرسید کہتے تھے کہ "شاہ صاحب اپنی خانقاہ سے کبھی نہیں اُٹھتے تھے اور کسی کے ہاں نہیں جاتے تھے۔ الاماشاءاللہ، صرف میرے والد پر جو غایت درجہ کی شفقت تھی اس لیے کبھی کبھی ہمارے گھر قدم رنجہ فرماتے تھے۔

بسم اللہ ہونے کے بعد سرسید نے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ اُن کے ننھیال میں زمانہ قدیم سے کوئی نہ کوئی اُستانی نوکر رہتی تھی۔ سرسید نے اُستانی ہی سے جو ایک اشراف گھر کی پردہ نشین، بی بی تھی، سارا قرآن ناظرہ ان سے پڑھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ "میرا قرآن ختم ہونے پر ہدیہ کی مجلس جو زنانہ میں ہوئی تھی وہ اس قدر دل چسپ اور عجیب تھی کہ پھر کسی ایسی مجلس میں وہ کیفیت میں نے نہیں دیکھی۔"

(حیاتِ جاوید)

مشق

پڑھنا

ا۔ درج ذیل عبارت کو پڑھ کر دیے گئے سوالات کے جوابات لکھیں۔

اُن کا بیان تھا کہ "باوجود اس قدر آزادی کے بچپن میں مجھے تنہا باہر جانے کی اجازت نہ تھی جب میری والدہ نے اپنے رہنے کی جدا حویلی بنائی اور وہاں آ رہیں تو باوجود یہ کہ اس حویلی میں اور نانا صاحب کی حویلی میں صرف ایک سڑک درمیان تھی۔ جب کبھی میں اُن کی حویلی میں جاتا تو ایک آدمی میرے ساتھ جاتا۔ اسی لیے بچپن میں مجھے گھر سے باہر جانے اور عام صحبتوں میں بیٹھنے یا آوارہ پھرنے کا بالکل اتفاق نہیں ہوا۔

سرسید اپنے کھیل کود کے زمانے میں بہت مستعد اور چالاک اور کسی قدر شوخ بھی تھے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اکثر شوخی کیا کرتے۔ سرسید کہتے تھے کہ "ایک بار میں شطرنج کھیلنے میں ایک اپنے رشتے دار بھائی سے لڑ پڑا۔ میرے مکے سے اُس کے ہاتھ کی اُنگلی اتر گئی اور کئی دن بعد اچھی ہوئی۔ ہمیشہ یوں ہی لڑائی بھڑائی مار کٹائی ہوتی تھی مگر آخر کو سب ایک ہو جاتے تھے۔"

سرسید لکھتے ہیں کہ "میرے نانا صبح کا کھانا اندر زنانے میں کھاتے تھے۔ ایک چوڑا چکلا دستر خوان بچھتا تھا، بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں اور بیٹوں کی بیویاں؛ سب اُن کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ بچوں کے آگے خالی رکابیاں ہوتی تھیں۔ نانا صاحب ہر ایک سے پوچھتے تھے کہ کون سی چیز کھاؤ گے؟ جو کچھ وہ بتاتا وہی چیز چمچے میں لے کر اپنے ہاتھ سے اُس کی رکابی میں ڈال دیتے۔ تمام بچے بہت ادب اور صفائی سے ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ سب کو خیال رہتا تھا کہ کوئی چیز گرنے نہ پائے۔ ہاتھ کھانے میں زیادہ نہ بھریں اور نوالا چبانے کی آواز منھ سے نہ نکلے۔

سوالات:

i۔ عبارت کی روشنی میں بتائیے کہ والدین کو بچوں کے کھیل کُود کے حوالے سے کس بات کا خیال رکھنا چاہیے؟

ii۔ کھیل کُود کے زمانے میں سرسید احمد خان کی شخصیت کیسی تھی؟

iii۔ سرسید کے نانا جان کے ہاں صبح کے کھانے کی روایت کیسی تھی؟

iV۔ عبارت کی روشنی میں بتائیے کہ کھانا کھانے کے دوران کن باتوں کو ملحوظِ خاطر رکھا جانا ضروری ہے؟

v۔ ناناجان کھانے کے دوران بچوں کا کس طرح خیال رکھتے تھے؟

۲۔ سبق سرسید کا بچپن ''کو اس کے اسلوب (سادگی اور سلاست) اور بیان (مدعا نگاری/ مقصدیت) کو مد نظر رکھتے ہوئے پڑھیں۔ پڑھتے ہوئے یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ الطاف حسین حالی نے اپنے فکری و نظریاتی پیر و مرشد سرسید احمد خان کی پیروی میں نظم ونثر کو ادب برائے زندگی'' کے نظریے کی ترویج واشاعت کے لیے نہ صرف وقف کیا بلکہ مسلمانانِ برصغیر پاک وہند کی اصلاح کا بھی بیڑا اٹھایا یہی وجہ ہے کہ الطاف حسین حالی کی تحریروں کی ایک بڑی خوبی مدعانگاری (مقصدیت)'' کو بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اس سبق میں ایک بڑی شخصیت کے بچپن کا احوال ہمارے سامنے رکھا گیا جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اولاد کی تربیت اور پرورش شروع دن ہی سے ایک خاص انداز سے کی جانی چاہیے۔ آزادی، روک ٹوک اور پابندی کا خیال بھی کرنا چاہیے کہ بچہ آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر بالکل ہی باغی نہ ہو جائے اور بے جا سخت گیری اور پابندی سے اس کی فطری قابلیت اور صلاحیت ہی کہیں نہ دب کے رہ جائے۔

رسید نویسی

رسید کے لغوی معانی ہیں کسی چیز خبر یا آدمی کا پہنچنا۔ اصطلاح میں کسی چیز وغیرہ کی رقم کی وصولی کی تحریری دستاویز کو رسید کہتے ہیں۔ لین دین میں تحریری دستاویز کی بڑی اہمیت ہے کیوں کہ اس کی عدم موجودگی میں اس بات کا امکان رہتا ہے کہ چیز یا رقم لینے والا جان بوجھ کر غلطی سے اس کی وصولی سے مکر جائے۔ رسیدیں کئی طرح کی ہو سکتی ہیں مگر انھیں تحریر کرتے وقت چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے:

i۔ رسید میں اس چیز یا رقم کا اندراج وضاحت سے کیا گیا ہو جس کا لین دین کیا جا رہا ہے۔

ii۔ رسید میں لین دین کرنے والے دونوں فریقوں کا نام مع ولدیت اور مکمل پتا ضرور درج ہو۔

iii۔ فریقین کے علاوہ گواہوں کے نام اور دستخط بھی موجود ہونے چاہییں۔

iv۔ رسید میں، جس رقم کا لین دین کیا جا رہا ہو اس کا اندراج لفظوں اور ہندسوں دونوں صورتوں میں ہونا چاہیے۔

v۔ رسید پر تاریخ کا اندراج بھی ضروری ہے۔

اس کے علاوہ بھی مختلف مقاصد کے لیے مرتب کردہ دفتری اور عدالتی مواد (داخلہ فارم، اقرار نامہ برائے تعلیمی اسناد، تہنیت نامے، عرضی وغیرہ) پر مبنی دیگر متن پڑھیں اور ان کے مقاصد وتحریر کی اہمیت سے واقف ہوں کہ ان میں کس کو کس مخصوص مقصد کے لیے وقت کے کس دورانیے میں مخاطب کیا گیا ہے۔ استاد محترم/ استانی صاحبہ کی رہ نمائی میں سکول کے دفتر میں موجود عمومی غیر رسمی مواد (سرکاری، دفتری مواد سے ہٹ کر) کو پڑھیں اور ان کے مقاصد و تحریر کی اہمیت سے واقفیت حاصل کریں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے ذیل میں نمونے کے طور پر رسید برائے گاڑی کی خریداری'' دی جا رہی ہے:

رسید برائے خریداری گاڑی

میں مسمی محمد افضال ولد محمد ارسلان، ساکن فیصل آباد نے ایک عدد گاڑی جو کہ ہنڈا کمپنی کی ہے، ماڈل ۲۰۲۲ء، رنگ سفید رجسٹرڈ نمبر اے بی ڈی ۰۷۴ جیسی ہے جہاں ہے'' کی بنیاد پر جناب محمد سلیمان ولد محمد کامران، ساکن آسیہ محلہ راول پنڈی (شناختی کارڈ نمبر ۳۲۱) سے خریدلی ہے۔

گاڑی کی قیمت مبلغ(۲۰۰۰۰۰۰روپے) بیس لاکھ روپے، جن کا نصف (۱۰۰۰۰۰۰روپے) دس لاکھ روپے ہوتے ہیں نقد ادائی کر دی ہے۔ گاڑی کے اصل کاغذات بھی مسمی محمد سلیمان سے وصول کر لیے ہیں جن پر آج کی تاریخ کے بعد کسی حادثے وغیرہ کی ذمہ داری نہ ہو گی۔

مورخہ: ۲۵ مئی ۲۰۲۴ء

گواہ نمبر۱	العبد	گواہ نمبر۲
نام۔۔۔ولد۔۔۔	افضال احمد ولد محمد ارسلان	نام۔۔۔ولد۔۔۔
شناختی کارڈ نمبر: ۳۲۱	شناختی کارڈ نمبر: ۴۵۶	شناختی کارڈ نمبر: ۷۸۹
پتا۔۔۔۔۔۔	پتا۔۔۔۔۔۔	پتا۔۔۔۔۔۔

۳۔ ایک کمپیوٹر کی فروختگی کی رسید لکھیں۔

۴۔ "سرسید کا بچپن" کے پڑھے گئے متن کے درج ذیل حصے کو دہراتے ہوئے متعلقہ حوالے دے کر دلائل کے ساتھ تشریح کریں۔

بسم اللہ ہونے کے بعد سرسید نے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ اُن کے ننھیال میں قدیم سے کوئی نہ کوئی اُستانی نوکر رہتی تھی۔ سرسید نے اُستانی ہی سے جو ایک اشراف گھر کی پردہ نشین بی بی تھی۔ سارا قرآن ناظرہ ان سے پڑھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ میرا قرآن ختم ہونے پر ہدیہ کی مجلس جو زمانے میں ہوئی تھی وہ اس قدر دل چسپ اور عجیب تھی کہ پھر کسی ایسی مجلس میں وہ کیفیت میں نے نہیں دیکھی۔"

لکھنا

۵۔ درج ذیل اقتباس کا اردو ترجمہ کریں۔

Multan is a city in the Punjab Province of Pakistan and it is located in the southern part of the province, and is steeped in history. It has a population of 5.36 million (according to 2023 census), making it the seventh largest city in Pakistan. It is built just east of the Chenab River, more or less in the geographic center of the country and about 885 km from Karachi by road. Multan is known as the 'City of Pirs and Shrines', and is a prosperous city of bazaars, mosques and superbly designed tombs. The Multan International Airport connects flights to major cities in Pakistan and other International countries. The city's industries include metal working, flour, oil milling, textiles manufacturing, fertilizer, soap, and glass. Multan is also known for its handicrafts, especially pottery and enamel work.

خاکہ یا مرقع نگاری:

اس غیر افسانوی صنف میں کسی شخص کی شخصیت اور زندگی کے حقیقی خدوخال اور پہلوؤں کو اس طرح نمایاں کر کے تحریر کیا جاتا ہے کہ ایک دل چسپ انداز میں ایک جیتی جاگتی شخصیت کے افکار وخیالات، خوبیوں اور خامیوں کی تصویر کشی ہو جائے۔ خاکہ نگار اپنی تحریر کو پُر اثر بنانے کے لیے حقائق، واقعات اور مشاہدات کے ساتھ ساتھ ذاتی تاثرات بھی شامل کر لیتا ہے۔ اردو ادب میں مرزا فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، مولوی عبدالحق، شاہد احمد دہلوی، محمد طفیل، چراغ حسن حسرت اور دیگر نے خاکہ نگاری کی صنف میں نمایاں کام کیا ہے۔

کسی فرد کی شخصی خوبیوں کو دل چسپ اور ادبی پیرائے میں اس طرح بیان کرنا کہ قاری اس شخصیت کا مجموعی تاثر قبول کرے اور اس کے بارے میں رائے دینے کے قابل ہو جائے، مرقع نگاری کہلاتا ہے۔ شخصی خاکہ بھی اسی سے ملتی جلتی صنف ہے تاہم اُس میں تفصیلات بیان ہوتی ہیں۔

ڈ۔ یہ سبق پڑھنے کے بعد سرسید احمد خان کے بچپن کے حوالے سے ایک خاکہ تحریر کریں۔ (سنجیدہ یا فکاہیہ دونوں میں سے ایک)

قواعد/زبان شناسی

ے۔ جملے کی ساخت، بناوٹ، روزمرہ محاورے کے لحاظ سے درج ذیل غلط فقرات کی درستی کریں:

i. وہ دنوں دن امیر ہو گیا

ii. موسم برسات کے اوپر ایک مضمون لکھو۔

iii. آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتا ہوں۔

iv. اکرم تو ناک پر مچھر نہیں بیٹھنے دیتا۔

v. آپ کا حکم سر ماتھے پر۔

vi. تم جھوٹ کیوں مارتے ہو؟

vii. آسمان سے گرا پہاڑ میں اٹکا۔

viii. شیطان کی نانی ہونا۔

ix. پانچ چھے گیارہ ہونا۔

x. خیالی کھیر پکانا۔

سرگرمیاں

ا۔ طلبہ گھر سے مختلف حروف (جار، اضافت، تحسین، تشبیہ، ندا، استفہام، علت، عطف) کے کارڈ بنا کر لائیں اور کلاس کے دیگر طلبہ کو دکھا کر ان کی شناخت کرائیں اور ان حروف کی قواعد کے لحاظ سے تعریف بھی لکھوائیں۔

۲۔ اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں اپنے ہم جماعت طلبہ کے سامنے درج ذیل موضوعات میں سے کسی ایک پر درست تلفظ اور لب و لہجے سے زبانی تقریر کریں۔

۔ برداشت اور رواداری

۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی

۔ انسداد منشیات

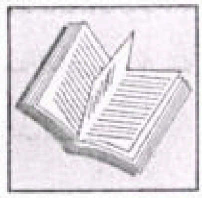

۹

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

پڑھنا
- مختلف منثور اصناف ادب پڑھ کر مصنفین کے طرز تحریر کی شناخت کر سکیں۔
- نظم / نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- مختلف عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ کر سکیں۔
- دو نثر پاروں کا موازنہ کر سکیں اور مصنف کا انداز بیان سمجھ کر تبصرہ کر سکیں۔
- مختلف عبارتیں پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کا پیش کش کے لحاظ سے استحسانی اور تنقیدی جائزہ لے سکیں۔

لکھنا
- کسی بھی رسمی / غیر رسمی تحریر (کالم، خبر، رپورٹ، تبصرہ، تذکرہ، تجزیہ وغیرہ) کی جزئیات کو سمجھتے ہوئے اس پر تنقید و تبصرہ کر سکیں۔
- منتخب اقتباسات کی تلخیص کر سکیں۔

قواعد / زبان شناسی
- الفاظ معانی سے واقفیت اور ان کے انتخاب میں لغت اور تھیسارس کا استعمال کر سکیں۔
- درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب کا استعمال کر سکیں۔

خاص	اِضطراب	بَر سَبیلِ تذکرہ	تقطیع	جَل تَرَنگ	خُوابیدہ
الفاظ	طمانیت	لَطِیف	لَغویات	لَٹھ	نابکار

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو اردو زبان ادب میں طنز مزاح (نظم و نثر) کی روایت اور اہمیت سے آگاہ کریں اور بتائیں کہ مزاح نگاری میں اپنے مقصد کے تخلیقی اظہار کا کون کون سا انداز، تکنیک اور اسلوب بہ رُوئے کار لایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں پطرس بخاری، ابنِ انشا، شوکت تھانوی اور مشتاق احمد یوسفی کی تحریروں کے منتخب اقتباسات طلبہ کو ذاتی مطالعے کے لیے دیں تاکہ وہ مختلف مزاح نگاروں کے طرزِ تحریر کو شناخت کرنے کے قابل ہو سکیں۔

پطرس بخاری (۱۸۹۸ء۔۱۹۵۸ء)

احمد شاہ بخاری ۱۸۹۸ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید اسد اللہ شاہ تھا۔ ابتدائی تعلیم پشاور میں حاصل کی اور اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور اعزازی نمبروں کے ساتھ ایم۔ اے پاس کیا۔ ایم۔ اے کرنے کے بعد آپ انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونی ورسٹی سے انگریزی ادب میں ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۷ء میں جب آل انڈیا ریڈیو کا محکمہ قائم ہوا تو بخاری صاحب کی خدمات مستعار لی گئیں اور وہ سات برس تک بہ طور ڈائریکٹر ریڈیو سے منسلک رہے۔
قیام پاکستان کے بعد آپ لاہور آ گئے اور گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں آپ کو اقوام متحدہ میں پاکستان کا مستقل نمائندہ بنا کر بھیجا گیا۔ ۱۹۵۵ء میں اقوام متحدہ کے شعبہ اطلاعات میں ڈپٹی سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ ۵۔ دسمبر ۱۹۵۸ء کی صبح کو نیویارک میں حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے
آپ کا اصل نام سید احمد شاہ بخاری تھا، لیکن اپنے قلمی نام پطرس بخاری سے زیادہ مشہور ہیں۔ اِن کے مضامین کا مجموعہ "پطرس کے مضامین" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ پطرس نے خالص مزاح تخلیق کیا۔ ظرافت، مزاح، طنزِ لطیف، قولِ محال، اور پیروڈی کے علاوہ مزاح کے دگر حربوں کو بھی کمال مہارت سے برتا ہے۔ ان کے یہاں لفظی کاری گری؛

مزاحیہ صورتِ واقعہ اور مزاحیہ کردار دونوں کے حوالے سے برتی گئی ہے۔ پطرس قادر الکلام انشاپرداز تھے۔ پطرس کے یہاں زندگی کا گہرا مطالعہ اور وسیع مشاہدہ ملتا ہے۔ وہ زندگی کے جن رویوں پر ہنستے ہیں اور جن طبقوں کو نشانۂ تمسخر بناتے ہیں۔ اُس میں اپنی ذات کو ضرور شامل کرتے ہیں۔ یہ مزاح نگاری کا انتہائی اثر انگیز حربہ ہے۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- طنز و مزاح سے کیا مراد ہے؟ دونوں میں کیا فرق ہے؟
- پطرس بخاری کی تحریریں کس قسم کی ہیں؟

گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ ہماری جو شامت آئی تو ایک دن اپنے پڑوسی لالہ کرپاشنکر جی برہم چاری سے برسبیلِ تذکرہ کہہ بیٹھے کہ "لالہ جی! امتحان کے دن قریب آتے جاتے ہیں، آپ سحر خیز ہیں؛ ذرا ہمیں بھی جگا دیا کیجیے۔"

وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے، نفلوں کے بھوکے بیٹھے تھے۔ دوسرے دن اُٹھتے ہی انھوں نے ایشور کا نام لے کر ہمارے دروازے پر مکا بازی شروع کر دی۔ کچھ دیر تک ہم سمجھے کہ عالمِ خواب ہے، ابھی سے کیا فکر؟ جاگیں گے تو لاحول پڑھ لیں گے۔ لیکن یہ گولہ باری لحہ بہ لحہ تیز ہوتی گئی اور کمرے کی چوبی دیواریں لرزنے لگیں۔ صراحی پر رکھا ہوا گلاس جل ترنگ کی طرح بجنے لگا اور دیوار پر لٹکا ہوا کیلنڈر پنڈولم کی طرح ہلنے لگا تو بیداری کا قائل ہونا ہی پڑا مگر اب بھی دروازہ ہے کہ لگاتار کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ میں کیا، میرے آباؤ اجداد کی روحیں اور میری قسمتِ خوابیدہ تک جاگ اٹھی۔ بہتیرا آوازیں دیتا ہوں۔ "اچھا! اچھا! تھینک یو، جاگ گیا ہوں، بہت اچھا! نوازش ہے۔" آں جناب ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ خدایا! کس آفت کا سامنا ہے۔ یہ سوتے کو جگا رہے ہیں یا مردے کو جلا رہے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تو بس واجبی طور پر ہلکی سی آواز میں "قُم" کہہ دیا کرتے ہوں گے۔ زندہ ہو گیا تو ہو گیا نہیں تو چھوڑ دیا۔ کوئی مردے کے پیچھے لٹھ لے کر پڑ جایا کرتے تھے؟؟ توپیں تھوڑی داغا کرتے تھے۔ یہ تو ہم سے بھلا کیسے ہو سکتا تھا کہ اٹھ کر دروازے کی چٹخنی کھول دیتے۔ پیش تر اس کے کہ باہر بستر سے نکلیں، دل کو جس قدر سمجھانا بجھانا پڑتا ہے۔ اِس کا اندازہ کچھ اہلِ ذوق ہی لگا سکتے ہیں۔ آخر کار جب لیمپ جلایا اور ان کو باہر سے روشنی نظر آئی تو طوفان تھما۔

اب جو ہم کھڑکی میں سے آسمان کو دیکھتے ہیں تو جناب ستارے ہیں کہ جگمگا رہے ہیں! سوچا کہ آج پتا چلائیں گے یہ سورج آخر کس طرح نکلتا ہے لیکن جب گھوم گھوم کر کھڑکی میں سے اور روشن دان میں سے چاروں طرف دیکھا اور بزرگوں سے صبحِ کاذب کی جتنی نشانیاں سنی تھیں اُن میں سے ایک بھی کہیں نظر نہ آئی تو فکر سا لگ گیا کہ آج کہیں سورج گرہن نہ ہو؟ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو پڑوسی کو آواز دی۔ لالہ جی! لالہ جی!

جواب آیا "ہوں"

میں نے کہا: "آج یہ کیا بات ہے کچھ اندھیرا سا ہے؟"

کہنے لگے: "تو اور کیا تین بجے ہی سورج نکل آئے!"

تین بجے کا نام سن کر ہوش گم ہو گئے۔ چونک کر پوچھا: "کیا کہا تم نے، تین بجے ہیں؟"

کہنے لگے "تین تو نہیں کچھ سات ساڑھے سات، منٹ اوپر تین ہیں۔"

میں نے کہا: "ارے کم بخت، خدائی فوج دار، بدتمیز کہیں کے۔ میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ صبح جگا دینا، یا یہ کہا تھا کہ سرے سے سونے ہی نہ دینا۔ تین بجے جاگنا بھی کوئی شرافت ہے۔ ہمیں تُو نے کوئی ریلوے گارڈ سمجھ رکھا ہے۔ تین بجے ہم اٹھ سکا کرتے تو اس وقت دادا جان کے منظورِ نظر نہ ہوتے۔ ابے احمق کہیں کے! تین بجے اٹھ کر ہم زندہ رہ سکتے ہیں؟ امیر زادے ہیں کوئی مذاق ہے، لاحول ولا قوۃ"

دل تو چاہتا تھا کہ عدم تشدد و شدد کو خیر باد کہہ دوں لیکن پھر خیال آیا کہ بنی نوعِ انسان کی اصلاح کا کوئی ہم نے ٹھیکا لے رکھا ہے۔ ہمیں اپنے کام

سے غرض، لیمپ بجھایا اور بڑبڑاتے ہوئے پھر سو گئے اور پھر حسبِ معمول نہایت اطمینان کے ساتھ بھلے آدمیوں کی طرح اپنے دس بجے اُٹھے۔ بارہ بجے تک منہ ہاتھ دھویا اور چار بجے چائے پی کر ٹھنڈی سڑک کی سیر کو نکل گئے۔ شام کو واپس ہوسٹل میں واردِ ہوئے۔ جوشِ شباب تو ہے ہی، اُس پر شام کا رُومان انگیز وقت۔ ہوا بھی نہایت لطیف تھی۔ طبیعت بھی ذرا مچلی ہوئی تھی۔ ہم ذرا ترنگ میں گاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

بلائیں زلفِ جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

کہ اتنے میں پڑوسی کی آواز آئی "مسٹر!"

ہم اُس وقت ذرا چٹکی بجانے لگے تھے۔ بس انگلیاں وہیں پر رک گئیں اور کان آواز کی طرف لگ گئے۔ ارشاد ہوا یہ آپ گا رہے ہیں؟" (زور آپ" پر)

میں نے کہا اجی میں کس لائق ہوں لیکن خیر فرمایئے؟" بولے ذرا۔۔۔۔ وہ میں۔۔۔۔ میں ڈسٹرب ہوتا ہوں۔"

بس صاحب! ہم میں جو موسیقیت کی روح پیدا ہوئی تھی فوراً مر گئی۔ دل نے کہا او نابکار انسان دیکھ! پڑھنے والے یوں پڑھتے ہیں۔" صاحب! خدا کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگی کہ خدایا! ہم بھی اب باقاعدہ مطالعہ شروع کرنے والے ہیں۔ ہماری مدد کر اور ہمیں ہمت دے۔"

آنسو پونچھ کر اور دل مضبوط کر کے میز کے سامنے آبیٹھے۔ دانت بھینچ لیے، نکٹائی کھول دی، آستینیں چڑھا لیں لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کریں کیا؟ سامنے سرخ، سبز، زرد سبھی قسم کی کتابوں کا انبار لگا تھا۔ اب اِن میں سے کون سی پڑھیں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے کتابوں کو ترتیب سے میز پر لگا دیں کہ باقاعدہ مطالعے کی پہلی منزل یہی ہے۔

بڑی تقطیع کی کتابوں کو علاحدہ رکھ دیا۔ چھوٹی تقطیع کی کتابوں کو سائز کے مطابق الگ قطار میں کھڑا کر دیا۔ ایک نوٹ پیپر پر ہر ایک کتاب کے صفحوں کی تعداد کو دِنوں کی تعداد پر تقسیم کیا۔ ساڑھے پانچ سو جواب آیا۔ لیکن اضطراب کی کیا مجال جو چہرے پر ظاہر ہونے پائے۔ دل میں کچھ تھوڑا سا پچھتائے کہ صبح تین بجے ہی کیوں نہ اٹھ بیٹھے لیکن کم خوابی کے طبّی پہلو پر غور کیا تو فوراً اپنے آپ کو ملامت کی۔ آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ تین بجے اُٹھنا تو لغو بات ہے۔ البتہ پانچ، چھے، سات بجے کے قریب اٹھنا نہایت معقول ہوگا۔ صحت بھی قائم رہے گی اور امتحان کی تیاری بھی باقاعدہ ہوگی۔ ہم خُرما و ہم ثواب۔

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ سویرے اٹھنا ہو تو جلدی ہی سو جانا چاہیے۔ کھانا باہر ہی سے کھا آئے تھے۔ بستر میں داخل ہو گئے۔ چلتے چلتے خیال آیا کہ لالہ جی سے جگانے کے لیے کہہ ہی نہ دیں! یوں ہماری اپنی قوتِ ارادی کافی زبردست ہے۔ جب چاہیں اُٹھ سکتے ہیں لیکن پھر بھی کیا ہرج ہے؟

ڈرتے ڈرتے آواز دی۔ "لالہ جی!!!"

انھوں نے پتھر کھینچ مارا۔ "بس"۔

ہم اور بھی سہم گئے کہ لالہ جی کچھ ناراض معلوم ہوتے ہیں۔ تُتلا کے درخواست کی کہ لالہ جی! صبح آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ کل ذرا مجھے چھے بجے یعنی جس وقت چھے بجیں۔"

جواب ندارد۔

میں نے پھر کہا: جب چھے بج چکیں تو، سُنا آپ نے؟"

چپ!!!!

لالہ جی!"

کڑکتی ہوئی آواز نے جواب دیا۔ سن لیا۔ سن لیا۔ چھ بجے جگادوں گا۔ تھری گاما پلس فور، ایلفا پلس"

ہم نے کہا: ب۔ب۔ب۔بہت اچھا۔ یہ بات ہے"

توبہ خدا کسی کا محتاج نہ کرے۔

لالہ جی آدمی بہت شریف ہیں۔ اپنے وعدے کے مطابق دوسرے دن صبح چھ بجے انھوں نے دروازے پر گھونسوں کی بارش شروع کردی۔ ان کا جگانا تو محض ایک سہارا تھا ہم خود ہی انتظار میں تھے کہ یہ خواب ختم ہولے تو بس جاگتے ہیں۔ وہ نہ جگاتے تو میں خود ایک دو منٹ بعد آنکھیں کھول دیتا۔ بہ ہر صورت جیسا کہ میرا فرض تھا، میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے اِسے اِس شکل میں قبول کیا کہ گولہ باری بند کردی۔

اِس کے بعد کے واقعات ذرا بحث طلب سے ہیں اور ان کے متعلق روایات میں کسی قدر اختلاف ہے۔ بہ ہر حال اس بات کا تو مجھے یقین ہے اور میں قسم بھی کھا سکتا ہوں کہ آنکھیں میں نے کھول دی تھیں۔ پھر یہ بھی یاد ہے کہ ایک نیک اور سچے مسلمان کی طرح کلمہ شہادت بھی پڑھا۔ پھر یہ بھی یاد ہے کہ اٹھنے سے پیش تر دیباچ کے طور پر ایک آدھ کروٹ بھی لی۔ پھر کا نہیں پتا۔ شاید لحاف اوپر سے اتار دیا، شاید سر اس میں لپیٹ دیا، یا شاید کھانسا کہ خدا جانے خراٹا لیا۔ خیر یہ تو یقینی امر ہے کہ دس بجے ہم بالکل جاگ رہے تھے لیکن لالہ جی کے جگانے کے بعد اور دس بجے سے پیشتر خدا جانے ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ نہیں۔۔۔ ہمارا خیال ہے ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے ہوں۔ بہ ہر صورت یہ نفسیات کا مسئلہ ہے جس میں نہ آپ ماہر ہیں نہ میں۔ کیا پتا لالہ جی نے جگایا ہی دس بجے ہو یا اس دن چھ دیر میں بجے ہوں۔ خدا کے کاموں میں ہم آپ کیا دخل دے سکتے ہیں لیکن ہمارے دل میں دن بھر یہ شبہ رہا کہ قصور کچھ اپنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب شرافت ملاحظہ ہو کہ محض اس شبہ کی بنا پر صبح سے شام تک ضمیر کی ملامت سنتا رہا مگر لالہ جی سے ہنس ہنس کر باتیں کیں۔ ان کا شکریہ ادا کیا اور اس خیال سے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو، حد درجے کی طمانیت ظاہر کی کہ آپ کی نوازش سے میں نے صبح کا سہانا اور روح افزا وقت بہت اچھی طرح صرف کیا ورنہ اور دنوں کی طرح آج بھی دس بجے اٹھتا۔ لالہ جی صبح کے وقت دماغ کیسا صاف ہوتا ہے، جو پڑھو خدا کی قسم فوراً یاد ہو جاتا ہے۔ بھئی خدا نے صبح بھی کیا عجیب چیز پیدا کی ہے۔ یعنی اگر صبح کی بہ جائے شام ہوا کرتی تو دن کیا بری طرح کٹا کرتا۔"

لالہ جی نے ہماری اِس جادو بیانی کی داد یوں دی کہ آپ پوچھنے لگے "تو میں آپ کو چھ بجے جگا دیا کروں؟"

میں نے کہا ہاں ہاں۔ واہ! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ بے شک۔"

شام کے وقت آنے والی صبح کے مطالعے کے لیے دو کتابیں چھانٹ کر میز پر علیحدہ جوڑ دیں۔ کرسی کو چارپائی کے قریب سَرکا لیا اور کوٹ اور گلوبند کو کرسی کی پشت پر آویزاں کر دیا۔ کنٹوپ اور دستانے پاس ہی رکھ لیے۔ دیاسلائی کو تکیے کے نیچے ٹٹولا۔ تین دفعہ آیۃ الکرسی پڑھی اور دل میں نہایت ہی نیک منصوبے باندھ کر سو گیا۔

ہم نے اپنی ہمت اور اولوالعزمی کو بہت سراہا کہ آج ہم فوراً ہی جاگ اُٹھے۔ دل سے کہا: دل بھیا! صبح اُٹھنا تو محض ذرا سی بات ہے۔ ہم یوں ہی اس سے ڈرا کرتے تھے۔" دل نے کہا: اور کیا تمھارے تو یوں ہی اوسان خطا ہو جایا کرتے تھے۔" ہم نے کہا: سچ کہتے ہو یار! یعنی اگر ہم سُستی اور کسالت کو خود اپنے قریب نہ آنے دیں تو اِن کی کیا مجال ہے کہ ہماری باقاعدگی میں خلل انداز ہوں۔ اِس وقت اِس لاہور شہر میں ہزاروں کاہل لوگ ہوں گے جو دنیا و مافیہا سے بے خبر نیند کے مزے اُڑاتے ہوں گے اور ایک ہم ہیں کہ ادائے فرض کی خاطر نہایت شگفتہ طبعی اور غنچہ دہنی سے جاگ رہے ہیں۔ بھئی کیا برخوردار سعادت آثار واقع ہوئے ہیں۔" ناک کو سردی سی محسوس ہونے لگی تو اسے ذرا یوں ہی سا لحاف کی اوٹ میں کر لیا اور پھر سوچنے لگے۔۔۔ خوب! تو ہم آج کیا وقت پر جاگے ہیں!! پس ذرا اِس کی عادت ہو جائے تو باقاعدہ قرآن مجید کی تلاوت اور فجر کی نماز بھی شروع کر دیں گے۔ آخر مذہب سب سے مقدم ہے۔ ہم بھی کیا روز بہ روز الحاد کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں۔ نہ خدا کا ڈر، نہ رسول ﷺ کا خوف۔ سمجھتے ہیں کہ بس اپنی محنت سے امتحان

پاس کرلیں گے۔ اکبر بے چارہ یہی کہتا کہتا مر گیا لیکن ہمارے کان پر جوں تک نہ رینگی (لحاف کانوں پر سرک آیا) تو گویا آج ہم اور لوگوں سے پہلے جاگے ہیں۔۔۔ بہت ہی پہلے۔۔۔۔ یعنی کالج شروع ہونے سے بھی چار گھنٹے پہلے۔۔۔ کیا بات ہے!!! خداوندانِ کالج بھی کس قدر سُست ہیں! ہر ایک مستعد انسان کو چھے بجے تک قطعی جاگ اُٹھنا چاہیے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کالج سات بجے کیوں نہ شروع ہوا کرے۔۔۔ (لحاف سر پر)۔۔۔ بات یہ ہے کہ تہذیبِ جدید ہماری تمام اعلیٰ قوتوں کی بیخ کنی کر رہی ہے۔ عیش پسندی روز بہ روز بڑھتی جاتی ہے۔ (آنکھیں بند) تو اب چھے بجے ہیں۔ تو گویا تین گھنٹے تو متواتر مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ پہلے کون سی کتاب پڑھیں؟ شیکسپیئر یا ورڈز ورتھ۔ میں جانوں، شیکسپیئر بہتر ہوگا۔ اس کی عظیم الشان تصانیف میں خدا کی عظمت کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور صبح کے وقت اللہ میاں کی یاد سے بہتر چیز کیا ہو سکتی ہے؟" پھر خیال آیا کہ دن کو جذبات کے محشرستان سے شروع کرنا ٹھیک فلسفہ نہیں۔ ورڈز ورتھ پڑھیں۔ اس کے اوراق میں فطرت کا سکون و اطمینان میسر ہوگا اور دل اور دماغ نیچر کی خاموش دل آویزیوں سے ہلکے ہلکے لطف اندوز ہوں گے۔ لیکن شیکسپیئر۔۔۔۔ ہیملٹ۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ ورڈز ورتھ۔۔۔۔ لیڈی میکبتھ۔۔۔۔ دیوانگی۔۔۔۔ سبزہ زار۔۔۔۔ بادِ بہاری۔۔۔۔ صیدِ ہوس۔۔۔۔ کشمیر۔۔۔ میں آفت کا پرکالہ ہوں۔

یہ معما اب مابعد الطبیعات ہی سے تعلق رکھتا ہے کہ پھر جو ہم نے لحاف سے سر باہر نکالا اور ورڈز ورتھ پڑھنے کا ارادہ کیا تو وہی دس بج رہے تھے۔ اس میں نامعلوم کیا بھید ہے؟

کالج ہال میں لالہ جی ملے۔ کہنے لگے: مسٹر! صبح میں نے پھر آپ کو آواز دی۔ آپ نے جواب نہیں دیا۔"

میں نے زور کا قہقہہ لگا کر کہا: اوہو! لالہ جی! یاد نہیں میں نے آپ کو گڈ مارننگ کہا تھا۔ میں تو پہلے ہی سے جاگ رہا تھا۔"

بولے: وہ تو ٹھیک ہے لیکن بعد میں۔۔۔ اس کے بعد۔۔۔ کوئی سات بجے کے قریب میں نے آپ سے تاریخ پوچھی تھی۔ آپ بولے ہی نہیں؟"

ہم نے نہایت تعجب کی نظروں سے ان کو دیکھا، گویا وہ پاگل ہو گئے ہیں اور پھر ذرا متین چہرہ بنا کر ماتھے پر تیوری چڑھائے، غور و فکر میں مصروف ہو گئے۔ ایک آدھ منٹ تک ہم اس تعمق میں رہے۔ پھر یکایک ایک محبوبانہ اور معشوقانہ انداز سے مسکرا کر کہا: ہاں ٹھیک ہے، ٹھیک ہے!!۔ میں اس وقت۔۔۔ اے۔۔۔ اے نماز پڑھ رہا تھا۔"

لالہ جی مرعوب سے ہو کر چل دیے اور ہم اپنے زہد و تقویٰ کی تسکینی میں سر نیچا کیے کمرے کی طرف چلے آئے۔

اب یہی ہمارا روزمرہ کا معمول ہو گیا ہے۔ جاگنا نمبر ایک چھے بجے۔ جاگنا نمبر دو۔ دس بجے۔ اس دوران میں لالہ جی آواز دیں تو نماز۔

(پطرس کے مضامین)

مشق

پڑھنا

ا۔ پطرس بخاری کی مزاح نگاری کی تکنیک، مقصد اور اسلوب کے حوالے سے درج ذیل عبارت غور سے پڑھیں اور دیے گئے سوالات کے جوابات دیں۔

اسلوب کے لغوی معانی ہیں؛ طرز، طریقہ یا رنگ ڈھنگ ہیں۔ اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا طریقہ یا ادائے مطلب یا خیالات کے بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو کسی صنف نثر یا شعری کی موجودہ روایت میں مصنف یا شاعر کی انفرادیت کی وجہ سے وجود میں آتا ہے۔ اسلوب کو مصنف/شاعر کی شخصیت کا پرتَو اور اس کی ذات کا عکس بھی سمجھا جاتا ہے۔ فکر و خیال کو الفاظ کی صورت میں تحریر کی شکل دی جاتی ہے تو اسلوب جنم لیتا ہے جسے کسی تخلیق کار کا انفرادی طرزِ نگارش کہا جاسکتا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے لکھنے والوں سے منفرد و ممتاز ہو جاتا ہے۔

پطرس بخاری کو اپنے مزاحیہ مضامین کے مجموعے "پطرس کے مضامین" کی بہ دولت شہرت حاصل ہوئی۔ ڈاکٹر عثمان نے کہا کہ ان کی مزاحیہ تحریروں میں ہمیں خالص مزاح کی نہایت ہی نکھری ہوئی اور شستہ صورتیں ملتی ہیں ۔ یہ ایسے مزاح کی مثال ہے جو کسی طنز و تعریض اور تمسخر سے پاک نظر آتا ہے۔ شاید اسی لیے یہ ہلکے پھلکے شگفتہ رنگ کے مضامین؛ کسی کا دل جلانے اور تحقیر کا احساس دلانے کا باعث نہیں بنتے بلکہ ان سے پھوٹنے والا مزاح اور ہنسی، زندگی کی ڈھیر ساری ناگواریوں کے خلاف ایک فطری مدافعت بنتا ہے۔ پطرس بخاری کے مزاحیہ اسلوب کی خصوصیات میں زبان و بیان کا شستہ اور شائستہ استعمال، افسانویت، انگریزی ادبیات اور اسلوب کے اثرات، تحریف نگاری، واقعاتی مزاح، محاورات کا برجستہ استعمال اور کردار نگاری وغیرہ نمایاں ہیں ۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی نے درست کہا کہ پطرس بخاری کا کام کھیل دکھانا ہے؛ لفظوں کا کھیل، فقروں کا کھیل، چست جملوں کا کھیل۔ وٹ (WIT) کا کھیل کھیلتا ہے۔ موقعوں کا کھیل، ڈرامائی حالات کا کھیل؛ پطرس بخاری کا ہر مضمون یہی کھیل دکھاتا ہے۔

سوالات:

الف۔ اسلوب کی تعریف بتائیں۔

ب۔ پطرس بخاری کی تحریروں میں ہمیں کون سی صورتیں ملتی ہیں؟

ج۔ پطرس بخاری کا مزاح کس قسم کے مزاح کی مثال ہے؟

د۔ پطرس بخاری کے اسلوب کی خصوصیات کیا ہیں؟

ر۔ پطرس بخاری اپنی تحریروں میں کس قسم کے کھیل سے طنزیہ اور مزاحیہ کیفیات پیدا کرتے ہیں؟

۲۔ متن کو فہم کے ساتھ پڑھ کر بتائیں کہ پطرس بخاری نے اپنے مضمون میں ہوسٹلز میں رہائش پذیر طلبہ کی زندگی کے حقائق بیان کرنے میں کس حد تک کام یابی حاصل کی ہے؟

۳۔ درج ذیل عبارات پڑھ کر پطرس بخاری کے طرزِ تحریر کی شناخت کریں کہ انھوں نے کس طرح جملے بازی اور موقعے کی مناسبت سے اپنے مضامین میں طنز و مزاح پیدا کیا ہے۔

الف۔ کہتے ہیں کسی زمانے میں لاہور کا حدود اربعہ بھی ہوا کرتا تھا لیکن طلبہ کی سہولت کے لیے میونسپلٹی نے اس کو منسوخ کر دیا ہے۔ اب لاہور کے چاروں طرف بھی لاہور ہی واقع ہے اور روز بہ روز واقع تر ہو رہا ہے۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ دس بیس سال کے اندر لاہور ایک صوبے کا نام ہوگا جس کا دارالخلافہ پنجاب ہوگا۔ یوں سمجھیے کہ لاہور ایک جسم ہے جس کے ہر حصے پر ورم نمودار ہو رہا ہے۔ لیکن ہر ورم موادِ فاسد سے بھرا ہوا ہے۔ گویا یہ توسیع ایک عارضہ ہے جو اس کے جسم کو لاحق ہے۔ (لاہور کا جغرافیہ)

ب۔ اگلے پہیے کے ٹائر میں ایک بڑا سا پیوند لگا تھا جس کی وجہ سے پہیہ ہر چکر میں ایک دفعہ اوپر کو اٹھ جاتا تھا اور میرا سر یوں جھٹکے کھا رہا تھا جیسے کوئی متواتر ٹھوڑی کے نیچے مکے مار رہا ہے۔ پچھلے اور اگلے پہیے کو ملا کر چوں چوں پھٹ پھٹ، چوں چوں کی صدا نکل رہی تھی۔ جب اترائی پر سائیکل ذرا تیز ہوئی تو فضا میں ایک بھونچال سا آگیا۔ لوگ چونکے، ماؤں نے اپنے بچوں کو سینے سے لگا لیا۔ کھڑ کھڑ، کے بیچ پہیوں کی آواز جدا سنائی دے رہی تھی۔

(مرحوم کی یاد میں)

۴۔ اگلے صفحے پر دو عبارات دی گئی ہیں ۔ ایک ڈراما "دستک" سے اور دوسری "سویرے جو کل آنکھ میری کھلی" سے۔ دونوں عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ کریں اور اندازِ بیان پر مختصر تبصرہ کر کے اسے اپنی جماعت کے دیگر ساتھیوں کے سامنے پیش کریں۔ موازنے اور تبصرے کے لیے درج ذیل نکات پیشِ نظر رکھیں:

الف۔ ڈراما ایک ایسی کہانی ہوتی ہے جسے مکالموں اور کرداروں کی حرکت و سکنات کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ موضوع کو کرداروں کے مکالموں سے واضح کیا جاتا ہے۔

ب۔ موضوع کی مناسبت سے ڈرامے کی فضا بنائی جاتی ہے یعنی ڈراما جاسوسی ہے، تاریخی ہے، رومانوی یا سماجی موضوع کا حامل۔

ج۔ کرداروں کے حسبِ حال مکالمے اور دیگر معاملات کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ مکالموں کے ذریعے ڈرامے کی پوری کہانی کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔

د۔ طنز و مزاح میں یا ہلکی پھلکی شگفتہ انشائی تحریروں میں مصنف یا مضمون نگار لفظوں یا مضحکہ خیز صورت حال پیدا کرتا ہے۔ بعض اوقات جملوں کے ذریعے بھی طنز یا مزاح کی صورت پیدا کی جاتی ہے۔

ہ۔ طنز میں تحریر کی زیریں سطح پہ اصلاح کا پہلو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے جب کہ مزاح میں کوئی تحریر محض لطف اندوز یا محظوظ ہونے کے لیے لکھی جاتی ہے۔)

(۱)

ہم نے اپنی ہمت اور اولوالعزمی کو بہت سراہا کہ آج ہم فوراً ہی جاگ اُٹھے۔ دل سے کہا دل بھیا! صبح اُٹھنا تو محض ذرا سی بات ہے۔ ہم یوں ہی اس سے ڈرا کرتے تھے۔ ''دل نے کہا اور کیا تمھارے تو یوں ہی اوسان خطا ہو جایا کرتے تھے۔ ''ہم نے کہا سچ کہتے ہو یار! یعنی اگر ہم سُستی اور کسالت کو خود اپنے قریب نہ آنے دیں تو ان کی کیا مجال ہے کہ ہماری باقاعدگی میں خلل انداز ہوں۔ اِس وقت اِس لاہور شہر میں ہزاروں کاہل لوگ ہوں گے جو دنیا و مافیہا سے بے خبر نیند کے مزے اُڑاتے ہوں گے اور ایک ہم ہیں کہ ادائے فرض کی خاطر نہایت شگفتہ طبعی اور غنچہ دہنی سے جاگ رہے ہیں۔ ابھی کیا برخوردار سعادت آثار واقع ہوئے ہیں'' ناک کو سردی سی محسوس ہونے لگی تو اسے ذرا یوں ہی سا لحاف کی اوٹ میں کر لیا اور پھر سوچنے لگے۔

(۲)

بیگم: تیز ہوا کا شور ہے۔

زیدی: تیز ہوا دروازے پر دستک دیا کرتی ہے! تم جا کے دیکھو تو ذرا۔

بیگم: میں کہتی ہوں کوئی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں!

زیدی: ذرا سنو تو۔ صاف۔ بالکل صاف۔ دستک نہیں تو اور کیا ہے؟

بیگم: آپ کا وہم ہے!

زیدی: دیکھو اب زیادہ زور سے ہونے لگی ہے۔ یہ وہم ہے کیا؟
(پھر اُٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بیگم ان کا ہاتھ پکڑ لیتی ہیں)

بیگم: خدا کے لیے لیٹے رہیے۔ آپ تو خود ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر ہو کر ایسی حرکتیں کر رہے ہیں، اپنی حالت کا ذرا خیال کریں۔

زیدی: تم ایک مرتبہ جا کر دیکھ نہیں آتیں۔

بیگم: میں جانتی ہوں دروازے پر کوئی نہیں۔ خیر دیکھ آتی ہوں۔

(یوں سر کو جنبش دیتی ہیں جیسے اس کام کو بے کار سمجھ رہی ہیں۔ دروازے کی طرف جاتی ہیں۔ زیدی انھیں ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے ہیں۔ بیگم پردے کے پیچھے چلی جاتی ہیں دو تین لمحوں کے بعد پردے سے باہر آتی ہیں۔)

لکھنا

۵۔ درج ذیل میں ایک خبر اور کالم دیا جا رہا ہے۔ آپ ان کی جزئیات کو سمجھتے ہوئے ان پر تنقید و تبصرہ کریں۔ جہاں مشکل پیش آئے اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ سے رہ نمائی حاصل کریں۔

لاہور میں موسلا دھار بارش، 44 سالہ ریکارڈ ٹوٹ گیا

پہاڑی علاقوں میں لینڈ سلائیڈنگ

طغیانی، کاغان سے ہزاروں سیاحوں کا انخلا

14 اگست "آزادی کا دن"

پاکستان ہمارا پیارا ملک ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے ہم نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اسی لیے اس کے اہم دن ہم بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ ان دنوں میں یوم آزادی اہم ترین دن ہے۔

پاکستان بننے سے پہلے پورے برصغیر پر تقریباً سو سال تک انگریزوں کا قبضہ رہا۔ انگریزوں کے قبضے سے پہلے برصغیر پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے مسلمان مسلسل کوشش کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ محنت کا پھل ضرور دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی قربانیاں دینے کے بعد آخرکار 14 اگست 1947ء کو پاکستان بن گیا۔ اس دن برصغیر کے مسلمان انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو گئے اور اپنا ایک الگ ملک حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ملک ہم نے اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے حاصل کیا ہے۔

اس کامیابی کی خوشی میں ہم ہر سال 14 اگست کو تمام دن خاص تقریبات منعقد کرتے ہیں۔ ان بزرگوں کی کوششوں کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے تقریریں کرتے ہیں جنھوں نے عظیم قربانیاں دے کر ہمارے لئے یہ وطن بنایا۔ ان تقریروں میں اس بات پر خاص زور دیا جاتا ہے کہ ہم ان قربانیوں کو ضائع نہ ہونے دیں اور ملک کے چپے چپے کی حفاظت کریں۔ یوم آزادی کی خوشی میں ہر سال عام تعطیل ہوتی ہے البتہ اسکول اور کالج صبح کو کچھ دیر کے لئے کھلتے ہیں۔ سکولوں اور کالجوں کے طالب علم خاص قومی پروگرام بناتے ہیں۔ وطن کی محبت کے نغمے گاتے ہیں۔ تقریریں کرتے ہیں۔

یوم آزادی کے موقع پر سارے ملک کے شہروں اور قصبوں میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ لوگ جوق در جوق گھروں سے باہر آ جاتے ہیں۔ سرکاری اور نجی عمارتوں پر قومی پرچم لہرائے جاتے ہیں۔ کراچی میں لوگ بانیٔ پاکستان قائداعظم کے مزار پر جاتے ہیں۔ قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔

تلخیص نگاری

تلخیص کا مطلب کسی طویل عبارت کو اختصار کے ساتھ اس طرح لکھنا کہ اس کا کوئی اہم نکتہ چھوٹنے نہ پائے۔ تلخیص کی طوالت، عام طور پر اصل عبارت سے کم یعنی ایک تہائی ہوتی ہے۔ تلخیص میں اصل عبارت کے اسلوب کو قائم رکھنا ضروری نہیں ہوتا۔ اسے اپنے انداز سے اور الفاظ میں لکھنا چاہیے۔ اصل عبارت میں دی گئی معلومات اور واقعات کی ترتیب بھی برقرار رکھنی چاہیے۔ تلخیص کے دوران اصل عبارت کے اہم نکات میں ترمیم،

اضافہ، کمی یا بیشی نہیں کی جاسکتی۔ اگر عبارت متعدد پیراگرافوں پر مشتمل ہو تو تلخیص ایک ہی پیرے میں لکھی جائے گی۔ تلخیص میں طویل جملوں کی بجائے مختصر جملے لکھے جاتے ہیں۔

۶۔ درج ذیل عبارت کی تلخیص کریں۔

ایشیا کی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں کہ اچھا بادشاہ ہی رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یورپ کے لوگ جو ایشیا کے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ انتظام قوم کی عزت، بھلائی و خوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم و رواج کا ہو یا گورنمنٹ کا اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو بہت بڑا ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کرتے، اُن کا درجہ سب سے اعلیٰ اور نہایت بیش بہا سمجھتے تھے مگر حقیقت میں یہ سب خیال غلط ہیں۔

قواعد/زبان شناسی

لغت اور تھیسارس کا استعمال

اُردو زبان و ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمارے سامنے بہت سے ایسے الفاظ آتے ہیں جو ہمارے لیے غیر مانوس ہوتے ہیں اور ہم نہ صرف ان کے معانی اور مطالب سے واقف نہیں ہوتے بلکہ اس بات سے بھی بے خبر ہوتے ہیں کہ ان الفاظ کی اصل کیا ہے اور وہ کہاں سے اور کس زبان سے آئے ہیں اور اُردو میں آکر انھوں نے کیا شکل اختیار کی ہے؟ اِسی طرح ان کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں اور ان کے استعمال کا طریقہ کیا ہے؟ یہ سب کچھ جاننے کے لیے لغت کا سہارا لیا جاتا ہے۔

تھیسارس لفظوں کا ارتقا بیان کرتا ہے۔ تھیسارس یونانی زبان سے انگریزی میں آیا ہے اور اس کا مطلب ہے ذخیرہ یا خزینہ؛ بعد میں یہ لفظ خزینۂ الفاظ کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ تھیسارس ہمیں مختلف موضوعات اور تصورات کے بارے میں مناسب لفظوں کی فہرست مہیا کرتا ہے۔ مثلاً: اگر ہم سڑک کے بارے میں جاننے کے خواہش مند ہیں تو تھیسارس ہمیں اس طرح کے الفاظ مہیا کرے گا: پگ ڈنڈی، راہ، راستہ، شاہراہ، خیابان، ہائی وے، روڈ، ذیلی سڑک وغیرہ وغیرہ

۷۔ درج ذیل الفاظ کے معانی سے واقفیت کے لیے تھیسارس اور لغت کا استعمال کرتے ہوئے معانی لکھیں اور ان الفاظ کے درست تلفظ کے فہم کے لیے ان پر اعراب بھی لگائیں۔

غدر، مغموم، جگمگتا، صلاح، مراقبہ، مکلف، واگزاشت، لشکر، کم سن، چھپر

سرگرمی

کالج لائبریری سے ابن انشا کی کتاب "اردو کی آخری کتاب" اور پطرس بخاری کی "پطرس کے مضامین" جاری کرائیں۔ دونوں کتابوں کے کسی ایک ایک مضمون میں درج معلومات اور تصورات کا پیش کش کے لحاظ سے استحسانی اور تنقیدی جائزہ لیں۔ اس جائزے کو استاد محترم/استانی صاحبہ کی رہنمائی میں مکمل کر کے جماعت کے دیگر طلبہ کے سامنے پیش کریں۔

۱۰ بابل کے کھنڈر (دنیا میرے آگے)

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

پڑھنا
- مختلف تحاریر (روداد، مضامین، سفر نامہ، خطوط، اداریے، رپورٹ، اشتہار وغیرہ) کو پڑھ کر ان کے مقاصد کی ترجمانی کر سکیں۔
- نظم/نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف/شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- مختلف تحاریر پڑھ کر ان میں سے عالمی مسائل کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے حل کے لیے تجاویز پیش کر سکیں۔
- عالمی ثقافتوں، معاشرتی معاشی و سماجی رابطوں کے لیے مختلف تحاریر کو پڑھ سکیں اور ان سے معلومات حاصل کر سکیں۔
- عبارت پڑھتے ہوئے علامات اوقاف کا لحاظ رکھ سکیں۔

لکھنا
- متعلقہ معلومات کی فراہمی کے لیے مختلف دستاویزی فارم مثلاً: داخلہ فارم، شناختی کارڈ فارم، ریلوے رعایت کرایہ فارم، مختلف رجسٹریشن فارمز، رکنیت فارم، پاسپورٹ فارم، بینک اکاؤنٹ فارم، قومی بچت فارم، خدمات افادی فارم وغیرہ پُر کر سکیں۔
- آپ بیتی، سفر نامہ، معلوماتی رپورٹ اور یادداشت کے درمیان فرق کو سمجھتے ہوئے ان کی تحریری تخلیق کر سکیں۔
- مختلف سامعین اور مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۲۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔

خاص الفاظ	اِستخوان	آراستہ	خشت	رزمیے	سنجاب
	عظمتِ رفتہ	عینی گواہ	قانون دہندہ	محفوظ الخواص	نفیری

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو آپ بیتی، سفر نامہ، معلوماتی رپورٹ، یادداشت کا فرق بتائیں اور تحریری تخلیق کرنے کی مشق بھی کرائیں۔
- مختلف اداروں کی ویب سائٹ سے مختلف دستاویزی فارمز (داخلہ فارم، شناختی کارڈ فارم، ریلوے رعایت کرایہ نامہ، مختلف رجسٹریشن فارمز، پاسپورٹ فارم وغیرہ) ڈاؤن لوڈ کر کے انھیں طلبہ سے پُر کرائیں۔

جمیل الدین عالیؔ (۱۹۲۶ء۔۲۰۱۵ء)

جمیل الدین عالیؔ کا اصل نام مرزا جمیل الدین احمد خاں ہے۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا آبائی وطن لوہارو ہے جو دہلی کے قریب ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ غالب کے چہیتے شاگرد علاء الدین خان علائی ان کے دادا تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۹۴۰ء میں میٹرک اور ۱۹۴۵ء میں بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ پاکستان آ کر پاکستان ٹیکسیشن سروس سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں جامعہ کراچی سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ وہ انجمن ترقّیِ اردو پاکستان کی روحِ رواں اور اردو آرٹس کالج کے بعد پہلی وفاقی اردو یونی ورسٹی کے بانیوں میں شامل تھے۔ جمیل الدین عالیؔ بنیادی طور پر ایک شاعر ہیں اور غزل گو، گیت (ملی و قومی نغمے) نگار کے طور پر معروف ہیں۔ انھوں نے دوہے بھی لکھے اور اس صنف میں نام پیدا کیا۔ شاعری کے علاوہ آپ نے نثر نگاری میں بھی کمال حاصل کیا۔ اخبارات میں کالم نگاری کے علاوہ ان کے سفر ناموں پر مشتمل کتابیں بھی مستقل حیثیت کی حامل ہیں۔ ان کی ادبی خدمات پر ۱۹۸۹ء میں اِنھیں حکومتِ پاکستان کی طرف سے پہلے صدارتی تمغا برائے حسنِ کارکردگی عطا کیا گیا اور بعد ازاں "ہلالِ امتیاز" سے بھی نوازا گیا۔ جمیل الدین عالیؔ کی نثری تصانیف میں اُن کے دو سفر نامے دنیا مرے آگے اور تماشا مرے آگے شامل ہیں۔ حسد کر چلے، دعا کر چلے اور وفا کر چلے ان کے اخباری کالموں کے مجموعے ہیں۔ ان کے علاوہ حرفے چند بھی ان کی اہم نثری تصنیف ہے، جو اُن کے تحریر کردہ کتب کے مقدمات پر مشتمل ہے۔

جمیل الدین عالیؔ کا اندازِ بیان صاف، شُستہ اور رواں ہے۔ ان کے یہاں زبان کو برتنے کا ایک خاص سلیقہ ہے جو پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

پڑھیں

> **پڑھنے سے پہلے پوچھیں**
>
> - سفر کے متعلق لکھی جانے والی تحریر کو کیا کہتے ہیں؟
> - عراق کا دارالحکومت کون سا شہر ہے؟

کوفے سے ہم بابل کی طرف چلے۔ ایک پکی سڑک پر کار تیزی سے مڑنے لگی۔

پتا نہیں! بابل کوفے سے کتنی دُور ہے۔ موٹر سے کوئی دو گھنٹے کا راستا ہوگا۔ بغداد سے اس کا فاصلہ کوئی پینتالیس، پچاس میل ہے۔

میر صاحب! میں نے کہا: یہ بابل جانے کا کیا طریقہ ہے؟ ارے بھائی۔ رتھ ہوتے جنھیں ساز و سامان سے آراستہ سفید گھوڑے بڑی شان کے ساتھ کھینچتے ہوئے چلتے۔ ایک دو منزل پڑاؤ ہوتا کہ راتوں کو مشعلیں جلتیں، شعرا اپنے رزمیے سناتے۔ مغنی تانیں لگاتے اور صبح پھر نفیریوں کی گونج میں سفر جاری ہو جاتا۔ ٹھیک کہتے ہو میرے بھائی!!" میر خلیل الرحمن، ایک آہ بھر کر بولے مگر افسوس کہ میں سارا دن رتھ میں کھڑے رہنے کی بہ جائے بیٹھ کر ہی مسافت طے کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ آج کل دس پانچ رتھ بنانے کا آرڈر بھی دیا جائے تو کوئی کمپنی تیار نہیں ہوگی اور سفید گھوڑے تو بالکل نایاب ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ وہاں سیر کرو گے یا ان کھنڈروں پر کوئی نئی سلطنت قائم کرنے کی سوچ رہے ہو؟"

بابل!!!! جس کی قدامت اور عظمت کے بارے میں بے شمار کہانیاں روایتیں، اندازے اور انکشافات کتابِ مقدس کے اوراق سے لے کر ہیروڈوٹس یونانی سیاح جیسے عینی گواہوں اور بیسویں صدی کے جرمن ماہرین آثار قدیمہ کی کتابوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔

بابل!! یہاں وہ کنواں تھا جس میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت کو کسی گناہ کی پاداش میں اُلٹا لٹکا دیا گیا تھا، اس کی کہانی یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ان فرشتوں کو اہلِ بابل کی عیاشیوں اور بداعمالیوں کے انسپکشن یعنی معائنے کے لیے بھیجا تھا مگر بعد میں وہ خود اسی چکر میں پھنس گئے جیسے آج بھی بہت سے محکموں کے انسپکٹر پھنس جاتے ہیں۔ بابل!! جو انسانی تاریخ کے اولین بابوں میں شمار ہوتا ہے جہاں اٹھارویں صدی قبل مسیح یعنی اب سے تین ہزار سات سو برس پہلے شہنشاہ حمورابی نے سوسائٹی کے لیے وہ دستور اور قوانین بنائے تھے جن کے سبب وہ "حمورابی قانون دہندہ" کہلاتا ہے۔ حمورابی کی قانون سازی معاشرتی حقوق و فرائض کی پیچ در پیچ عمارت کی پہلی بنیادوں میں شامل ہے۔ تین ہزار سات سو برس پہلے بہت سے ملک تہذیب تو کیا انسانی آبادی سے بھی محروم تھے۔

مگر جو بابل ہم دیکھ رہے ہیں وہ بخت نصر کا بنایا ہوا بابل ہے کیوں کہ حمورابی کا بابل سولھویں صدی قبل مسیح میں بیرونی حملہ آوروں نے بڑی حد تک تباہ کر دیا تھا اور پھر کم زور سلطنتوں کے عروج و زوال میں اسے صدیوں تک اپنی عظمتِ رفتہ واپس نہ مل سکی۔ یہاں تک کہ ساتویں صدی قبل مسیح کے طاقت ور شہنشاہ بخت نصر نے اسے دوبارہ بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ بخت نصر نے چوالیس برس حکومت کی اور اُس کے زمانے میں دجلہ و فرات کے درمیان اس اونچی فصیلوں والے شہر سے وہ تہذیب اُبھری جس کی یادیں اور یادگاریں یورپ و امریکہ کی شان و شوکت سے آنکھیں لڑاتی ہیں۔

بخت نصر؛ دہریہ تھا یعنی خدا یا دیوتاؤں کو نہیں مانتا تھا اور اسی لیے اپنی حوصلہ مندی اور طاقت کے باوجود اپنی قوم میں نامقبول ہو گیا۔ شاید یہی سبب تھا کہ اس کے بعد بادشاہی اس کے خاندان میں قائم نہ رہ سکی اور اس کی موت کے بعد بہت جلد شہنشاہِ ایران سائرس نے بابل پر قبضہ کر لیا۔

ہاں یہ وہی بابل ہے جہاں ہندوستان سے واپسی پر سکندرِ اعظم نے مسلسل تین دن تین رات جشن منایا اور تین دن بیمار رہ کر مر گیا۔ اب وہ بابل کھنڈر ہے۔ آثارِ قدیمہ کا ایک گوشہ ہے اور ہم بیسویں صدی کے کم زور، بے طاقت سیاح اُن محلات کے اِن حصوں میں گھوم رہے ہیں جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ یہاں کوئی پہرے دار نہیں جو ہمیں ان عشرت خانوں میں داخل ہونے سے روک دے، کوئی محتسب نہیں جو ہماری گفت گو پر، ہماری تنقید پر پابندی لگا سکے۔

مجھے بابل کے کھنڈروں میں گھومتے ہوئے ایک عجیب سی آزادی اور خوشی محسوس ہو رہی ہے۔

ہمارا گائیڈ ایک مفلوک الحال عراقی ہے مگر وہ ایک صحت منداور ہنس مکھ آدمی ہے۔ انگریزی صاف اور تیزی سے بولتا ہے۔

ہاؤ بیٹا بخت نصر!!" وہ چوک میں کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے اب ہم سے بات کرو میں روز غیر ملکی سیاحوں کو تمھارے محلات کی سیر کراتا ہوں اور تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم اس ملک کے سب سے زیادہ باجبروت بادشاہ تھے۔ تمھاری آنکھ کے ایک اشارے پر موت اور دوسرے پر زندگی رقص کرتی تھی۔ اب بولو بیٹا۔!! میں تمھارے دارالسلطنت کے دل میں کھڑا ہو کر تمھیں القاب و آداب کے بغیر پکار رہا ہوں۔ کہاں ہیں؟ تمھاری سوار اور پیادہ فوجیں کہاں ہیں؟ کہاں ہیں تمھارے خفیہ اور باوردی محتسب، تم ایک مطلق العنان شہنشاہ تھے مگر تم مر گئے اور ختم ہو گئے اور تمھارا جاہ و جلال اور دبدبہ تمھارے ساتھ ختم ہو گیا اور میں ایک چھوٹا آدمی ہوں مگر میں زندہ ہوں اور زندہ رہوں گا۔ میں عامی ہوں عام آدمی۔ تاریخ تم پر ہنستی اور مجھ سے شرماتی ہے۔"

بخت نصر کوئی جواب نہیں دیتا کسی سمت سے کوئی تیر نہیں چلتا جو اس کے سینے میں پیوست ہو جائے۔ کوئی تلوار کوئی خنجر نہیں جو اس کی زبان قلم کر دے۔ یہ عراقی گائیڈ مخبوط الحواس سہی مگر اس کی زبان وقت کی زبان ہے جو کٹ نہیں سکتی۔ آج وہ شہنشاہ جس کے نام سے عراق اور شام اور ایران کانپتے تھے ایک معمولی سے گستاخ گائیڈ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ہاں موت سب کو آتی ہے مگر وہ اچھی طرح یاد کیے جاتے ہیں جنھوں نے کچھ کام دوسروں کے لیے بھی کیا ہو۔ کل میں امام حسینؑ کی قتل گاہ بھی دیکھ آیا ہوں جن کی موت اس طرح ہوئی تھی کہ ان کی لاش کو سینکڑوں گھوڑ سواروں نے تپتی ہوئی دھوپ میں روندا تھا اور بخت نصر کی موت اس طرح ہوئی ہو گی کہ بے شمار فوجوں کے پیچھے سیکڑوں کنواریاں ریشمی لبادے پہنے خوش بوئیں لگائے، میٹھی میٹھی آوازوں میں گیت گاتی ہوئی اس کا تابوت کھینچ کر سونے چاندی سے لپے ہوئے مندر میں لے گئی ہوں گی اور لاکھوں روپے اس کی آخری رسموں پر خرچ ہوئے ہوں گے۔

مگر میں امام حسینؑ کے مزار پر رویا اور روتا رہا اور بخت نصر کے محل پر مجھے ہنسی آتی ہے اور شاید یہ ہنسی عبرت کا ایک ذریعہ اظہار ہے۔

اُونچے اُونچے مکاں تھے جن کے بڑے
آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے
عطر، مٹی کا جو نہ ملتے تھے
نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردشِ چرخ سے ہلاک ہوئے
استخواں تک بھی اُن کے خاک ہوئے

اور ان استخوانوں کی خاک پر کھڑے ہو کر ہم شہر بابل کا تماشا دیکھتے ہیں۔

اس مقام کا سب سے زیادہ پُر اثر منظر بابِ عشتار کا ہے۔ عشتار گیٹ یا اُردو کے چٹخارے میں عشتاری دروازہ جو سرخی مائل پکی اینٹوں کا بنا ہوا کئی گز اُونچا دروازہ ہے۔ گویا وسطِ شہر میں ایک یادگار عمارت تھی جس کے بیچ میں سے ایک شاہراہِ جلوس کوئی نصف میل تک سیدھی چلی جاتی ہے۔ دروازہ عشتار دیوی سے منسوب ہے۔ یہ دروازہ اژدھوں اور جوان بیلوں کی تصویروں سے مزین ہے جو اینٹوں پر کھودی گئی ہیں۔ یہاں سے جو شاہراہِ جلوس سامنے جاتی ہے اس کے دونوں طرف کی دیواروں پر ببر شیروں کے ایک سو بیس نقوش کھود دیے گئے تھے۔ خود بابِ عشتار پر ایک اندازے کے مطابق ساڑھے پانچ سو اژدھوں اور بیلوں کے نقوش بنائے گئے تھے۔ دروازے کے اوپر اس حصے پر جس کے قریب میں کھڑا تھا، رنگ دار چمکیلی اینٹیں چسپاں ہیں۔ ان اینٹوں پر رنگ کی تہ چڑھائی گئی تھی جو پونے تین ہزار برس گزر جانے پر بھی اسی طرح قائم ہے۔ تہذیبِ بابل پر تحقیق کرنے والوں نے سلطنتِ بابل و نینوا کے سیکڑوں آثار ان گنت کتابوں میں مذکور کیے ہیں جو جانوروں اور انسان نما جانوروں کی تصویروں اور وضاحتی علامتوں سے پُر ہیں۔ یہ

علامتیں طرح طرح کے خوف و عزائم کی کہانیاں سناتی ہیں۔

بابِ عشتار کے جنوب مغرب میں شاہی محلات کا علاقہ ہے جو تیرہ ایکڑ زمین میں پھیلا ہوا تھا۔ ایک محل کے سامنے کھڑے ہو کر میں بڑی اتراہٹ کے مارے ادھر اشارہ کرتے ہوئے تصویر کھنچواتا ہوں (اور بعد میں اس چھچھپنے پر شرماتا ہوں) یہی وہ علاقہ ہے جہاں سے بابل کی دولت و حشمت کے غلغلے اس طرح اُٹھے کہ ان کے ارتعاش آج بھی ہمارے ادب میں صاف سنائی دیتے ہیں۔

یہ شہر تقریباً ڈھائی ہزار برس قبل مسیح سے لے کر سکندر اعظم کے زمانے تک پوری ہم عصر اور بعد کی دنیا کے لیے ایک مرقع حیرت بنا رہا۔ جہاں اکادی رسم الخط اور طرزِ تحریر پیدا ہوا، جہاں دنیا کی پہلی انسائیکلوپیڈیا ترتیب دی گئی، جہاں چھتوں پر باغ تھے، ہینگنگ گارڈن، جہاں سڑکیں ایک دوسرے کو سیدھی اس طرح کاٹتی تھیں جیسے نیویارک کی سڑکیں ایک دوسرے کو قطع کرتی ہوئی چلتی ہیں۔ اس وقت یورپ اور امریکہ میں بسنے والی قومیں شاید کھالیں پہن کر ستر پوشی کرتی ہوں گی، جب بابل کے صنعت کار ریشم و سنجاب کے ملبوسات تیار کر کے ہندوستان اور مصر بھیجتے تھے۔

تو یہ ہے بابل!!!! سُرخ پختہ اینٹوں اور نیلی اور زرد چمک دار اینٹوں کا ویرانہ، بے شمار دیوی دیوتاؤں کا معبد، حمورابی اور بخت نصر اور سکندر اور سائرس کا بابل۔ ہاں یہ بابل ہے جو کسی مورخ یا مبصر یا اہلِ دل کے الفاظ میں پہلے شہرِ عظیم تھا اور اب صحرائے عظیم ہو کر رہ گیا ہے۔

اے آنکھوں والو دیکھو اور عبرت پکڑو!!!!!

(دنیا میرے آگے)

مشق

پڑھنا

۱۔ سبق کو پڑھ کر درج ذیل سوالات کے جوابات دیں۔

الف۔ میر صاحب نے بابل جانے کا کیا طریقہ بتایا؟

ب۔ میر خلیل الرحمان کے مطابق رتھ میں سفر کرنے میں کیا مشکلات پیش آسکتی تھیں؟

ج۔ مصنف نے بخت نصر اور حمورابی کے متعلق جو معلومات دی ہیں انھیں اپنے الفاظ میں لکھیں۔

د۔ بابل کے کھنڈروں میں گھومتے ہوئے مصنف کو ایک عجیب سے آزادی کیوں محسوس ہو رہی تھی؟

و۔ میں ایک چھوٹا آدمی ہوں، مگر میں زندہ ہوں اور زندہ رہوں گا۔'' بخت نصر کے محل کے کھنڈرات میں کہے گئے مفلوک الحال عراقی گائیڈ کے اس جملے کی وضاحت کریں۔

ہ۔ بابِ عشتار کے متعلق مصنف نے کیا کیا معلومات دی ہیں، مختصراً لکھیں۔

۲۔ اگلے صفحے سرسید کے تحریر کردہ مضامین (اپنی مدد آپ، گزرا ہوا زمانہ)، اور ''علامہ اقبال کے خطوط بہ نام قائدِ اعظم'' کے اقتباسات دیے جا رہے ہیں تاکہ آپ اس بات سے آگاہ ہو سکیں کہ سرسید احمد خان نے اپنی تحریروں کے ذریعے کس طرح ہماری سماجی زندگی میں تبدیلی لانے کی کوشش کی اور علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کے درمیان مسلمانانِ ہند کی جدوجہدِ آزادی میں فعال اور متحرک کردار ادا کرنے کے حوالے سے کس حد تک اتفاق اور ذہنی ہم آہنگی تھی۔ ان تحاریر کے مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر سماجی زندگی کا مطالعہ کریں کہ ہم کس حد تک ان مقاصد کی ترجمانی کرتے ہیں۔

(i)

قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت، شخصی عزت، شخصی ایمان داری اور شخصی ہم دردی کا۔ اسی طرح قومی تنزل مجموعہ ہے شخصی سُستی، شخصی بے عزتی، شخصی بے ایمانی، شود غرضی اور شخصی برائیوں کا۔ ناتہذیبی و بد چلنی جو اخلاقی و تمدنی یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے، در حقیقت وہ خود اس شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوششوں سے ان برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کر دیں تو یہ برائیاں کسی اور نئی صورت میں اس سے بھی زیادہ زور و شور سے پیدا ہو جاویں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ دی جاوے۔ اے میرے عزیز ہم وطنو! اگر یہ رائے صحیح ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قوم کی سچی ہم دردی اور خیر خواہی کرو۔ (اپنی مدد آپ)

(ii)

یہ سُن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کُود پڑا اور خوشی سے پکارا:

اوہ! یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے، میں کبھی اس بُڈھے کی طرح نہ پچھتاؤں گا اور ضرور اس دلہن کو بیاہوں گا جس نے ایسا خوب صورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا۔ او خدا! او خدا! تُو میری مدد کر، آمین!!

پس اے میرے پیارے نوجوان ہم وطنو اور اے میری قوم کے بچو!! اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو تاکہ اخیر وقت میں اس بُڈھے کی طرح نہ پچھتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو اخیر ہے۔ اب خدا سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے۔ آمین!

(گزرا ہُوا زمانہ)

(iii)

لاہور، ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء

محترم جناح صاحب!

میرا خیال ہے کہ آپ نے پنڈت جواہر لال نہرو کا وہ خطبہ جو انھوں نے آل انڈیا نیشنل کنونشن میں دیا ہے پڑھا ہو گا اور اس کے بین السطور جو پالیسی کار فرما ہے اس کو آپ نے بہ خُوبی محسوس کر لیا ہو گا۔ جہاں تک اس کا تعلق ہندوستان کے مسلمانوں سے ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آپ بہ خوبی آگاہ ہیں کہ نئے دستور نے ہندوستان کے مسلمانوں کو کم از کم اس بات کا ایک نادر موقع دیا ہے کہ وہ ہندوستان اور مسلم ایشیا کی آئندہ سیاسی ترقی کے پیشِ نظر اپنی قومی تنظیم کر سکیں۔ آپ جلد از جلد دہلی میں آل انڈیا مسلم کنونشن منعقد کریں جس میں شرکت کے لیے نئی صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کے علاوہ دوسرے مقتدر مسلم رہ نماؤں کو بھی مدعو کریں۔ اس کنونشن میں پوری قوت اور قطعی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں کہ سیاسی مطمعِ نظر کی حیثیت سے مسلمانانِ ہند ملک میں جداگانہ سیاسی وجود رکھتے ہیں۔ اگر آپ ایسا کنونشن منعقد کر سکیں تو پھر ایسے مسلم اراکین اسمبلی کی حیثیتوں کا امتحان ہو جائے گا جنھوں نے مسلمانانِ ہند کی امنگوں اور مقاصد کے خلاف جماعتیں قائم کر رکھی ہیں۔ مزید برآں ہندوؤں پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ کوئی سیاسی حربہ خواہ کتنا ہی عیارانہ کیوں نہ ہو پھر بھی مسلمانانِ ہند اپنے ثقافتی وجود کو کسی طور پر نظر انداز نہیں کر سکتے۔ میں چند روز تک دہلی آ رہا ہوں اس مسئلے پر آپ سے گُفت گو ہو گی۔ میرا قیام افغانی سفارت خانے میں ہو گا۔ اگر آپ کو فرصت ہو تو وہیں ملاقات ہونی چاہیے۔ از راہ کرم اس خط کے جواب میں چند سطور جلد از جلد تحریر فرمائیے۔

آپ کا مخلص

اقبال۔ بار ایٹ لا

(علامہ اقبال کا خط بہ نام قائدِ اعظم۔ انگریزی سے اردو ترجمہ محمد جہانگیر عالم)

۳۔ مسئلہ فلسطین رفتہ رفتہ ایک ایسے عالمی مسئلے کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے کہ اندیشہ پیدا ہونے لگا ہے کہ مختلف ممالک کا باہم مسلح تصادم شروع ہو کر تیسری عالمی جنگ کی صورت نہ پیدا کردے۔ فلسطینیوں کی جدوجہد آزادی کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے اسرائیل کے قبضے، تسلط، جارحانہ ظالمانہ کارروائیوں کے حوالے سے عالمی ضمیر مردہ دلی اور بے حسی کا شکار ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے ضروری ہے کہ فلسطینیوں کی آزاد ریاست کے حق کو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم کے ذریعے تسلیم کرایا جائے تاکہ اہل فلسطین اپنے معاشی، معاشرتی، سیاسی، مذہبی معاملات میں آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں۔ جمیل الدین عالی کی لکھی ہوئی درج ذیل تحریر کو پڑھیں اور اس میں موجود عالمی مسئلہ فلسطین کے ذکر کی نشان دہی کرتے ہوئے اس کے حل کی تجاویز پیش کریں۔

فلسطین کے لاکھوں مہاجر، مختلف عرب ملکوں میں آباد ہو گئے ہیں مگر لاکھوں غیر آباد ہیں اور صرف مہاجر ہیں۔ کہنے کو اقوام متحدہ کا ایک ادارہ برائے مہاجرین فلسطین، قائم ہے جس کا صدر دفتر بیروت میں ہے مگر ان کی حالت ایسے خوش حال شہر میں بھی خراب ہے۔ ان میں سے کچھ ہم مہاجرین کے چھوٹے نوابوں اور سابقہ رئیسوں جیسے مہاجر بھی ہیں۔ انھوں نے ہجرت کو پیشہ بنالیا ہے مگر بیشتر وہ ہیں جو فلسطین میں کھاتے پیتے اور محنت کرتے ہیں۔ فلسطینی مہاجرین کی ہجرت کے واقعات، تقسیم ہند والے فسادات جیسے ہی جاں گداز اور شرم ناک ہیں۔ جب میں ایسی کوئی داستان سُنتا ہوں تو روشن اور خوش حال اور حسین بیروت کی کھلی فضائیں میرا دم گھونٹ دیتی ہیں۔

اب میں خوب صورت اور روشن بیروت کی بلند ہوتی ہوئی عمارتوں سے بور ہوتا جاتا ہوں۔ اسٹیڈیم میں دو چار بڑے کھیل ہوئے مگر گرمی سے لوگ بولا گئے ہیں اور پہاڑوں کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ پہاڑوں کے ادھر دمشق ہے۔ شام کا دارالخلافہ اور اس سے پہلے بعلبک، جہاں رومنوں کے قدیم آثار ہیں۔ ساٹھ لیرے میں دمشق آنا جانا اور ایک وقت کا کھانا طے ہو سکتا ہے۔ ایک صبح ہوٹل لارڈز میں، ایک یورپین جوڑا، دمشق جانے کی تیاری کر رہا تھا اور میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔

۴۔ درج ذیل عبارت کو علامات اوقاف کا لحاظ رکھ کر پڑھیں۔

کون جارہا ہے پاکستان؟'' بڑے چچا نے صحن میں قدم رکھتے ہی بوکھلا کر پوچھا۔ انھوں نے اماں کی باتیں سن لی تھیں۔

میں اور عالیہ جائیں گے اور کسے جانا ہے؟'' اماں نے تڑاخ سے جواب دیا۔

کوئی نہیں جاسکتا، میری اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں نکال سکتا، کس لیے جاؤگے پاکستان؟ یہ ہمارا ملک ہے، ہم نے قربانیاں دی ہیں اور اب ہم اسے چھوڑ کر چلے جائیں؟ اب تو ہمارے عیش کرنے کا وقت آرہا ہے۔'' بڑے چچا سخت جوش میں تھے۔

ماشاءاللہ! آپ بڑے حق دار بن گئے، نہ کھلانے کے نہ پلانے کے، کون سا دُکھ تھا جو یہاں آکر نہیں جھیلا، میرے شوہر کو بھی آپ ہی نے چھین لیا، آپ ہی نے اُنھیں مار ڈالا۔ میری لڑکی کو یتیم کر دیا اور اب حق جتا رہے ہیں۔'' مارے غصے کے اماں کی آواز کانپ رہی تھی۔

بڑے چچا میں تو اماں کا واحد سہارا ہوں، میں انھیں کس طرح چھوڑ دوں، وہ ضرور جائیں گی مگر آپ کو نہیں معلوم کہ یہ گھر چھوڑ کر میں کس طرح تڑپوں گی، آپ۔۔۔ تو۔۔۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں منھ چھپا کر سسکنے لگی۔

لکھنا

رپورٹ، سفرنامے، رُوداد اور یادداشت / آپ بیتی میں فرق:

(i) تجزیاتی رپورٹ:

تحریر کے ذریعے پیش آنے والے واقعات، حادثات کو علمی، ادبی اور فنی خوبیوں کے ساتھ پیش کرنا رپورتاژ کہلاتا ہے۔ گویا حقائق کو مسخ کیے بغیر ادبی

اور فنی خوبیوں کے ساتھ چشم دید واقعات اور حالات پر مبنی تحریر کو رپورٹ یا رپورتاژ کہتے ہیں۔

(ii) سفر نامہ:

سفر نامہ نگاری باقاعدہ ایک صنف کی حیثیت سے اپنی شناخت بنا چکی ہے۔ سفری مشاہدات، تجربات اور وہاں کی تہذیب، تاریخ، معاشرتی زندگی اور دیگر اقدار کی بنیاد پر مرتب کردہ روداد سفر نامہ نگاری کہلاتی ہے۔ جب کوئی سفر کے لیے اندرونِ ملک یا بیرونِ ملک نکلتا ہے تو وہ اپنے سفر کے تمام حالات و واقعات کو قلم بند کرے تو ایسی تحریر کو سفر نامہ کہتے ہیں۔ سفر نامہ کسی علاقے، خطے یا ملک کی تاریخ، جغرافیہ، تہذیب و تمدن اور معاشی و معاشرتی حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ یعنی سفر نامہ نگار ایک اجنبی مقام کی سیر کے دوران تحیّر اور تجسّس کی جس کیفیت سے گزرتا ہے اسے افسانوی رنگ دے کر دلچسپ اور معلومات افزا بنا کر قاری تک پہنچاتا ہے۔

اردو ادب میں یہ صنف دورِ جدید میں ترقی یافتہ شکل میں ابھر کر سامنے آئی ہے۔ اُردو زبان کے پہلے سفر نامہ نگار یوسف کمبل پوش ہیں۔

(iii) ۔رُوداد:

کسی تقریب، اجلاس، مشاعرے یا حادثے کی صورت حال اور کیفیت یعنی جو کچھ وہاں پیش آیا، اسے قلم بند کرنا روداد کہلاتا ہے۔ رُوداد" فارسی زبان کا لفظ ہے جسے انگریزی میں Reporting کہتے ہیں۔ میٹرک کے طلبہ کو جس روداد نگاری سے آگاہی دینا مقصود ہے وہ کالج میں منعقد ہونے والے کسی مباحثے، مشاعرے، مذاکرے یا جلسے کی کارروائی کو تحریر کرنا ہے۔ رُوداد میں کارروائی کو اپنے مشاہدے کی بنیاد پر انتہائی اختصار کے ساتھ جامع انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے۔

(iv) ۔یادداشت / آپ بیتی

ڈائری کو اردو میں روز نامچہ، یاد نگاری اور یادداشت کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایک انتہائی ذاتی نوعیت کی تحریر ہوتی ہے جس میں لکھنے والے کی دل چسپی، اس کے خیالات، اور شخصیت کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ یادداشت اس وقت اہم تصور ہوتی ہے جب اس میں لکھنے والے کے ساتھ ساتھ پڑھنے والے کے لیے بھی دل چسپی کا سامان موجود ہو۔ یادداشتیں لکھنے والا زندگی میں نہ صرف اہم مقام و مرتبے کا حامل ہو بلکہ عوام میں مقبول بھی ہو۔ یادداشتیں یا ڈائری لکھنے والا اپنی ذات کے علاوہ حالاتِ حاضرہ اور دیگر معاملات کو بھی زیرِ بحث لاتا ہے۔ خواجہ حسن نظامی اور حکیم محمد سعید کی یادداشتیں یا روزنامچے اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔

آپ بیتی ایک طرح سے ذاتی احوال اور یادداشتوں کا بیان ہے یعنی ایک شخص جن حالات و واقعات سے گزرا ہوتا ہے، انھیں ادبی تحریر کی صورت میں پیش کر دے تو یہ آپ بیتی کہلائے گی۔ اردو ادب میں بہت سی دل چسپ آپ بیتیاں لکھی گئی ہیں۔ آپ بیتی کو خود نوشت بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں اپنی ذاتی کو خود قلمبند کیا جاتا ہے۔ اردو میں قدرت اللہ شہاب، جوش ملیح آبادی، میرزا ادیب، حسرت موہانی، خواجہ حسن نظامی، عصمت چغتائی، امرتا پریتم، ڈاکٹر مبارک علی، قرۃ العین حیدر، شوکت تھانوی، ڈاکٹر وزیر آغا، مشتاق احمد یوسفی، کرنل محمد خان، صدیق سالک اور مولانا محمد تقی عثمانی کے علاوہ متعدد ایسے نام لیے جاسکتے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے منفرد اسلوب میں آپ بیتی لکھ کر اردو زبان و ادب کو زرخیز بنایا۔ آپ بیتی کی دو اقسام ہو سکتی ہیں یعنی شخصی آپ بیتی، نصابی آپ بیتی۔

سرِدست ہمارا موضوع نصابی آپ بیتی ہے جو کہ فرضی، خیالی یا غیر انسانی آپ بیتی ہے۔ اس قسم کی آپ بیتی میں یہ بات فرض کر لی جاتی ہے کہ کسی چیز کو قوتِ گویائی مل گئی ہے اور وہ اپنی زندگی کی مفصل رُوداد بیان کر رہی ہے۔ آپ بیتی صیغہ واحد متکلم میں لکھی جاتی ہے یعنی میں، مجھے، میرے جیسے الفاظ استعمال کرنا۔ مثال کے طور پر: میں ایک کرسی ہوں، میں ایک کمپیوٹر ہوں۔ اس سرگذشت میں زندگی کا آغاز وارتقا اور مختلف حالات و واقعات کا ذکر ہوتا ہے۔ ایک اچھی آپ بیتی کو سادہ مگر دل چسپ اور بے ساختہ ہونا چاہیے جس میں معلومات اور مشاہدہ، قوتِ تخیل، تحریری مشق جیسی باتوں کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔

۷۔ آپ نے کسی تفریحی یا تاریخی مقام کی سیر کرنے کی غرض سے سفر کیا ہوگا۔ اس کی سفری روداد یا معلوماتی رپورٹ تیار کریں جس میں درج ذیل معلومات موجود ہوں:

- یہ سفر یا رُوداد کس تاریخ یا دن کی ہے؟
- سفری رُوداد کس مقام کی ہے؟
- سفر میں شامل لوگوں کی تعداد کتنی تھی؟
- یہ سفر کتنے دورانیے پر مشتمل ہے؟
- سفر میں شرکا کس حد تک محظوظ / لطف اندوز ہوئے؟
- سفر کا اختتام کن جذبات و احساسات / تاثرات کے ساتھ ہوا؟
- سفری روداد یا معلوماتی رپورٹ لکھ کر کلاس کے دیگر طلبہ کو سنائیں۔

THIS FORM IS FOR OFFICE RECORD ONLY AND WILL NOT BE USED AS BIRTH REGISTRATION CERTIFICATE

NADRA

درخواست فارم برائے کمپیوٹرائزڈ برتھ رجسٹریشن

[illegible]

Applicant's Name	________	________	درخواست دہندہ کا نام
Applicant's CNIC No	________	________	درخواست دہندہ کا شناختی کارڈ نمبر
Child's Name	________	________	بچے کا نام
Relation	________	________	بچے کا درخواست دہندہ سے رشتہ
Gender	________	________	جنس
Religion	________	________	مذہب
Father's Name	________	________	والد کا نام
Father's CNIC No	________	________	والد کا شناختی کارڈ نمبر
Mother's Name	________	________	والدہ کا نام
Mother's CNIC No	________	________	والدہ کا شناختی کارڈ نمبر
Distt./Cantt Area of Birth	________	________	پیدائش کا ضلع / چھاؤنی
Date of Birth	________ عیسوی	گھر ☐ ہسپتال ☐	جائے پیدائش
Vaccinated	☐ Yes ☐ No	________	حفاظتی ٹیکے
Disability	________	________	معذوری
	________		پتہ
Address	________		
District	________ ضلع	________	نمبر
	________ تاریخ	________	دستخط درخواست دہندہ

برائے دفتری استعمال

عمل ☐ کیس ☐

دستخط کنندہ ________ تاریخ ________

نام ________

☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐☐

۶۔ روزمرہ زندگی میں ایک شہری کی حیثیت سے معلومات کی فراہمی یا حصول کے لیے شناختی کارڈ فارم، ریلوے رعایت کرایہ نامہ، بینک اکاؤنٹ فارم اور دیگر دستاویزی فارم وغیرہ پُر کرنے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ اگرچہ فی زمانہ زیادہ تر چیزیں آن لائن یا کمپیوٹرائزڈ ہی ہو چکی ہیں اور متعلقہ محکمے اپنے ڈیٹا انٹری آپریٹرز کے ذریعے ہی آپ کی معلومات کا اندراج آپ سے پوچھ کر ہی کرتے ہیں لیکن ذاتی طور پر معلومات کی فراہمی یا حصول کی ضرورت بھی درپیش رہتی ہے۔ کم و بیش تمام متعلقہ فارم سرکاری اداروں کی ویب سائیٹ سے بآسانی ڈاؤن لوڈ کیے جا سکتے ہیں۔ آپ کو جہاں مشکل پیش آئے اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ سے رہ نمائی لیں۔ آپ کی رہ نمائی کے لیے گزشتہ صفحے پر نمونے کا فارم دیا گیا ہے۔ اسے اپنے استادِ محترم/استانی صاحبہ کی نگرانی میں پُر کریں۔

۷۔ (i) اتوار کے دن کسی اخبار کا میگزین لیں اس میں موجود آپ بیتی، سفر نامہ، معلوماتی رپورٹ، یادداشت وغیرہ میں سے کسی ایک کو غور سے پڑھیں اور اس میں سے درج ذیل معلومات حاصل کر کے اسے اپنے الفاظ تحریر کریں۔

الف۔ تحریر لکھنے والے کا نام کیا ہے؟ ب۔ تحریر کا موضوع کیا ہے؟

ج۔ تحریر کے مخاطب کون ہیں؟ (طلبہ/اساتذہ/کاروباری طبقہ/سیاست دان/علمی ادبی حلقہ/عوام الناس)

د۔ تحریر میں کس شہر/گاؤں/آبادی کا ذکر ہے؟

(ii) ایک پرانے کوٹ کی آپ بیتی لکھیں۔

(iii) ایک طالب علم کی ایک دن کی ڈائری/یادداشت تحریر کریں۔

۸۔ مختلف سامعین اور مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۲۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھیں جس میں سکتہ، وقفہ، رابطہ، ختمہ، واوین، قوسین، استفہامیہ جیسے رموزِ اوقاف کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہو۔

i قدرتی وسائل کا تحفظ	ii سوشل میڈیا کے آداب
iii حقوقِ نسواں	iv۔ قانون کا احترام اور پابندی

سرگرمی

i۔ ابن انشا کے لکھے ہوئے سفر نامے "ابن بطوطہ کے تعاقب میں" یا جمیل الدین عالی کے لکھے ہوئے سفر نامے "دنیا میرے آگے" کو عالمی ثقافتوں، معاشرتی، معاشی و سماجی رابطوں کے حوالے سے غور سے پڑھیں اور ان سے بالخصوص عراق، بیروت اور لندن کے متعلق معلومات اخذ کریں۔

۱۱ کچھ ذریعۂ تعلیم کے بارے میں

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

پڑھنا
- مفہوم برقرار رکھتے ہوئے متفرق طریقوں سے عبارت یا جملوں میں تبدیلی کرتے ہوئے انھیں مزید آگے بڑھا سکیں۔
- مختلف تحاریر (روداد، مضامین، سفرنامہ، خطوط، اداریے، خبریں، رپورٹ، اشتہار وغیرہ) پڑھ کر ان کے مقاصد کی ترجمانی کر سکیں۔
- پڑھے گئے متن کے کسی حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار رائے کر سکیں۔
- کسی بھی نثرپارے میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
- لائبریری کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب کو سمجھتے ہوئے اس کو استعمال کر سکیں۔

لکھنا
- مضمون نویسی کے مختلف انداز تحریر (بیانیہ، مدلل، بحثی اور تفصیلی) کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف موضوعات کو قلم بند کر سکیں۔
- ہدایات اور اشارات کے مطابق کسی نادیدہ اقتباس کی تفہیم / تنقید و تجزیہ / تبصرہ کر سکیں۔

خاص	اَشیائے تعیُّش	اَندیشہ	آب یاری	تَصفِیہ	تَتَبُّع
الفاظ	رائے عامہ	ساقِط	غُنچی	گُڑگُڑی	مُشتقّات

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو قومی زبان کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کریں۔ انھیں بتائیں کہ اردو ایک لشکری زبان ہے۔ اس میں نہ صرف عالمی زبانوں کے الفاظ موجود ہیں بلکہ مختلف علاقائی زبانوں کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔
- طلبہ کو سکول کی لائبریری لے کر جائیں اور اس کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب کے متعلق سمجھائیں اور پھر تمام طلبہ کو باری باری اسے استعمال کرتے ہوئے کسی موضوع پر کوئی کتاب ڈھونڈنے کا کہیں۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (۱۹۱۶ء۔ ۱۹۹۴ء)

پروفیسر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی؛ ماہر لسانیات، محقق، ماہر تعلیم، نقاد، جامعہ کراچی کے شعبہ اردو کے سربراہ اور کولمبیا یونی ورسٹی کے وزٹنگ پروفیسر تھے۔ ابواللیث صدیقی ۱۵ جون ۱۹۱۶ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے آگرہ، بدایوں اور علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی۔ وہ علی گڑھ یونی ورسٹی سے اردو ادب میں پی ایچ ڈی کرنے والے پہلے اسکالر تھے۔ انھوں نے ۱۹۴۳ء میں دبستان لکھنؤ پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ابواللیث صدیقی ابتدا میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے وابستہ رہے۔ ۱۹۴۸ء میں لندن اسکول آف ایشین اینڈ افریقن اسٹڈیز چلے گئے اور شمالی ہندوستان میں ہند آریائی زبانوں پر تحقیق کی۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے آئے۔ پہلے لاہور اور پھر کراچی میں سکونت اختیار کی۔ ابواللیث صدیقی؛ اورینٹل کالج لاہور اور جامعہ کراچی کے شعبہ اردو سے وابستہ ہوئے اور اردو شعبہ کے سربراہ رہے۔ اسی دوران انھوں نے کچھ عرصے تک اردو لغت بورڈ کراچی کے مدیر اعلیٰ کی خدمات بھی سرانجام دیں۔ اہم تصانیف میں: لکھنؤ کا دبستان شاعری، کلیات مصحفی، غزل اور متغزلین، (۱۹۶۸ء)، آج کا اردو ادب (۱۹۷۵ء)، تاریخ زبان و ادبیات اردو، تاریخ اصول تنقید، جدید اردو ادبیات، جامع القواعد (حصہ صرف) ۱۹۷۱ء، رفت و بود (خود نوشت)، اردو میں سائنسی ادب کا اشاریہ (۱۹۸۱ء)، تجربے اور روایت (اکتوبر ۱۹۵۹ء)، مصحفی اور ان کا کلام، جرات: اس کا عہد اور شاعری نظیر اکبر آبادی: اس کا عہد اور شاعری، تاریخ زبان و ادب اردو اور بیسویں صدی کا اردو ادب شامل ہیں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ۷ ستمبر ۱۹۹۴ء کو کراچی میں وفات پا گئے اور جامعہ کراچی کے قبرستان میں سپردِ خاک ہوئے۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- ذریعۂ تعلیم سے کیا مراد ہے؟
- پاکستان میں ذریعۂ تعلم کس زبان میں ہونا چاہیے؟ اپنی رائے دیں

ذریعۂ تعلیم کے باب میں ہمارے ملک میں کوئی ڈیڑھ سو سال سے گفت گو ہو رہی ہے۔ دنیا کے شاید ہی کسی ملک میں کسی مسئلے کے تصفیے نے اتنا وقت لیا ہو اور بد قسمتی یہ ہے کہ ہم اب بھی اتنی مدت کے بعد کسی متفقہ فیصلے پر نہیں پہنچے۔ میں نے جو ڈیڑھ سو سال کہے ہیں تو یہ کوئی مبالغہ یا شاعرانہ بات نہیں ہے کیوں کہ خوش قسمتی یا بد قسمتی کہیے کہ میں شاعر نہیں ہوں اور نہ شعر میں مبالغہ پسند کرتا ہوں۔

جب تک فارسی اس ملک کی سرکاری اور دفتری زبان رہی یہی ہماری علمی اور ادبی زبان رہی لیکن اس کی حیثیت ایک اجنبی اور غیر ملکی زبان کی نہ تھی۔ فارسی یہاں کے لوگوں کے گھروں میں بولی جاتی تھی۔ بعض لوگوں کی مادری یا پدری زبان تھی اور یہاں کے لوگوں کی بھی یہ ثانوی زبان بن گئی تھی اور اتنی عام ہو گئی تھی کہ لوگ اس میں شعر کہتے تھے۔ دیوان اور مجموعے مرتب کرتے تھے۔ علمی ادبی اور تاریخی کتابیں لکھتے تھے جن کو نہ صرف اس ملک میں بلکہ ایران میں بھی اربابِ بصیرت سینے سے لگاتے اور آنکھوں پر رکھتے تھے۔ آخر امیر خسروؔ، عبدالقادر بیدلؔ، مرزا غالبؔ اور دورِ آخر میں اقبالؔ اسی ملک میں پیدا ہوئے تھے اور یہاں کی آب و ہوا میں پرورش پائی تھی اور ان کی فارسی اہلِ زبان کے نزدیک بھی ویسی ہی قابلِ قبول ہے۔ یہ بات میں نے اس لیے ذرا تفصیل سے کہی ہے کہ مدتوں تک فارسی ہماری تعلیم کا ذریعہ رہی بلکہ فارسی ہی کیا عربی بھی ہماری علمی زبان تھی اور اس کی تحصیل کے بغیر ہمارے عالم کا تصور مکمل نہیں ہوتا تھا لیکن فارسی کے اثر و اقتدار نے ایک عرصے تک اردو کی ترقی کو روکے رکھا اور ایک مدت تک یہ زبان صرف روز مرہ کے کاروبار اور معمولی کاموں کے لیے استعمال ہوتی رہی لیکن فارسی اپنی اس مقبولیت اور رواج کے باوصف اس ملک کی ملکی یا قومی زبان نہ بن سکی اور آہستہ آہستہ اردو کو ابھرنے اور ترقی کرنے کا موقع ملا۔ پہلے پہل صوفیائے کرام اور علمائے عظام نے اس کی طرف توجہ دی اور اسے برصغیر ہند و پاکستان میں تبلیغِ دین کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا اور پھر اپنی تعلیمات سے مریدوں کی تربیت اور تصنیف و تالیف میں اختیار کیا۔ رفتہ رفتہ اس نے فارسی کے مقابلے میں آنکھیں کھولیں۔ دکنی درباروں میں اسے سلاطین اور امرا کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ شعرا اور نثر نگاروں نے اپنے افکار اور خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اس میں الفاظ کا سرمایا بڑھا۔ اسالیب پیدا ہوئے اور تھوڑے دنوں میں یہ فارسی کی جانشین بن گئی۔ فارسی سے اس کی دشمنی نہ تھی۔ اس نے فارسی سے بہت کچھ سیکھا۔ فارسی کے پروں سے پرواز کی۔ فارسی نے اس کی آب یاری کی۔ اسے موضوعات اور اسالیب کے تنوع اور پختگی سے آشنا کرایا اور اس قابل بنا دیا کہ یہ اپنے دور کے علمی اور ادبی تقاضوں کو پورا کر سکے۔

بد قسمتی سے اس دور کا آغاز ایک نئے سیاسی انقلاب سے ہوا جس نے فارسی کی جگہ انگریزی کو اس کا حریف بنا کر کھڑا کیا۔ یہ حریف بڑا سخت تھا۔ انگریزی کی حیثیت اس ملک میں فارسی سے بالکل مختلف تھی۔ اردو بولنے والوں کی تہذیب اور کلچر کو بھی فارسی نے سنوارا تھا۔ ان دونوں میں ایک تہذیبی اور ثقافتی یگانگت تھی۔ یہ بات انگریزی کو کہاں نصیب تھی؟ یہی وجہ ہوئی کہ سیاسی تسلط اور اقتدار نے انگریزی کو دفتروں، درباروں، کاروبار اور تعلیم میں تو داخل کر دیا لیکن یہ اردو بولنے والوں کے دلوں میں گھر نہ کر سکی۔ وہ ان کے جذبات و احساسات کی ترجمان نہ بن سکی۔ اس میں ان کی محبت کے گیت نہ گائے جا سکے اور نہ یہ زبان ان کی مسرتوں اور شادمانیوں، کامرانیوں اور ناکامیوں کے اظہار کا وسیلہ بن سکی۔ اس کی مثال اس کائی کی طرح تھی جو صاف شفاف پانی کی سطح کو تو پوری طرح ڈھک لیتی ہے لیکن اس کی جڑیں زیادہ دور تک نہیں پہنچتیں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو انگریزی شاعری، انگریزی ادب اور انگریزی زبان کی تاریخ میں کوئی تو ایسا نام ملتا جو فارسی کے خسروؔ، بیدلؔ، غالبؔ اور اقبالؔ کی طرح اہلِ زبان میں مقبول ہوتا۔

مصیبت یہ ہوئی کہ ہم انگریزی کو نہ اپنا سکے اور انگریزوں کا اقبال اس ملک سے رخصت ہوا۔ بلکہ سچ تو یوں کہنا چاہیے کہ انگریز رخصت ہوئے مگر اپنا اقبال چھوڑ گئے کہ ہم اب تک اپنے آپ کو اس ذہنی غلامی سے آزاد نہ کرا سکے جس میں انھوں نے ہمیں دو سو سال تک مبتلا کر دیا۔ خیر یہ کوئی بات نہ ہوتی اگر انگریزی نے ہمیں کم از کم اس قابل بنا دیا ہوتا کہ کسی اعتبار سے ہم دنیا کی کسی ترقی یافتہ قوم سے آنکھیں ملا سکیں۔ دو سو سال تک انگریزی پڑھنے اور انگریزی کے ذریعے سے علوم و فنون حاصل کرنے کی سعی لاحاصل کے باوجود آج بھی یہ ملک مغربی ممالک تو کیا اپنے چھوٹے چھوٹے ہم سایہ ملکوں کے مقابلے میں جاہل رہ گیا۔ جاپان ایشیائی ملک ہے جس نے ایشیا کی لاج رکھ لی۔ آج دنیا میں خواندگی کے اعتبار سے جاپان کا نام سر فہرست ہے۔ آج ہمارا ملک دنیا کا واحد ملک ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہمیں اپنی زبان میں تعلیم نہیں چاہیے۔ ہماری زبان اس قابل نہیں کہ اس میں جدید علوم و فنون پڑھائے جا سکیں۔ آج بھی ہمارے بہت سے نادان دوست کہتے ہیں کہ اگر اس قوم نے انگریزی زبان کا سایۂ عاطفت چھوڑا تو یہ قوم یتیم ہو جائے گی، جاہل رہ جائے گی، دنیا میں کوئی اس کی بات نہ پوچھے گا، بین الاقوامی حلقوں میں اس کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ انگریزی کو چھوڑ کر یہ قوم ذہنی اعتبار سے مفلس ہو جائے گی۔ علوم و فنون کا جو ذخیرہ انگریزی میں ہے اور اس میں روز بہ روز جو اضافہ ہو رہا ہے یہ قوم اس سے محروم رہ جائے گی۔

ہمارے محبانِ قوم کا ایک طبقہ اور ہے جسے اپنی زبان سے بھی ہم دردی ہے اور جس پر انگریزی اور انگریز کے اقبال کا سایہ بھی ذرا ہلکا پڑتا ہے۔ یہ لوگ اصولاً تو تسلیم کرتے ہیں کہ قومی ترقی کے لیے قومی زبان کی ترقی ضروری ہوتی ہے اور ملک میں تعلیم و تدریس کے معیار کو اعلیٰ کرنے کے لیے قومی زبان میں تعلیم ہونی چاہیے لیکن ان کے خیال میں اردو بھی اس قابل نہیں ہوئی کہ اسے یہ منصب سونپا جائے۔ اس میں علمی اور فنی اصطلاحات کی کمی ہے۔ اس میں سائنسی مضامین کو ادا کرنے کا اسلوب پیدا نہیں ہوا ہے۔ جدید علوم و فنون پر کتابوں کا ذخیرہ موجود نہیں ہے۔ ایسے استاد موجود نہیں ہیں جو اپنی زبان میں کسی علم کو پڑھا سکیں۔ اردو میں طباعت اور اشاعت کی دقتیں ہیں غرض ان کے خیال میں بھی وہ وقت نہیں آیا کہ اپنی زبانوں میں تعلیم دینے کے مسئلے کو اٹھایا جائے۔

ان سوالوں کا جواب ایک بار نہیں ہزار بار دیا جا چکا ہے اور ان لوگوں نے دیا ہے جو اس زبان اور اس کے سرمائے سے واقف ہیں۔ ان لوگوں نے دیا ہے جو جدید علوم و فنون سے بھی واقف ہیں اور جنھوں نے اپنی تعلیم انگریزی ہی کے ذریعے سے حاصل کی ہے اور جو اس مسئلے کی قومی اور بین الاقوامی حیثیت کے پہلوؤں پر غور کرنے میں اپنی عمریں گزار چکے ہیں لیکن ہر مرتبہ یہ مسائل اس طرح اٹھائے جاتے ہیں۔ گویا پہلی مرتبہ ان کا اظہار ہو رہا ہے اور ان کا کوئی جواب ہمارے پاس نہیں۔ بہ ہر حال میں ان ہی چند مفروضہ مسائل اور خدشات کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ جن قوموں نے سائنسی میدان میں ترقی کی ہے، کیا واقعی ان کی یہ ترقی انگریزی زبان کی مرہونِ منت ہے۔ مثال کے طور پر یورپ میں جرمنی کو یا پھر روس کو یا پھر ایشیا میں جاپان کو لے لیجیے۔ ان ملکوں کی سائنسی ترقی اور صنعتی فروغ کوئی ایسی بات نہیں جس پر کوئی بحث ہو سکے اور ان سب ملکوں نے اپنی اپنی زبان میں سائنس کی تعلیم و تدریس سے یہ ترقی کی ہے اور آج بھی سائنسی لٹریچر جتنا ان زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ انگریزی میں شائع ہونے والے لٹریچر سے مقدار یا نوعیت میں کسی اعتبار سے کم نہیں ہے تو اگر دنیا کے اور چھوٹے بڑے مختلف ممالک اپنی اپنی زبانوں میں جملہ علوم و فنون اور سائنسی صنعتی اور تکنیکی تعلیم کا انتظام کر سکتے ہیں تو ہماری زبان میں ایسی کیا بنیادی کم زوری اور خامی ہے جس کی بنا پر یہ ہماری تعلیم اور بالخصوص سائنسی تعلیم کا ذریعہ نہیں بن سکی۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ انگریزی زبان میں اس قدر وسعت اور صلاحیت ہے کہ وہ سائنسی علوم کی تیز رفتار ترقی کا ساتھ دے سکتی ہے اور بے چاری اُردو، اِن صلاحیتوں سے محروم ہے یعنی انگریزی میں اصطلاحات اور مشتقات آسانی سے بن جاتے ہیں اور اُردو میں اتنی آسانی سے دست یاب نہیں ہو سکتے۔ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو انگریزی اور اردو کی اصل سے واقف نہ ہو۔ زبان کی تاریخ کے معمولی طالب علم بھی اتنی بات جانتے ہیں کہ انگریزی اور اُردو، دونوں ایک آریائی خاندان کی زبانیں ہیں۔ اصولِ ساخت بنیادی قواعد، مشتقات کے

اصولوں میں دونوں میں بڑا اشتراک پایا جاتا ہے۔ دونوں میں مشتقات، سابقوں اور لاحقوں کی ایک لامحدود تعداد کے اضافوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ دونوں میں مرکب الفاظ بنانے کے تقریباً ایک سے اصول ہیں۔ انگریزی اپنے پھیلاؤ کے اس عمل میں یونانی اور لاطینی کی مدد لیتی ہے۔

اردو کے لیے فارسی، عربی اور بے شمار زبانوں کے ماخذ کھلے ہوئے ہیں۔ دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو جو اس باب میں اُردو کا مقابلہ کر سکے۔ اس میں نئے الفاظ کے قبول کرنے کی بڑی صلاحیت ہے اور اپنی ساخت اور مزاج کے باعث غیر زبانوں کے الفاظ اور اصطلاحات بھی اس میں بلا تکلف گھل مل جاتے ہیں۔ اس لیے اگر اسے جدید علوم وفنون کی تعلیم اور تدریس کے لیے اختیار کیا جائے تو یہ اس فرض کو ادا کر سکتی ہے۔ الفاظ یا اصطلاحات تو خیالات کے تابع ہوتے ہیں اور خیالات اور تصورات کے اظہار کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ زبان کی ترقی کی جس منزل میں جس قسم کے خیالات کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے اس قسم کے الفاظ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ الفاظ پہلے پیدا ہو جائیں اور ان سے کام بعد میں لیا جائے۔ اگر آج سے سو سال قبل کلی طور پر اردو کو سائنسی علوم کی تعلیم وتدریس کا ذریعہ بنالیا جاتا تو اس عرصے میں ہزاروں الفاظ اور اصطلاحات پیدا ہو گئی ہوتیں۔

اس سلسلے میں ایک اور مسئلہ اصطلاحاتِ علمیہ کا اٹھایا جاتا ہے۔ بلاشبہ علمی زبان بڑی حد تک اصطلاحی زبان ہوتی ہے لیکن یہ اصطلاحات علمی ترقی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی ہیں جن ملکوں نے سائنسی علوم میں نمایاں ترقی کی ہے۔ ان میں سے کسی میں یہ نہیں ہوا کہ پہلے سارے علوم کی اصطلاحات بنائی گئی ہوں اور پھر ان علوم پر کتابیں مضامین یا مقالات لکھے گئے ہوں۔

اردو کے لیے علاوہ ان ہندوستانی اور پاکستانی زبانوں اور بولیوں کے جن سے اس کا قریبی رشتہ ہے۔ فارسی اور عربی دو نہایت اہم ماخذ ہیں جن کے عناصر اور اجزا اردو کی ترکیب میں شامل ہیں اور آج بھی اصطلا ح سازی میں کام آتے ہیں لیکن یہ خیال کہ پہلے ساری اصطلا حات کا ذخیرہ جمع ہو جائے۔ پھر کتابیں لکھی جائیں۔ تب جا کر اسے ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔ بالکل گھوڑے کے آگے گاڑی جوتنے کے مترادف ہے۔ اصطلا ح سازی کا کام اس طرح نہیں ہوتا اور ہم مدتوں سے یہ تجربہ کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس آج اصطلاح سازی کے لیے وہ ذرائع اور وسائل نہیں جو آج سے چالیس پچاس سال پہلے حیدر آباد میں "دار الترجمہ" کے لیے مہیا کیے گئے تھے۔ دار الترجمہ نے بڑا مفید کام کیا۔ لیکن یہ کام وہ بھی مکمل نہ کر سکا اور نہ کر سکتا اور نہ آج کوئی ادارہ کر سکتا ہے اور حیدر آباد کی جو بے شمار اصطلاحیں رائج اور قبول ہو گئیں۔ وہ اس وجہ سے کہ وہاں ان کو کتابوں، مقالوں اور مضامین میں استعمال کیا گیا اور ان کو تعلیم میں اختیار کیا گیا۔

اس سلسلے میں ایک اور مسئلہ تراجم کا ہے۔ بلاشبہ ہر زبان کی ترقی میں دوسری زبانوں کے تراجم کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ بالخصوص اپنی نشوونما کے ابتدائی ادوار میں ترجموں ہی کے ذریعے سے مختلف موضوعات مضامین اور مباحث اور مختلف اسالیب بیان زبان میں پیدا ہوتے ہیں۔ اردو نے اپنی ترقی کے آغاز میں فارسی سے بہت کچھ سیکھا اور فارسی نظم ونثر کے اکثر شاہکار اردو میں منتقل ہوئے۔ انگریزی سے بھی بہت ترجمے ہوئے۔ کچھ ترجمے فرانسیسی اور روسی بھی ہوئے اور کچھ اور مختلف زبانوں سے۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی فارسی اور انگریزی سے ترجمہ کی ہوئی کتابوں اور مضامین کا اردو ترقی میں بڑا حصہ ہے۔

علمی اور فنی کتابوں کی کمی کا مسئلہ ایک شیطانی چکر ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اردو میں علمی اور فنی کتابوں کی بہت کمی ہے اور اکثر مضامین اور موضوعات پر تو تلاش کے بعد بھی قابلِ مطالعہ چیزیں دست یاب نہیں ہوتیں اور بلاشبہ انگریزی اور بعض دوسری زبانوں میں اس قسم کی کتابیں تصانیف، تالیفات، مقالات، تراجم بہ کثرت مل جاتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان زبانوں میں لکھنے والے سائنس دانوں نے اپنی زبانوں کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان میں سے کوئی زبان ایسی نہیں جس میں پہلے پہل ان علوم کی کتابیں آسمان سے نازل ہوئی ہوں اور ان کو پڑھ کر سائنس دان اس قابل ہوئے ہوں کہ اپنے خیالات ان زبانوں میں ادا کر سکیں۔ ہر چیز کی فراہمی اس کی طلب یا مانگ پر منحصر ہوتی ہے۔ معاشیات کا یہ سادہ سا قانون صرف روئی کپڑے یا اشیائے

تعیش کی فراہمی کے مسئلے سے متعلق نہیں ہے۔ کتابوں اور سائنس دانوں کی فراہمی بھی اسی مسئلے کے تابع ہے۔ سائنس کی کتابوں کے طلب گار نہ تھے۔ مدرسوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں ان کے پڑھنے والے نہ تھے تو مصنف کیوں لکھتے اور ناشر اردو میں ان موضوعات پر کتابیں کیوں چھاپتے۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟؟ پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں ضروریات کا تعین کرنا چاہیے۔ مثلاً پاکستان کے مختلف ثانوی تعلیمی بورڈوں اور یونی ورسٹیوں کے نصاباتِ تعلیم کو سامنے رکھ کر ایک مفصل فہرست ان موضوعات کی تیار کرنا چاہیے جن کے لیے ہمیں کتابوں کی ضرورت ہے پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ موضوعات پر اب تک اردو میں کیا کیا لکھا جا چکا ہے؟؟ اس طرح مضامین اور مقالات اور کتابوں کی ایک مکمل کتابیات تیار ہو جائے گی۔ اصطلاحات کے بے شمار مجموعے شائع ہوئے ہیں اور اکثر کتابوں کے آخر میں مصنفین اور مؤلفین نے اصطلاحات کی فہرستیں بھی شامل کی ہیں۔ ان سب کی بھی ایک فہرست بنانی چاہیے۔ اس طرح ہمیں واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ کن مباحث و موضوعات پر کس سطح کی کتنی کتابیں موجود ہیں اور کہاں کہاں کس حد تک کمی ہے۔ پھر اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ایک منصوبہ تیار ہونا چاہیے جس میں بہ تدریج کتابیں لکھی جائیں۔ اردو کی ترقی کے لیے اس وقت بہت سے ادارے ہیں۔ مثلاً مرکزی ترقی اردو بورڈ لاہور، ترقی اردو بورڈ کراچی، انجمن ترقی اردو، اردو اکادمی پنجاب اور کراچی یونی ورسٹی میں ترجمے اور تالیف کے ادارے وغیرہ۔ ان کے علاوہ درسی کتابوں کی تالیف و تصنیف کے لیے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی مدارج کی حد تک مغربی پاکستان کا ٹیکسٹ بک بورڈ ہے۔ (۱۹۷۱ء سے قبل موجودہ پاکستان کو مغربی پاکستان کہا جاتا تھا) ان سب میں تعاون اور اشتراکِ عمل کے لیے تقسیم کار ہونا چاہیے اور کسی ایک مرکزی ادارے کو یہ خدمت انجام دینا چاہیے۔ حال میں مرکزی ترقی اُردو بورڈ لاہور نے علمی اور سائنسی اصلاحات کے معیاری بنانے کے لیے اس قسم کی ایک تجویز منظور بھی کی ہے جس کے مطابق مختلف اداروں کے علم میں ہم آہنگی اور اشتراک پیدا کیا جائے گا۔ توقع کی جاتی ہے کہ یہ طریق کار بہتر اور مفید نتائج پیدا کرے گا۔

ایک اور اہم تجویز یہ ہے کہ ان اداروں میں سے کوئی ادارہ ایک قسم کے مرکزی دفترِ اطلاعات کا کام کرے یعنی مختلف مضامین پر اردو میں کتابوں، مقالوں، مضامین، اصطلاحات کی فہرستوں وغیرہ کی نشان دہی کر سکے اور ہو سکے تو یہ ادارہ ایک سہ ماہی اطلاع نامہ شائع کیا کرے تاکہ معلوم ہو سکے کہ مختلف ادارے یا افراد کیا کام کر رہے ہیں تاکہ ضرورت مند لوگ ان سے رجوع کر سکیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ لاعلمی کی بنا پر کام کی تکرار کا اندیشہ نہیں رہے گا اور جو کام ایک شخص یا ادارہ کر رہا ہے دوسرا اس کے علاوہ کوئی اور موضوع اختیار کرے گا۔ محدود ماہرین کی تعداد اور فنی وسائل نیز مالی ذرائع کی کمی کے پیشِ نظر اس کی اور بھی ضرورت ہے۔

اس پورے منصوبے کی تکمیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ خود زبان کی تعلیم و تدریس پر بھی پوری توجہ صرف کی جائے کیوں کہ بالآخر اس منصوبے کی کامیابی اور زبان کی ترقی اور صلاحیت پر ہے۔ اس وقت تک ہمارے یہاں زبان کی تعلیم و تدریس بڑی حد تک صرف ادب کی تعلیم اور تنقید تک محدود ہے لیکن یہ زبان کی تعلیم کا صرف ایک حصہ ہے۔

ایک متبادل تجویز یہ ہے کہ ہم اپنے موجودہ نصابِ تعلیم میں جہاں زبان ادب اور تنقید کی تعلیم و تدریس ہوتی ہے۔ وہاں ایک متبادل لسانیاتی مطالعے کو شامل کر دیں اور اس کی ایک صورت مثلاً: یہ ہو سکتی ہے کہ ایم اے کے سال اول میں سب طلبہ ایک مشترک نصاب پڑھیں اور سال آخر میں جو طلبہ ادب اور تنقید کی طرف راغب ہوں وہ ادب اور تنقید کا نصاب اختیار کریں جو لسانیاتی مطالعے کی طرف مائل ہوں ان کے لیے متبادل لسانیاتی نصاب ہو۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں زبان کے معاملے میں جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ زبان تو جذبات کے ہی اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ ہم اپنے جذبات اپنی زبان سے کیسے الگ کر سکتے ہیں؟ ہاں ایک بات البتہ صحیح ہے کہ کوئی تعمیری کام محض جذبے سے یا محض نعرے سے انجام نہیں پا سکتا۔ ان مسائل کا حل بھی صرف جذباتی باتوں سے تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے جو لوگ ایمان داری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ قومی زندگی میں قومی زبان کی کیا اہمیت ہوتی ہے انھیں خلوص کے ساتھ اس کی تعمیر میں اور ترقی میں حصہ لینا چاہیے۔ یہ کام صرف

چند ادارے پورا نہیں کر سکتے نہ محض حکومت کی اعانت اور سرپرستی ان مسائل کو حل کر سکتی ہے۔ یہ مسئلہ اسی طرح حل ہو سکتا ہے کہ اسے ایک قومی تحریک کی طرح چلایا جائے۔ اس کے لیے رائے عامہ تیار کی جائے۔ اس کے جواز کے لیے ہمارے اساتذہ، طلبہ، مصنفین، مؤلفین، ناشر، تعلیمی حکام، ہمارے صنعتی اور کاروباری ادارے؛ غرض ہماری قومی زندگی کا شعور رکھنے والا ہر شخص اپنی اپنی جگہ اس کی کامیابی میں حصہ لے۔ (ماہنامہ "سیپ")

مشق

پڑھنا

۱۔ (الف) سبق کو مکمل پڑھ کر درج ذیل عبارت کا مفہوم برقرار رکھ کر متفرق طریقوں سے عبارت یا جملوں میں تبدیلیاں کریں۔ عبارت کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کریں کہ اردو زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دینے میں کون کون سے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور ان مسائل کا حل کیا ہے؟

(ب)۔ سبق "کچھ ذریعۂ تعلیم کے بارے میں" پڑھنے کے بعد اس میں موجود کم از کم دو سے تین موضوعات کی شناخت کر کے اپنی رائے کا تحریری / زبانی اظہار کریں کہ مضمون نگار نے کس حد تک اردو کو پاکستان کا ذریعۂ تعلیم بنانے کے لیے مدلل نکات تحریر کیے ہیں؟

۲۔ اتوار کے دن کسی اخبار کا میگزین پڑھیں اور اس میں درج رُوداد، اداریے اور اشتہارات کا مطالعہ کریں۔ ان تحاریر کو پڑھ کر ان کے مقاصد کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک پیراگراف لکھیں جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ کون سی رُوداد / اداریہ / اشتہار زندگی کے کس شعبے / پہلو کی نمائندگی کر رہا ہے؟

۳۔ پڑھے گئے اس سبق کے متن کے درج ذیل حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اپنی رائے کا تحریری / زبانی اظہار کریں۔

اس سلسلے میں ایک اور مسئلہ تراجم کا ہے۔ بلاشبہ ہر زبان کی ترقی میں دوسری زبانوں کے تراجم کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ بالخصوص اپنی نشوونما کے ابتدائی ادوار میں ترجموں ہی کے ذریعہ سے مختلف موضوعات مضامین اور مباحث اور مختلف اسالیبِ بیان زبان میں پیدا ہوتے ہیں۔ اردو نے اپنی ترقی کے آغاز میں فارسی سے بہت کچھ سیکھا اور فارسی نظم و نثر کے اکثر شاہکار اردو میں منتقل ہوئے۔ انگریزی سے بھی بہت ترجمے ہوئے۔ کچھ ترجمے فرانسیسی اور روسی بھی ہوئے اور کچھ اور مختلف زبانوں سے۔ لیکن بہ حیثیتِ مجموعی فارسی اور انگریزی سے ترجمہ کی ہوئی کتابوں اور مضامین کا اردو ترقی میں بڑا حصہ ہے۔

۴۔ لائبریری کی درجہ بندی اور فہرست کی شناخت

استادِ محترم / استانی صاحبہ کی رہ نمائی میں طلبہ پانچ پانچ کے گروہوں کی صورت میں اپنے سکول کی لائبریری میں جائیں۔ لائبریری میں موجود پریم چند، سعادت حسن منٹو، غلام عباس، احمد ندیم قاسمی، شوکت صدیقی، الطاف فاطمہ، ممتاز مفتی، اور بانو قدسیہ کے افسانوں اور ڈراموں کے مجموعوں کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب کو لائبریرین سے سمجھیں اس کا استعمال کرتے ہوئے اپنی اپنی پسند کی کوئی ایک کتاب تلاش کر کے جاری کرائیں اور اس کا مطالعہ کریں۔

لکھنا

مضمون نگاری

اردو نثر میں مضمون کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کسی موضوع پر اپنے افکار و خیالات اور جذبات کو مربوط اور مدلل انداز میں لکھنا اور اپنی رائے کا اظہار کرنا مضمون نویسی کہلاتا ہے۔ مضمون لکھتے وقت کچھ اصول و ضوابط کا خیال رکھنا پڑتا ہے جن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے علمی، ادبی، سیاسی، مذہبی، سنجیدہ یا مزاحیہ موضوعات کو احاطۂ تحریر میں لایا جا سکتا ہے۔ مضمون تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

(i)۔ تمہید یا تعارف (ii)۔ اصل مضمون / نفسِ مضمون / متن (iii)۔ اختتام یا ذاتی رائے

مضمون کئی زاویوں اور انداز سے لکھا جا سکتا ہے۔ دلیل والا مضمون؛ تحقیقاتی مواد، اعداد و شمار اور مضمون نگار کی ذاتی رائے پر مشتمل ہوگا۔ بڑے پیمانے پر کی گئی تحقیقات پر مشتمل مضمون میں زبان سیدھی سادی زبان استعمال ہوتی ہے۔

وضاحتی مضمون میں کسی موضوع پر وضاحت کے ساتھ غیر جانب داری کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ وضاحتی مضمون کا مقصد کسی موضوع پر رائے بنائے بغیر اس کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ کسی خاص شعبے میں مضمون نگار کی مہارت کا اظہار ہوتا ہے۔

تقابلی مضمون دو پہلوؤں پر بحث کرتا ہے، مماثلت اور فرق کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ اس مضمون میں ایک پیراگراف مماثلت اور ایک پیراگراف اختلاف پر بحث کے لیے مختص کیا جاتا ہے۔ وجہ اور اثر بتایا جاتا ہے کہ چیزیں اس طرح کیوں ہیں؛ وہ کیسے وقوع پذیر ہوئیں؛ اور آگے کیا ہوگا۔ اس قسم کا مضمون لکھتے وقت واقعات کے دو مجموعوں کے درمیان ایک منطقی تعلق پیدا کیا جاتا ہے۔

بیانیہ مضمون ایک کہانی بتاتا ہے اور عمومی طور پر ذاتی نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہ مضمون باہمی تجربے کو پھیلانے کے لیے رقم کیا جاتا ہے۔ اس مضمون نے مختلف قسم کے چیلنجز کی کھوج لگانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

وضاحتی مضمون ایک مختصر قسم کا مضمون ہوتا ہے اور عام طور پر ایک صفحے کو محیط ہوتا ہے۔ جہاں ادب، کتاب، ناول، افسانے، ڈرامے یا شاعری کی وضاحت کی جاتی ہے۔ جب کہ تفصیلی مضمون میں کسی بھی موضوع پر حتی المقدور تمام تفصیلات لکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان تفصیلات کو مختلف پیراگرافوں میں ایک مربوط انداز میں تحریر کیا جاتا ہے۔

بحثی مضمون میں مضمون نگار اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ موضوع کے دو مقامات، پہلوؤں اور زاویوں سے آگاہ ہے۔

۵۔ درج بالا عبارت میں مضمون نویسی کے حوالے سے دی گئی معلومات، اشارات اور ہدایات کی تفہیم/تنقید و تجزیہ/تبصرہ کریں۔

۶۔ مضمون نویسی کے مختلف انداز تحریر (بیانیہ، مدلل، بحثی اور تفصیلی) کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل موضوعات پر مضمون لکھیں۔

(i)۔ میرا پسندیدہ شاعر (تفصیلی) (ii)۔ ایک میچ کا آنکھوں دیکھا حال (بیانیہ)

(iii)۔ سوشل میڈیا۔ اخلاقی بگاڑ کی ایک وجہ (بحثی) (iv)۔ کمپیوٹر ایک حیرت انگیز ایجاد (مدلل)

سرگرمی

سکول میں جماعت ہشتم تا دہم کے بیس سے پچیس طلبہ کی رائے کا سروے کریں کہ وہ پاکستان میں ذریعہ تعلیم اردو زبان میں چاہتے ہیں کہ انگریزی میں؟ یہ ساری معلومات اکٹھی کر کے ایک رپورٹ تیار کریں اور اپنی رائے کے ساتھ اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ کی خدمت میں پیش کریں تاکہ اس رپورٹ کو سکول کے میگزین میں شائع کیا جا سکے۔

حصہ نظم

1

حمد

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

سننا
- مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، نظم، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، گفت گو، خبر، ڈراما، ہدایت اور فیچر سن کر الفاظ کے اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔
- مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، نظم، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، گفت گو، خبر، ڈراما، ہدایت اور فیچر سن کر عمدہ سامع کے طور پر مدلل رائے دے سکیں۔

پڑھنا
- نظم کو فہم کے ساتھ پڑھ کر متعلقہ سوالات (براہِ راست، بالواسطہ اور کثیر الجہت) کے جوابات دے سکیں۔
- شاعری کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- دو نظموں کا موازنہ کر سکیں اور شاعر کا اندازِ بیان سمجھ کر اس پر تبصرہ کر سکیں۔

لکھنا
- نظم کے اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔

قواعد/زبان
- مترادف الفاظ کی شناخت کرتے ہوئے تحریر میں برجستہ استعمال کر سکیں۔

شناسی
- الفاظ و معانی سے واقفیت اور ان کے انتخاب میں لغت اور تھیسارس کا استعمال کر سکیں۔
- درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب کا استعمال کر سکیں۔

خاص	بے نِشاں	باغ باں	پِنہاں	جلوَت
الفاظ	چَمَن	خلوَت	عَیاں	مُحَرَم

ہدایات برائے اساتذہ کرام

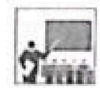

- طلبہ کو حمدیہ کلام لکھنے والے کوئی سے دو شعرا کے کلام اور اُن کے اندازِ بیان سے متعارف کراتے ہوئے دونوں کے کلام کا موازنہ کرنے کی مشق کرائیں۔
- طلبہ کو لغوی، اصطلاحی اور کنایاتی معانی کے حوالے سے معلومات دیں تاکہ وہ نظم پارہ پڑھ کر اس کے معانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

امیر مینائی (۱۸۲۹ء۔ ۱۹۰۰ء)

امیر احمد مینائی نام۔ تخلص امیرؔ۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام کرم احمد مینائی لکھنوی تھا۔ عربی اور فارسی کی تعلیم فرنگی محل، لکھنؤ میں حاصل کی۔ ۱۸۵۳ء میں واجد علی شاہ سلطانِ اودھ کی ملازمت اختیار کی اور دو کتابیں ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان تصنیف کر کے پیش کیں۔ تین سال بعد سلطنتِ اودھ ضبط ہو جانے سے بے روزگار ہو گئے۔
۱۸۵۸ء میں رام پور کی عدالتِ دیوانی کے مفتی مقرر ہوئے۔
فنِ شعر میں مظفر علی خان اسیرؔ کے شاگرد تھے۔ موزونیِ طبع اور علمی استعداد کی بہ دولت شعر گوئی میں کمال حاصل کر لیا۔ رام پور کی شاعرانہ صحبتوں میں اس فن کو مزید جِلا ملی۔ شاعری میں اعلیٰ استعداد رکھنے کے باعث نواب کلب علی خان والیٔ رام پور نے انھیں اپنا استاد مقرر کیا۔
امیرؔ کی تصانیف میں غزلوں کے دو دیوان مراۃ الغیب اور صنم خانۂ عشق مشہور ہیں۔ محامدِ خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے نام سے پورا دیوان نعتیہ ہے جس سے اُن کا جوشِ عقیدت نمایاں ہوتا ہے۔ امیرؔ کے کلام میں رنگینی اور مرصع کاری نظر آتی ہے۔

پڑھئیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- اللہ تعالیٰ کی تعریف میں لکھی جانے والی نظم کو کیا کہتے ہیں؟

دوسرا کون ہے؟ جہاں تُو ہے
کون جانے تجھے؟ کہاں تُو ہے

لاکھ پردوں میں، تُو ہے بے پردہ
سو نشانوں پہ ،بے نشاں تُو ہے

تُو ہے خلوت میں، تُو ہے جلوت میں
کہیں پنہاں، کہیں عیاں تُو ہے

نہ مکاں میں، نہ لامکاں میں کچھ
جلوہ فرما، یہاں وہاں تُو ہے

نہیں تیرے سوا ،یہاں کوئی
میزباں تُو ہے، مہماں تُو ہے

رنگ تیرا یہ چمن میں، بُو تیری
خوب دیکھا تو، باغ ہاں تُو ہے

محرمِ راز، تو بہت ہیں امیرؔ
جس کو کہتے ہیں رازداں، تُو ہے

(مرآۃ الغیب)

مشق

سننا

ا۔ درج ذیل اشعار کو ایک طالب علم درست تلفظ کے ساتھ بلند آواز میں پڑھے جب کہ باقی طلبہ ان اشعار میں موجود الفاظ (پردوں، نشانوں، مکاں، میزباں، مہماں) کے لغوی، اصطلاحی اور کنایاتی معانی تک رسائی حاصل کریں۔

لاکھ پردوں میں، تُو ہے بے پردہ
سو نشانوں پہ ،بے نشاں تُو ہے

نہ مکاں میں، نہ لامکاں میں کچھ
جلوہ فرما، یہاں وہاں تُو ہے
نہیں تیرے سوا ، یہاں کوئی
میزباں تُو ہے، مہماں تُو ہے

پڑھنا

۲۔ درج ذیل اشعار کو فہم کے ساتھ پڑھیں اور دیے گئے سوالات کے جوابات لکھیں۔

دوسرا کون ہے جہاں تُو ہے
کون جانے تجھے کہاں تُو ہے

لاکھ پردوں میں تُو ہے بے پردہ
سو نشانوں پہ بے نشاں تُو ہے

تُو ہے خلوت میں تُو ہے جلوت میں
کہیں پنہاں کہیں عیاں تُو ہے

سوالات:

الف۔ پہلے شعر کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیں۔
ب۔ ان اشعار سمیت پوری نظم کی تکنیک اور اسلوب پر روشنی ڈالیں۔
ج۔ "لاکھ پردوں میں تُو ہے بے پردہ" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
د۔ دوسرے شعر کا مرکزی خیال لکھیں۔
ہ۔ خلوت اور جلوت کا کیا مطلب ہے؟
و۔ "کہیں پنہاں کہیں عیاں تُو ہے" اس مصرع میں شاعر نے اللہ تعالیٰ کی کون سی قدرت بیان کی ہے؟
ز۔ ان اشعار کے لکھنے کا مقصد (موضوع) کیا ہے؟

۳۔ اسلوب اور اندازِ بیان کے حوالے سے سبق نمبر ۸ کی مشق میں جو بحث کی گئی ہے اس کے اہم نکات کو پیش نظر رکھ کر درج ذیل دو نظموں کے اشعار کو پڑھ کر ان کا موازنہ کریں اور شاعر کا اندازِ بیان سمجھ کر اس پر تحریری/زبانی تبصرہ کریں۔

(الف)

کس کا نظام راہ نما ہے افق افق
جس کا دوام گونج رہا ہے افق افق
شانِ جلال کس کی عیاں ہے جبل جبل
رنگِ جمال کس کا جما ہے افق افق

مکتوم کس کی موجِ کرم ہے صدف صدف
مرقوم کس کا حرفِ وفا ہے افق افق

(ب)

حاجت روا بھی تُو ہے، مشکل کُشا بھی تُو ہے
خلاقِ دو جہاں ہے، سب کا خُدا بھی تُو ہے

روزِ ازل بھی تیرا، شامِ ابد بھی تیرا
ہر ابتدا بھی تُو ہے، ہر انتہا بھی تُو ہے

دُکھ درد میں تجھی کو، مولا! پکارتے ہیں
ٹوٹے ہوئے دِلوں کا، ہاں، آسرا بھی تُو ہے

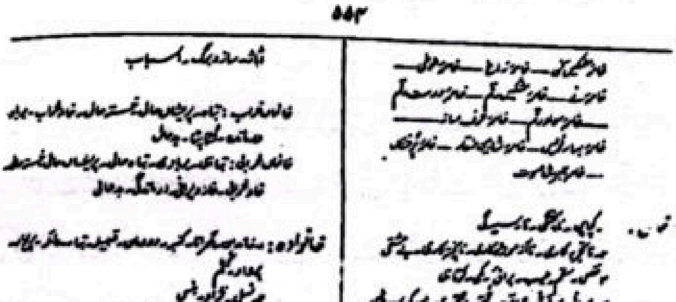

لکھنا

۴۔ نظم کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔

قواعد/زبان شناسی

۵۔ تھیسارس کا استعمال کرتے ہوئے درج ذیل کے الفاظ بنائیں جب کہ لُغت کی مدد سے ان کے معانی بھی بتائیں۔

وطن، مدرسہ، باغ، خاندان، فرنیچر

۶۔ درج ذیل الفاظ کے درست تلفظ کی فہم کے لیے ان پر اعراب لگائیں۔

جلوت، خلوت، پنہاں، عیاں، محرم

مترادف الفاظ: ایسے الفاظ جن کے معانی ایک جیسے ہوں، مترادف الفاظ کہلاتے ہیں: مثلاً: شب سے رات آدمی سے انسان

۷۔ درج ذیل الفاظ میں سے مترادف الفاظ کی شناخت کرتے ہوئے انھیں اپنی تحریر میں برجستہ استعمال کرتے ہوئے پیراگراف لکھیں۔

سحر، گندگی، موسم، صبح، چالاک، فصل، طوالت، غلاظت، لمبائی، عیار

لغوی، اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معانی:

اردو زبان میں متعدد ایسے الفاظ موجود ہیں جن کا استعمال معانی کے لحاظ سے مختلف پہلوؤں سے کیا جاتا ہے۔ اس استعمال میں لغوی، اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معانی بھی شامل ہیں۔

لغوی معانی ایسے معانی کو کہتے ہیں جو کسی لفظ کے لیے کسی بھی زبان کی لغت میں درج کیے گئے ہوں۔ یہی معانی اس لفظ کے حقیقی اور اصل معانی ہوتے ہیں۔ جیسے: شیر بہ معنی ایک جانور۔ چاند بہ معنی آسمان پر چمکنے والا ایک سیارہ

کسی لفظ کا ایسا استعمال جس میں حقیقی یا اصلی (لغوی) معانی کی بہ جائے کوئی اور معانی عام ہو جائیں۔ اس کے لیے اہل زبان یا اہل ادب کسی لفظ کو تواتر اور تسلسل کے ساتھ ایک مخصوص معنی میں استعمال کرتے رہتے ہیں تو وہ اس لفظ کے اصطلاحی معانی بن جاتے ہیں اور اصل معانی پس منظر میں چلے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر: غزل کے لغوی معانی عورتوں سے باتیں کرنا لیکن اصطلاح میں شاعری کی ایک مخصوص صنف سخن ہے۔ قصیدہ کا لغوی معنی گودا یا مغز ہیں مگر اصطلاحِ زبان و ادب میں قصیدہ ایک ایسی نظم ہوتی ہے جس میں کسی کی سرکاری اہل کار، افسر، بادشاہ، وزیر، مشیر یا عہدے دار کی تعریف یا طنزیہ تعریف بیان کی جائے۔

کسی لفظ کے اصلی اور لغوی معانی کی بہ جائے ایسے معانی میں استعمال جس کا اصل یعنی لغوی معانی سے دور کا تعلق بھی ہو۔ جیسے: ماں اپنے بچے کے لیے کہے: میرا چاند سو رہا ہے۔ اس مثال میں چاند خوب صورتی کی بنیاد پر مجازی معانی میں بیٹے کو کہا گیا ہے یعنی اصلی معانی کی بہ جائے ایسے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جو وصف ایک ماں اپنے بچے میں دیکھتی ہے۔ اس مثال میں بچے اور چاند میں ایک تعلق خوب صورتی کا ہے۔

کنائے میں لفظ کو مرادی معانی میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس کے حقیقی اور مجازی معانی میں تشبیہ کے علاوہ کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے۔ اس تعلق کی نزاکت کا دار و مدار اہل زبان پر ہوتا ہے۔ اہل زبان جس لفظ کو جس کنایاتی معنی میں استعمال کر لیں باقی تمام لوگ اسی سلیقے کے پابند ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر: اُسے کالے نے کاٹا۔ اس مثال میں "کالے" سے مراد سانپ ہے۔ حالاں کہ ضروری نہیں کہ سانپ کا رنگ کالا ہی ہو۔ جب سے چولہا ٹھنڈا ہوا کوئی پوچھتا تک نہیں۔ اس مثال میں چولہا ٹھنڈا ہونا، کنایاتی معنوں میں غربت کا آنا ہے۔

۸۔ لغوی، اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معنی کے حامل دو دو الفاظ مع اُن کی وضاحت تحریر کریں۔

سرگرمی

مختلف سمعی ذرائع سے مظفر وارثی کی آواز میں "کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے" سن کر عمدہ سامع کے طور پر اپنی مدلل رائے دیں اور الفاظ کے اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معانی تک رسائی حاصل کریں۔

۲ نعت

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

سننا
- مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، نظم، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، گفت گو، خبر، ڈراما، ہدایت اور فیچر سن کر الفاظ کے اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔
- مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، نظم، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، گفت گو، خبر، ڈراما، ہدایت اور فیچر سن کر عمدہ سامع کے طور پر تیز رفتار سماعت کا مظاہرہ کریں اور مدد رائے دے سکیں۔

پڑھنا
- نظم کو فہم کے ساتھ پڑھ کر متعلقہ سوالات (براہِ راست، بالواسطہ اور کثیر الجہت) کے جوابات دے سکیں۔
- شاعری کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔

لکھنا
- نظم کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔

قواعد/زبان
- متضاد الفاظ کی جوڑیاں شناخت کرتے ہوئے تحریر میں استعمال کر سکیں۔

شناسی
نظم بہ لحاظ موضوع (حمد، نعت، قومی و ملی نظم، قصیدہ، دعا/مناجات، منقبت، مرثیہ) میں امتیاز کر سکیں۔

خاص الفاظ					
	اِصرار	آبِ بقا	خاکِ شفا	ختمُ الانبیا	سراپا
	شریعت	غبارِ راہ	گوش	نورِ وحدت	

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو اردو شاعری میں "نعت گوئی" کی روایت سے آگاہ کریں۔

ماہر القادری (۱۹۰۶ء۔۱۹۷۸ء)

ماہر القادری، اردو کے نام ور شاعر، صحافی، محقق اور نقاد تھے۔ ماہر القادری ۳۰ جولائی ۱۹۰۶ء کو کیسر کلاں ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام منظور حسین تھا۔ انھوں نے عملی زندگی کا آغاز حیدر آباد دکن سے کیا، پھر بجنور چلے گئے۔ جہاں "مدینہ" بجنور اور "غنچہ" کے مدیر رہے۔ ۱۹۲۸ء میں ریاست حیدر آباد کے مختلف محکموں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ قیام حیدر آباد کے دوران، جب نواب بہادر یار جنگ کی تقاریر کا طوطی بولتا تھا، نواب بہادر یار جنگ نے قائدِ اعظم محمد علی جناح سے ان کا تعارف یوں کرایا "میری تقریروں اور ان (ماہر القادری) کی نظموں نے مسلمانانِ دکن میں بیداری پیدا کی ہے۔" ۱۹۴۳ء میں حیدر آباد سے بمبئی منتقل ہو گئے۔ وہاں فلمی دنیا میں کچھ عرصہ گزارا۔ کئی فلموں کے گیت لکھے جو بڑے مقبول ہوئے لیکن اس چند روزہ فلمی تعلق پر تاعمر متاسف رہے۔ زندگی کا بڑا حصہ حیدر آباد دکن، دہلی، بمبئی میں گزرا اور پھر مستقل قیام کراچی میں رہا۔ قیامِ پاکستان کے بعد انھوں نے کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی تھی اور علمی جریدے "فاران" کا اجرا کیا جو ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد تک جاری رہا۔ مولانا ماہر القادری کے شعری مجموعوں میں: ظہورِ قدسی، طلسمِ حیات، محسوساتِ ماہر، نغماتِ ماہر، نقشِ توحید اور جذباتِ ماہر شامل ہیں۔ ۱۹۵۴ء میں ماہر القادری نے حج کے مشاہدات و تاثرات پر "کاروانِ حجاز" کے نام سے کتاب تحریر کی۔ ماہر القادری ۱۲ مئی ۱۹۷۸ء کو جدہ (سعودی عرب) میں ایک مشاعرے کے دوران انتقال کر گئے اور مکہ مکرمہ میں جنت المعلیٰ کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- نعت میں کس ہستی کی تعریف کی جاتی ہے؟
- کسی مشہور نعت خواں کا نام بتایے

رسول مجتبیٰ ﷺ کہیے، محمد مصطفیٰ ﷺ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں، پھر اِس کے بعد کیا کہیے

شریعت کا ہے یہ اصرار، ختم الانبیا ﷺ کہیے
محبت کا تقاضا ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ کہیے

جب ان کا ذکر ہو، دنیا سراپا گوش ہو جائے
جب ان کا نام آئے، مرحبا صلِ علیٰ کہیے

مرے سرکار ﷺ کے نقشِ قدم، شمعِ ہدایت ہیں
یہ وہ منزل ہے جس کو، مغفرت کا راستا کہیے

محمد ﷺ کی نبوت، دائرہ ہے نورِ وحدت کا
اسی کو ابتدا کہیے، اسی کو انتہا کہیے

غبارِ راہِ طیبہ، سرمۂ چشمِ بصیرت ہے
یہی وہ خاک ہے، جس خاک کو، خاکِ شفا کہیے

مدینہ یاد آتا ہے، تو پھر آنسو نہیں رُکتے
مری آنکھوں کو ماہرؔ، چشمۂ آبِ بقا کہیے

(کلیاتِ ماہر القادری)

مشق

سننا

ا۔ سابقہ نظم میں لغوی، اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معانی کی گفت گو ہو چکی ہے۔ انھی نکات کو سامنے رکھیں اور مختلف سمعی ذرائع سے مظفر وارثی کی نعت "میرا پیغمبر ﷺ عظیم تر ہے" سن کر عمدہ سامع کے طور پر تیز رفتار سماعت کا مظاہرہ کریں اور الفاظ کے اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معانی تک رسائی حاصل کریں نیز اپنی مدلل رائے بھی دیں۔

۲۔ درج ذیل اشعار کو فہم کے ساتھ پڑھ کر متعلقہ سوالات کے جوابات دیں۔

رسول مجتبیٰ ﷺ کہیے، محمد مصطفیٰ ﷺ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں، پھر اس کے بعد کیا کہیے

شریعت کا ہے یہ اصرار، ختم الانبیا ﷺ کہیے
محبت کا تقاضا ہے، کہ محبوبِ خدا ﷺ کہیے

جب ان کا ذکر ہو، دنیا سراپا گوش ہو جائے
جب ان کا نام آئے، مرحبا صلِ علیٰ کہیے

سوالات:

الف۔ پہلے شعر کا مرکزی خیال لکھیے۔

ب۔ شاعر کے مطابق شریعت کا اصرار کیا ہے؟

ج۔ شاعر کی نظر میں محبت کا تقاضا کیا ہے؟

د۔ جب حضور ﷺ کا نام آئے تو ہمیں کیا کہنا چاہیے؟

ہ۔ تیسرے شعر کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیں۔

و۔ ان اشعار میں ماہر القادری کا مقصد اور سلوب کیا ہے؟

ز۔ تکنیک کے اعتبار سے یہ نظم کس ہیئت میں لکھی گئی ہے؟

لکھنا

۳۔ درج ذیل نظمیہ اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں۔

مرے سرکار ﷺ کے، نقشِ قدم، شمعِ ہدایت ہیں
یہ وہ منزل ہے، جس کو مغفرت کا راستا کہیے

محمد ﷺ کی نبوت، دائرہ ہے نورِ وحدت کا
اِسی کو ابتدا کہیے، اِسی کو انتہا کہیے

غبارِ راہِ طیبہ، سرمۂ چشمِ بصیرت ہے
یہی وہ خاک ہے، جس خاک کو، خاکِ شفا کہیے

قواعد/زبان شناسی

متضاد الفاظ: ایسے الفاظ جو ایک دوسرے کے اُلٹ یا مخالف معانی ظاہر کریں۔ مثلاً: اسلام کا متضاد کفر

۴۔ درج ذیل الفاظ میں باہم متضاد الفاظ کی جوڑیاں شناخت کریں اور ان کے جملے لکھیں۔

باطن، اوج سابقہ زبردست، انجام، توانا، ظاہر، ناتواں،

حقیقی، ناتواں، آغاز، زیردست آئندہ، پستی

نظم بہ لحاظ موضوع میں امتیاز

حمد: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی واحدانیت، یکتائی اور صفات کا ذکر ہو۔

نعت: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں جناب رسالت مآب ﷺ کے اوصافِ حمید کا تذکرہ ہو۔

منقبت: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں صحابہ کرام، بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کی خدمات اور اوصاف کا تذکرہ کیا گیا ہو۔

قصیدہ: ایسی نظم جس میں کسی بادشاہ وغیرہ کی تعریف کی جائے، قصیدہ کہلاتی ہے۔ قصیدے کا بنیادی مقصد ارباب اقتدار کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے یا محض اُن کی فرمائش پورا کرنے کے لیے قصیدہ لکھا جاتا ہے۔

ملی نغمہ: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں وطن اور قوم کی محبت، جذبوں اور ولولوں کا ذکر ہو۔

مرثیہ: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی عظیم شخصیت کی وفات یا کسی دردناک سانحے کا ذکر ہو۔

مناجات دعا: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں رقت انگیز لہجے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی گئی ہو جیسے اُس کی ذات سامنے ہو اور شاعر انتہائی ملتجی ہو۔

۴۔ حمد، نعت، منقبت، ملی نغمہ اور مرثیہ کے تین تین ایسے اشعار لکھیں جن سے پانچوں اصناف نظم کا موضوع کے لحاظ سے امتیاز ممکن ہو سکے۔

سرگرمی

جماعت میں ایک دورانیے پر مشتمل محفل نعت منعقد کریں جس میں ساتھی طلبہ کی حوصلہ افزائی کریں کہ وہ اس میں عقیدت و احترام سے شریک ہوں۔

۳ خطاب بہ جوانانِ اسلام

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

پڑھنا
- مختلف شعرا کے ادب پارے پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کی اہمیت پر رائے دے سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے اس پر اپنی رائے دے سکیں۔

لکھنا
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- نظم کے اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔

قواعد / زبان
- ذو معانی الفاظ / جملے عبارت سے الگ کر سکیں اور ان کا تحریر میں استعمال کر سکیں۔

شناسی
- نظم بہ لحاظ ہیئت (غزل، مخمس، مسدس) کی شناخت کر سکیں۔
- متشابہ الفاظ کو پہچان کر تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔

خاص الفاظ					
	اسلاف	آئین	تاجِ سرِ دارا	تمدّن	ثریا
	جہاں بان	جہاں گیر	شتربان	فردوس ثمر	منعم

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو وضاحت سے بتائیں کہ بیسویں صدی عیسوی میں مسلمانانِ برصغیر ہندوؤں اور انگریزوں سے سیاسی نجات کے لیے کوششوں میں مصروف تو تھے لیکن اس جدوجہد کو ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے نعرے سے علامہ اقبال نے نہ صرف ہم کنار کیا بلکہ عملی طور پر اپنی انقلابی شاعری اور افکار و خیالات سے اُن کے دلوں میں آزادی کی تڑپ، جوش و ولولہ پیدا کیا۔ علامہ اقبال کی ایسی شاعری کے حوالے سے طلبہ کو تفصیل سے بتائیں۔

علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء)

محمد اقبال نام اور تخلص اقبال تھا۔ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام نور محمد اور والدہ کا نام امام بی بی تھا۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کرنے کے بعد مرے کالج سیالکوٹ میں داخل ہوئے جہاں خوش قسمتی سے انھیں مولوی میر حسن جیسے شفیق استاد مل گئے، جن سے انھوں نے بہت فیض حاصل کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے اقبال نے فلسفے کے مضمون میں ایم۔ اے کیا۔ یہاں انھیں پروفیسر ٹامس آرنلڈ جیسے استاد اور رہنما کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا بھرپور موقع میسّر آیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں کچھ عرصہ انھوں نے بہ طور استاد فرائض انجام دیے۔ مگر علم کی لگن انھیں یورپ لے گئی۔ قیامِ یورپ کے دوران انھوں نے کیمبرج یونی ورسٹی سے بار ایٹ لا کی ڈگری حاصل کی۔ علاوہ ازیں میونخ یونی ورسٹی، جرمنی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۸ء میں وہ وطن واپس آگئے اور اپنی شاعری کے ذریعے ملک و قوم کی اصلاح اور بیداری میں مصروف ہو گئے۔

علامہ اقبال نے اُردو اور فارسی میں پُر اثر اور ولولہ انگیز شاعری کی۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے ملّتِ اسلامیہ کے تنِ مردہ میں زندگی کی لہر دوڑا دی اور اپنے اثر انگیز کلام سے عالمِ اسلام کو گراں خوابی سے بیدار کیا۔ اقبال کی اردو شاعری کی کتابوں میں بانگِ درا، بالِ جبریل اور ضربِ کلیم شامل ہیں۔ ارمغانِ حجاز میں بھی کچھ نظمیں اُردو میں ہیں

جب کہ اس کا بیشتر حصہ فارسی میں ہے۔ یہ سب مجموعے کلیاتِ اقبال کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ اردو شعری مجموعوں کے علاوہ فارسی زبان میں بھی علامہ اقبال کا کلام موجود ہے۔ مثنوی اسرارِ خودی و رموزِ بے خودی، پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق، مسافر نامہ، جاوید نامہ؛ اُن کی فارسی شاعری کے مجموعے ہیں۔ اردو، فارسی شاعری کے علاوہ دورِ حاضر کے مسائل اور ان کے حل سے متعلق علامہ اقبال کے انگریزی خطبات کا مجموعہ Reconstruction of Religious Thought in Islam بھی موجود ہے جس سے ان کے فکر و فلسفہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- شاعرِ مشرق کسے کہتے ہیں؟
- "بانگِ درا" کس کا شعری مجموعہ ہے؟

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردوں تھا تُو جس کا ہے اِک ٹُوٹا ہوا تارا
تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کُچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تمدن آفریں، خلاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شُتر بانوں کا گہوارا
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اِتنے
کہ مُنعِم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گفتار وہ کردار تُو ثابت وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اِک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

(بانگِ درا)

مشق

پڑھنا

۱۔ درج ذیل اشعار کو پڑھ کر دیے گئے سوالات کے جوابات لکھیں۔

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

تمدن آفریں، خلاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شُتر بانوں کا گہوارا

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اِتنے
کہ مُنعِم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

سوالات:

الف۔ اقبال کے خیال میں مسلم نوجوان کو آغوش محبت میں پالنے والی قوم کی خوبی کیا تھی؟

ب۔ دوسرے شعر میں اقبال نے شُتر بان کسے کہا ہے اور کیوں؟

ج۔ دوسرے شعر کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیں۔

د۔ علامہ اقبال نے صحرا نشینوں کے کیا اوصاف بتائے ہیں؟

و۔ تاجِ سرِ دارا''کا مفہوم واضح کریں۔

۲۔ علامہ اقبال کی مشہور طویل نظمیں شکوہ''اور جوابِ شکوہ''کا مطالعہ کریں جن میں انھوں نے مسلمانوں کی سیاسی ابتری، زوال اور محرومی اور ان کی وجوہات کا تذکرہ کیا ہے۔ مسلم قوم کے جن مسائل کا ذکر علامہ اقبال نے آج سے سو سال قبل ان طویل نظموں میں کر دیا تھا۔ مسلم اُمہ آج بھی انھی مسائل سے دوچار ہے۔ آپ ان نظموں کو پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقفیت حاصل کریں اور عصری تناظر میں اس کی اہمیت پر رائے کا (تحریری یا زبانی) اظہار کریں۔

۳۔ پڑھی گئی نظم کے درج ذیل اشعار کی حوالوں کے ساتھ تشریح کریں اور اپنی رائے بھی دیں۔

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گفتار وہ کردار تُو ثابت وہ سیارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

لکھنا

۴۔ اس نظم کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

۵۔ نظم کے درج ذیل اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح لکھیں۔

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا

قواعد/زبان شناسی

ذو معانی الفاظ

ایسے الفاظ جو دو یا دو سے زائد معانی میں استعمال ہوں۔ مثال کے طور پر: آب (پانی اور چمک)

۵۔ درج ذیل نشان زدہ، ذو معانی الفاظ کو جملوں سے الگ کریں اور اپنے طور پر جملے تحریر کر کے فرق واضح کریں۔

الف۔ میں نے بڑا اصرار کیا لیکن آپ نے میری کوئی عرض نہ سنی۔
اس کپڑے کا عرض کتنا ہے؟

ب۔ پرندے کے پر مت کاٹو۔
کتاب میز پر رکھی ہے۔

ج۔ سونے کی کان میں حادثہ ہو گیا۔
میرے کان میں درد ہے۔

د۔ پانی کو لگن میں ڈالو۔
اسے ڈاکٹر بننے کی لگن ہے۔

نظم بہ لحاظ ہیئت (غزل، مخمس، مسدس) کی شناخت

غزل عربی زبان کا لفظ ہے غزل کے معنی ہیں عشق و محبت کی باتیں کرنا یا عورتوں سے باتیں کرنا۔ شکاری کتوں کے نرغے میں آکر انتہائی بے بسی کی حالت میں ہرن کے منہ سے جو چیخ نکلتی ہے، اسے بھی غزل کہتے ہیں ۔ شاعری کی اصطلاح میں غزل سے مراد شاعری کی وہ قسم ہے جس میں عشق و محبت،

ہجر و وصال کے لطیف احساسات کا بیان ہو۔ غزل کے اشعار کی تعداد ہمیشہ طاق ہوتی ہے جس کی کم سے کم تعداد پانچ اور بعض ناقدین کے نزدیک زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

غزل کا ہر شعر ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے جو معنی و مضمون کے لحاظ سے دوسرے شعر کا محتاج نہیں ہوتا۔ غزل کا پہلا شعر **مطلع** کہلاتا ہے بہ شرطیہ کہ اس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں۔ بہ صورتِ دیگر اُسے غزل کا پہلا شعر تو کہا جائے گا، مگر مطلع نہیں کہلائے گا۔ غزل کے آخری شعر کو **مقطع** کہتے ہیں بہ شرطیہ کہ اس میں شاعر نے اپنا تخلص استعمال کیا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ غزل کا آخری شعر تو کہلائے گا لیکن مقطع نہیں۔ ہم آواز الفاظ کو **قافیہ** جب کہ قافیے کے بعد دہرائے جانے والے الفاظ کو **ردیف** کہا جاتا ہے۔ ایسی غزل جس میں ردیف استعمال نہ ہو اسے غیر مردّف غزل کہتے ہیں۔

ایسی نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں مخمس کہلاتی ہے۔ ایسی نظم جس کے ہر بند میں چھے مصرعے مسدس کہلاتی ہے۔ اگر مخمس یا مسدس ہیئت میں ہر بند میں ایک مصرع یا شعر بار بار دہرایا جائے تو اُسے ٹیپ کا مصرع یا شعر کہا جاتا ہے اور جس نظم میں ٹیپ کا مصرع یا شعر استعمال ہوتا ہے اُسے ترجیع بند'' نظم کہتے ہیں۔ جس نظم کے ہر بند میں ٹیپ کا مصرع یا شعر نہ ہو اُسے ترکیب بند نظم کہا جاتا ہے۔

۶۔ غزل، مخمس اور مسدس ہیئت کی ایک ایک مثال لکھیں۔

تشابہ الفاظ:

یہ وہ الفاظ ہوتے ہیں جو لکھنے میں ایک جیسے ہوں لیکن ان کے معانی میں فرق ہوتا ہے۔ کبھی کبھار ان کو پڑھنے میں ہلکا سا فرق آ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ تاریخ ہے۔ یعنی مہینے کا دن اور گزرا ہوا زمانہ، روایات۔ اسی طرح اتفاق یعنی ایک ہونا یا اچانک مل جانا۔ اسی طرح کچھ الفاظ پڑھنے میں ایک جیسے ہوتے ہیں یعنی ان کا تلفظ یا ادائی ایک جیسی ہوتی ہے لیکن ان کا املا اور معانی مختلف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر: منبر اور ممبر یا ارض اور عرض وغیرہ۔ ایسے الفاظ کو تشابہ الفاظ کہتے ہیں۔

۷۔ درج ذیل تشابہ الفاظ کو پہچان کر انھیں تحریر و تقریر میں استعمال کریں:

اصل، عسل، آم، عام، الم، علم، قلب، کلب، مقدر، مکدر

سرگرمی

اقبال کی نظم علی گڑھ کے طلبہ سے خطاب'' کو پڑھ کر اس میں سے اپنی پسند کے دو اشعار میں موجود موضوعات کی وضاحت لکھیں اور اُسے اپنے ساتھی طلبہ کے سامنے پیش کریں۔

۴

آمدِ صبح

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

سننا
- کلام/بات کو آغاز/درمیان سے سن کر نظم کے مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق سمجھتے ہوئے موضوع بیان کر سکیں۔

پڑھنا
- مختلف منظوم اصنافِ ادب پڑھ کر شعرا کے طرزِ تحریر کو شناخت کر سکیں۔
- کسی بھی نظم میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے اس پر اپنی رائے دے سکیں۔

لکھنا
- نظم کے اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔

قواعد/زبان شناسی
- تراکیبِ لفظی کی شناخت کر سکیں اور اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنی تحریر میں اس کا استعمال کر سکیں۔

خاص الفاظ	اُوس	بہشتِ نعیم	چرخِ اخضری	حباب	خوش الحانیاں
	دریچے	دم بہ دم	طائر	قمری	مینائے لاجورد

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- اُردو مرثیہ نگاری میں میر انیس اور میرزا دبیر کی شاعرانہ خوبیوں اور طرزِ تحریر سے طلبہ کو آگاہ کریں تاکہ وہ خود بھی نظم پارے پڑھ کر طرزِ تحریر کو شناخت کرنے کے قابل ہو سکیں۔

میر ببر علی انیس (۱۸۰۰ء۔۱۸۷۴ء)

میر ببر علی نام، انیس تخلص، فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میر خلیق تھا، جو اپنے وقت کے مشہور مرثیہ گو شاعر تھے۔ میر انیس نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے حاصل کی جب کہ مشقِ سخن کے لیے اپنے والد سے تربیت پائی۔ کچھ عرصہ فیض آباد میں رہنے کے بعد انیس کا پورا خاندان لکھنؤ چلا آیا۔ جہاں مستقل سکونت اختیار کر لی گئی۔ سلطنتِ اودھ کے زوال کے بعد میر انیس، عظیم آباد (پٹنہ) چلے گئے۔ کچھ وقت حیدر آباد، دکن میں گزارنے کے بعد آخری عمر میں پھر لکھنؤ واپس آگئے۔

میر انیس ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے کربلا کے واقعے پر ہزاروں کی تعداد میں مرثیے، سلام، قطعات و رباعیات لکھیں۔ ان کے مرثیوں میں بہت روانی، کلام کی صفائی اور لطفِ زبان پایا جاتا ہے۔ انھیں واقعہ نگاری، فطرت نگاری اور منظر نگاری میں کمال حاصل ہے۔ اعلیٰ شعری محاسن اور فصاحت و بلاغت ان کی شاعری کا زیور ہیں۔ ان کے مرثیے، مراثیِ انیس اور کلیاتِ انیس کے عنوانات سے چھپ چکے ہیں۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- مرثیہ سے مراد کون سی نظم ہے؟
- اُردو مرثیہ نگاری پر کس زبان کی شاعری کا اثر زیادہ ہے؟

پُھولا شَفَق سے، چَرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
گل زارِ شب، خزاں ہوا، آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک، زرِ انجم، نثارِ صبح
سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے، طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ، یہ رنگ، آفتاب کا
کِھلتا ہے جیسے، پُھول چمن میں، گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے، جھونکوں کا، دم بہ دم
مرغانِ باغ کی، وہ خوش الحانیاں، بہم
وہ آب و تابِ نہر، وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں ، پر نہ زیادہ، بہت، نہ کم
کھا کھا کے اوس، اور بھی سبزہ، ہرا ہوا
تھا موتیوں سے، دامنِ صحرا، بھرا ہوا

وہ نورِ صبح، اور وہ صحرا، وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول، درختوں پہ، بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا، رہ رہ کے، بار بار
کُو کُو وہ قمریوں کی ، وہ طاؤس کی پکار
وا تھے، دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سُو رواں تھے، دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی ، وہ صبح کا سماں
تھا جس کی ضو سے، وجد میں، طاؤسِ آسماں
ذروں کی روشنی پہ، ستاروں کا تھا گماں
نہرِ فرات، بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں

ہر نخل پر، ضیائے سر کوہِ طور تھی
گویا فلک سے، بارشِ بارانِ نور تھی

اوجِ زمیں سے، پست تھا، چرخِ زبر جدی
کوسوں تھا، سبزہ زار سے، صحرا زمردی
ہر خشک و تر پہ تھا، کرمِ بحرِ سرمدی
بے آب تھے مگر، دُرِ دریائے احمدیﷺ
روکے ہوئے تھی، نہر کو، اُمت رسولﷺ کی
سبزہ ہرا تھا، خشک تھی، کھیتی بتولؑ کی

وہ پھولنا شفق کا، وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ، وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی، پھونک کر، قدم اپنا، ہوائے سرد
یہ خوف تھا، کہ دامنِ گل پر، پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ، چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا، سبزہ کچھار کا

تھا بس کہ، روزِ قتل شہِ آسماں جنابؑ
نکلا تھا خوں ملے ہوئے، چہرے پہ آفتاب
تھی نہرِ علقمہ بھی، خجالت سے آب آب
روتا تھا، پھوٹ پھوٹ کے، دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی،سپاہِ خدا، تین رات کی
ساحل سے، سر پٹکتی تھیں، موجیں فرات کی
(مرثیہ: میر ببر علی انیسؔ)

مشق

سننا

۱۔ ایک طالب علم/طالبہ شاملِ نصاب مرثیے کے پہلے اور چوتھے بند کے دو دو اشعار درست تلفظ کے ساتھ پڑھے۔ باقی طلبہ نظم کے اس آغاز اور درمیان کو سُن کر نظم کے مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق وسباق سمجھتے ہوئے موضوع کو باری باری بیان کریں۔ رہ نمائی کے لیے "پڑھنا" میں موجود "مرکزی خیال اور سیاق وسباق" کی عبارت سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

(پہلا بند)

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
گل زارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک، زرِ انجم نثارِ صبح
سرگرم ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح

(آخری بند)

آمد وہ آفتاب کی ، وہ صبح کا سماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
ذروں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں

پڑھنا

مرکزی خیال اور سیاق وسباق

مرکزی خیال کا لغوی مطلب وہ خاص معنی جسے ادبی اظہار کا روپ دینا، فن کار کا مقصد ہوتا ہے۔ اس لیے ادب پارے کو ایک دائرہ سمجھ لیا جاتا ہے اور مقصد کو مرکز۔ اصطلاحی اعتبار سے کسی بھی نظم یا نثر پارے کا نچوڑ یا اصلی مفہوم جس کو سامنے رکھ کر شاعر یا ادیب اسے تخلیق کرتا ہے، مرکزی خیال کہلاتا ہے۔ مرکزی خیال لکھتے وقت یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ مرکزی خیال کسی تحریر کا بنیادی موضوع ہوتا ہے جس کے گرد ادب پارے کی تمام معلومات گھومتی ہیں۔ اس لیے شاعر یا مصنف کے بنیادی پیغام کو سمجھ کر انتہائی مختصر الفاظ میں دو سے تین سطروں میں مرکزی خیال لکھ دیا جاتا ہے۔

سباق سے مراد کسی مکمل ادب پارے (نظم یا نثر) سے ماخوذ اقتباس یا عبارت سے پہلے آنے والے حالات وواقعات یا معلومات جب کہ سیاق سے مراد کسی مکمل ادب پارے سے ماخوذ اقتباس یا عبارت (نثر یا نظم) کے بعد آنے والے حالات وواقعات اور معلومات یعنی کسی منثور یا منظوم اقتباس/نظم پارے کو پس منظر اور پیش منظر کے ساتھ سمجھنا سیاق وسباق سمجھنا کہلاتا ہے۔

۲۔ اگلے صفحے پر درج شدہ نظمیہ بند کا مرکزی خیال اور سیاق وسباق لکھیں۔

اوجِ زمیں سے، پست تھا، چرخِ زبر جدی
کوسوں تھا، سبزہ زار سے، صحرا زمردی

ہر خشک و تر پہ تھا، کرم بحر سرمدی
بے آب تھے مگر، دُرِ دریائے احمدی ﷺ

روکے ہوئے تھی، نہر کو، اُمت رسول ﷺ کی
سبزہ ہرا تھا، خشک تھی، کھیتی بتولؓ کی

۳۔ طرزِ تحریر یا اسلوبِ تحریر کے حوالے سے گذشتہ صفحات میں سرگرمی آچکی ہے۔ آپ انھی نکات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل نظمیہ بند جو کہ میر انیسؔ کے ایک مرثیے سے اخذ شدہ ہے، پڑھ کر میر انیس کے طرزِ تحریر کی شناخت کریں۔

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ مُنھ نکالتے تھے ، سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا، مکدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی، زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا، زمانہ زمیں پر
بھن جاتا تھا، جو گرتا تھا دانہ زمیں پر

لکھنا

۴۔ شاملِ نصاب نظم " آمد صبح"، میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا زبانی اظہار کریں۔ مثال کے طور شاملِ نصاب مرثیے کے پہلے چار بند صبح کی منظر کشی پر مشتمل ہیں۔ میر انیسؔ کو منظر نگاری میں کمال حاصل تھا اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے علمِ بیان اور علمِ بدیع کی مختلف صور تیں استعمال کیں۔ بند نمبر ۵ تا ۷ میں جو موضوع بیان ہوا ہے، اسے دیگر طلبہ کے سامنے زبانی طور پر بیان کریں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ علمِ بدیع سے مراد کلام کو خوب صورت بنانے کے لیے مختلف صنعتوں کا استعمال ہے۔ جیسے صنعتِ تکرار، صنعتِ تضاد، صنعت تلمیح وغیرہ۔ جب کہ علم بیان میں کلام کو معانی کے حوالے سے پُر اثر بنایا جاتا ہے۔ یہ تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل پر مشتمل ہوتا ہے۔

۵۔ یہ نظم آپ نے پڑھی۔ درج ذیل نظمیہ بند کے اشعار کی حوالوں کے ساتھ تشریح کریں اور اپنی تحریری /زبانی رائے بھی دیں۔

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبر جدی
کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمردی
ہر خشک و تر پہ تھا کرم بحر سرمدی
بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی ﷺ

روکے ہوئے تھی نہر کو اُمت رسول ﷺ کی
سبزہ ہرا تھا، خشک تھی کھیتی بتولؓ کی

تھا بس کہ، روزِ قتل شہِ آسماں جنابؓ
نکلا تھا خوں ملے ہوئے، چہرے پہ آفتاب
تھی نہرِ علقمہ بھی، خجالت سے آب آب
روتا تھا، پھوٹ پھوٹ کے، دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی، سپاہِ خدا، تین رات کی
ساحل سے، سر پٹکتی تھیں، موجیں فرات کی

قواعد/زبان شناسی

تراکیبِ لفظی

ترکیب لفظی کے معانی ہیں الفاظ کی ساخت، وضع یا بناوٹ۔ جملے کے اجزائے ترکیبی کا تجزیہ یعنی جملے میں استعمال ہونے والے ہر لفظ کی قواعدی حیثیت کا تعین کرنا بھی ترکیب لفظی کہلاتا ہے۔ جملے کے بنیادی طور پر دو حصے ہوتے ہیں یعنی مسند الیہ اور مسند۔ انھیں اسناد بھی کہا جاتا ہے۔ جملہ اسمیہ میں مسند الیہ اور مسند اسم ہوتے ہیں جب کہ جملہ فعلیہ میں مسند الیہ اسم اور مسند فعل ہوتا ہے۔ تاہم جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ میں اسناد کی پہچان کے لیے دیگر اصطلاحات بھی استعمال کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر: پاکستان میرا ملک ہے۔ اس جملے میں جب یہ بتائیں گے کہ پاکستان کو مبتدا (مسند الیہ)، میرا ملک کو خبر (مسند) اور ہے کو فعل ناقص کہیں گے۔ اسی طرح: پاکستان میچ جیت گیا۔ اس جملے میں یہ بتانا کہ پاکستان فاعل (مسند الیہ)، میچ، مفعول اور بن گیا فعل (مسند) ہے تو اس سارے عمل کو ترکیب لفظی کہیں گے۔

اس کے علاوہ تراکیبِ لفظی بنانے کی مختلف صورتیں ہیں:

دو مفرد لفظوں کے درمیان زیر یا ہمزہ ڈال کر ایک نئی لفظی ترکیب بنانا جس کے معانی نئے ہوں۔ جیسے موسم اور گرما سے موسم گرما، صفحہ اور ہستی سے صفحۂ ہستی۔ تراکیب صرف عربی اور فارسی الفاظ ہی سے بنتی ہیں، ہندی اور دیگر مقامی زبانوں سے لفظی ترکیب سازی ممکن نہیں ہو سکتی۔ ڑ، ٹ، ڈ اپنی اصل میں ہندی حروف ہیں۔ اسی طرح بھ، پھ، کھ، ٹھ وغیرہ بھی ہندی الاصل ہیں۔ لفظوں کا ماخذ لغات میں درج ہوتا ہے۔ اس اصول کے تحت "دھیانِ الفت" ایک غلط ترکیب لفظی ہوگی۔ دو سے زائد الفاظ ملا کر بھی تراکیب بنائی جا سکتی ہیں:

مثلاً: علامہ اقبال دو اشعار ملاحظہ ہوں:

ہم سایۂ جبریلِ امیں، بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن، نہ بخارا نہ بدخشاں
فطرت کا سرودِ ازلی، اِس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا، صفتِ سورۂ رحمان

اگر تراکیب لفظی میں دونوں الفاظ عربی زبان کے ہوں تو دونوں کے درمیان "ال" آئے گا۔ مثلاً: رب العالمین، سیرت النبی، ختم الرسل۔
ہندی اور دیگر مقامی زبانوں میں الفاظ ایک ساتھ تحریر ہوتے ہیں جیسے :تاریک رات، کالی آنکھیں، کڑوا پھل، آنکھ مچولی۔

تراکیب لفظی کے حوالے سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر پندرہ بیس سال کے بعد لغت، از کار رفتہ ہو جاتی ہے۔ لفظ معانی بدل لیتے ہیں، نئے الفاظ، محاورات اور اصطلاحات آ جاتی ہیں۔

٦۔ میر انیس کی شاملِ نصاب نظم میں سے دس تراکیب لفظی کی شناخت کریں اور انھیں اپنے جملوں میں تحریر کریں۔

مرثیہ

"مرثیہ" عربی زبان کا لفظ ہے جو لفظ "رثی" سے مشتق ہے۔ رثی کے معنی ہیں مردے پر رونا اور آہ و زاری کرنا۔" یہ صنف عربی شاعری میں رائج تھی۔ عزیزوں اور بزرگ ہستیوں کی موت پر رنج و الم کے جذبات سے لبریز جو اشعار کہے جاتے تھے انھیں اصطلاحاً "مرثیہ" کہا جاتا تھا۔ اُردو میں یہ صنف موضوعاتی لحاظ سے واقعاتِ کربلا سے مخصوص ہو گئی اور اسی مفہوم میں اس نے اُردو شاعری میں بہت ترقی کی تاہم اُردو میں ایسے مرثیوں کی بھی کمی نہیں جو مختلف لوگوں کی اموات پر اظہارِ غم کے لیے لکھے گئے ہوں۔ ایسے مرثیوں کے لیے "شخصی مرثیہ" کی اصطلاح رائج ہے۔ چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، رزم، شہادت اور بین مرثیے کے اہم اجزا سمجھے جاتے ہیں۔

٧۔ شاملِ نصاب مرثیے کا حصہ پڑھ کر بتائیں کہ یہ متن مرثیے کا کون سا جزو ہے؟ چہرہ، آمد یا شہادت

سرگرمی

سکول کی لائبریری سے میرزا دبیر کے مرثیوں کا مجموعہ جاری کرائیں۔ میرزا دبیر اور میر انیس کے کسی ایک ایک مرثیے کا خاص طور پر مطالعہ کریں۔ استادِ محترم/استانی صاحبہ کے لیکچر کی روشنی میں دونوں شعرا کے طرزِ تحریر کی شناخت کریں۔ جہاں مشکل پیش آئے استاد محترم/استانی صاحبہ سے مزید رہنمائی لے لیں۔

آدمی نامہ

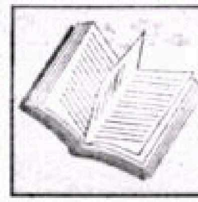

۵

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

سننا
- منظوم کلام سے متعلق اشارات اور اہم نکات سُن کر ان کے فہم کا تجزیہ کر سکیں۔
- مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، نظم، واقعہ، تقریر، اعلان، خطبہ، گفتگو، خبر، ڈراما، ہدایت اور فیچر سُن کر الفاظ کے اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

پڑھنا
- مختلف منظوم اصنافِ ادب پڑھ کر شعرا کے طرزِ تحریر کی شناخت کر سکیں۔
- مختلف عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ کر سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے اس پر اپنی رائے دے سکیں۔
- عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔

لکھنا
- نظم کے اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر مصنف / شاعر اور قاری کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال لکھ سکیں۔

قواعد / زبان شناسی
- متشابہ الفاظ کو پہچان کر تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔

خاص الفاظ					
خاص	اَبدال	بے نَوا	تاڑنا	تیغ	دِل پذیر
الفاظ	زَردار	قُطب	کَرامات	کَشف	کَماتا ہے

ہدایات برائے اساتذہ کرام

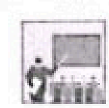

- طلبہ کو اُردو نظم نگاری کی روایت سے آگاہ کریں۔ نظم پاروں کی غرض و غایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھ کر ان کا مناسب اور محتاط موازنہ کریں تاکہ طلبہ خود بھی غرض و غایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھ کر ادب پاروں (نظمیہ / نثری) کا موازنہ کرنے کے قابل ہو سکیں۔

نظیر اکبر آبادی (۱۷۳۵ء۔ ۱۸۳۰ء)

نام سید ولی محمد اور تخلص نظیر تھا۔ والد کا نام سید محمد فاروق تھا۔ دِلّی میں پیدا ہوئے۔ بعد میں دہلی چھوڑ کر انھوں نے آگرہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں کے ہو رہے۔ نظیر اکبر آبادی کا صرف بچپن آسودگی سے گزرا۔ جوانی اور بڑھاپا انتہائی عُسرت میں گزارا۔ اُن کا ذریعۂ معاش درس و تدریس رہا۔ نظیر بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ نظموں میں انھوں نے اپنے عہد کی ترجمانی اور تصویر کشی کی ہے۔ اپنے دور کے تہذیبی مشاغل کے جو مختلف نقشے انھوں نے کھینچے ہیں، اس سے انسانوں کی دل چسپیوں کی ایک جامع تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔ مختلف تہوار، مثلاً عید، بقر عید، ہولی، بسنت، دیوالی، ان کی چہل پہل اور گہما گہمی، میلے ٹھیلے، رنگین اور زرق برق ملبوسات، موسم برسات، موسم سرما، پھل پھول، ترکاریاں، مٹی کے برتن، چھوٹے بڑے جان ور اور بیسیوں ایسی چیزیں اور مشاغل ہیں جن کے مرقعے اُن کی شاعری میں نظر آتے ہیں۔ اِسی لیے

انھیں ”عوامی شاعر“ کہا جاتا ہے۔ ان کی اہم خاصیت اُن کا ذخیرۂ الفاظ ہے، جسے ڈاکٹر ایس۔ ڈبلیو فیلن نے اپنی مرتب کردہ لغت میں جگہ دی۔ نظیرؔ کے کلام میں حقیقت پسندی، واقعہ نگاری، لفظی پیکر تراشی اور تشبیہات کا نرالا پن پایا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر اُن کا کلام اردو شاعری میں ایک منفرد انداز کی عکاسی کرتا ہے۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- عوامی شاعری کسے کہتے ہیں اور کیوں؟
- مسدس اور مخمس ہیئت کیا ہوتی ہے؟

دنیا میں، پادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا، ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے، سو ہے، وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے، کیا تھا، جو دعویٰ خدائی کا
شداد بھی، بہشت بنا کر، ہوا خدا
نمرود بھی، خدا ہی، کہاتا تھا برملا
یہ بات ہے، سمجھنے کی، آگے کہوں میں کیا
یاں تک، جو ہو چکا ہے، سو ہے، وہ بھی آدمی

مسجد بھی، آدمی نے بنائی ہے، یاں میاں
بنتے ہیں، آدمی ہی امام، اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں، آدمی ہی قرآن، اور نماز یاں
اور آدمی ہی، ان کی چُراتے ہیں، جُوتیاں
جو ان کو، تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے، ہے آدمی
اور آدمی پہ تیغ کو مارے، ہے آدمی
پگڑی بھی، آدمی کی اُتارے، ہے آدمی

چلا کے، آدمی کو پکارے، سو ہے آدمی
اور سن کے، دوڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں، آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دُھلا، اٹھاتے ہیں، کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی، پڑھتے جاتے ہیں، روتے ہیں زار زار
سب آدمی، ہی کرتے ہیں، مردے کے کاروبار
اور وہ جو، مر گیا ہے، سو ہے، وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے، سے لے شاہ تا وزیر
یہ آدمی ہی، کرتے ہیں، سب کارِ دل پذیر
یاں آدمی، مرید ہے اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی، آدمی ہی کہاتا ہے، اے نظیرؔ
اور سب میں، جو بُرا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

(کلیاتِ نظیر اکبر آبادی)

مشق

سننا

نظیر اکبر آبادی اُردو شاعری میں "عوامی شاعر" کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں کیوں کہ اُنھوں نے اُن موضوعات پر قلم اُٹھایا جن کا تعلق عوام کی دل چسپی سے ہے۔ نظم "آدمی نامہ" میں بھی اُنھوں نے دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کے عارضی پن کو ظاہر کرتے ہوئے انسانی معاشرے کی رنگا رنگی بیان کی ہے کہ انسان ایک ایسی ہستی ہے جس کے ان گنت پہلو ہیں، کچھ اچھے اور کچھ برے۔ تاہم انسان کی پہچان اور شناخت یہی ہے کہ وہ نہ تو فرشتہ ہے اور نہ ہی شیطان۔ انسانی شخصیت کے اسی تنوع کا نام معاشرہ ہے۔

۱۔ ایک طالب علم/طالبہ درج بالا اشارات اور اہم نکات کو بلند آواز سے پڑھے جب کہ باقی طلبہ "آدمی نامہ" کے شاملِ نصاب حصے کو پیشِ نظر رکھ کر ان اشارات اور اہم نکات کو سنتے ہوئے خود بھی تجزیہ کرتے ہوئے ایک پیراگراف کی صورت میں تحریری اظہار کریں۔

بولنا

۲۔ اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معانی

شامل نصاب حمد میں الفاظ کے لغوی، اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معانی پر بات ہو چکی ہے۔ آپ انھی نکات کو پیشِ نظر رکھ کر نظیر اکبر آبادی کی نظم "بنجارہ نامہ" یوٹیوب سے ڈاؤن لوڈ کریں۔ (اس کے لیے آپ اپنے استادِ محترم / استانی صاحبہ سے درخواست کر سکتے ہیں) موبائل فون یا ملٹی میڈیا کے ذریعے سُن کر تمام طلبہ باری باری اصطلاحی، مجازی اور کنایاتی معانی تک رسائی حاصل کریں۔

پڑھنا

۳۔ درج ذیل منظوم کلام پڑھ کر نظیر اکبر آبادی کے طرزِ تحریر کی شناخت کریں۔ رہ نمائی کے لیے شامل نصاب نظیر اکبر آبادی کے تعارف سے استفادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو ، لے کے مال
اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال
سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے ، سو ہے وہ بھی آدمی

بیوپار تو یاں کا بہت کیا، اب واں کا بھی کچھ سودا لو
جو کھیپ اُدھر کو چڑھتی ہے اُس کھیپ کو یاں سے لدوا لو
اُس راہ میں جو کھاتے ہیں ، اُس کھانے کو بھی منگوا لو
سب ساتھی پہنچے منزل پر، اب تم بھی اپنا رستہ لو
تن سُوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑی پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

۴۔ درج ذیل نظمیہ عبارات اپنی غرض و غایت اور ساخت کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ پہلے تین اشعار علامہ اقبال کی نظم "خطاب بہ جوانانِ اسلام" سے ہیں جس کی غرض و غایت مسلم نوجوانوں کا اُن کا شان دار ماضی یاد دلا کر اُنھیں مستقبل کے لیے مائل بہ عمل کرنا ہے اور اس کی ساخت (ہیئت) قطعہ بند ہے جب کہ دوسری نظمیہ عبارت میں میر انیس کے مرثیے کے اشعار ہیں، جن میں کربلا میں گرمی کی شدت کو بیان کیا گیا ہے جب کہ اس کی ساخت (ہیئت)

مسدس ہے۔ ان دونوں نظمیہ عبارات کی غرض وغایت (موضوعات) اور ساخت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ کریں۔

(الف)

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردوں تھا تُو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِدارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گفتار، وہ کردار، تُو ثابت وہ سیارا

(ب)

گرمی کا روزِ جنگ کی، کیوں کر کروں بیاں
ڈر ہے کہ مثلِ شمع، نہ جلنے لگے زباں
وہ لُو کہ الحذر! وہ حرارت کہ الاماں!
رَن کی زمیں تو سُرخ تھی اور زرد آسماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا، ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

ھ۔ نظم کو آپ نے پڑھا۔ درج ذیل بند کی حوالوں کے ساتھ تشریح کرتے ہوئے اس پر اپنی رائے دیں۔

فرعون نے، کیا تھا، جو دعویٰ خدائی کا
شداد بھی، بہشت بنا کر، ہوا خدا
نمرود بھی، خدا ہی، کہاتا تھا برملا
یہ بات ہے، سمجھنے کی، آگے کہوں میں کیا
یاں تک، جو ہو چکا ہے، سو ہے، وہ بھی آدمی

۱۶۔ درج ذیل اشعار کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں۔

نظر جھکائے عروسِ فطرت، جبیں سے زُلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارا ہے زلزلے میں، افق کی لو تھرتھرا رہی ہے
روش روش نغمہ طرب ہے، چمن چمن جشنِ رنگ و بُو
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں، کلی کلی گنگنا رہی ہے
کلی پہ بیلے کی کس ادا سے پڑا شبنم کا ایک موتی
نہیں یہ ہیرے کی کیل پہنے کوئی پری مسکرا رہی ہے

۱۷۔ نظم کے درج ذیل بند کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح لکھیں۔

مسجد بھی، آدمی نے بنائی ہے، یاں میاں
بنتے ہیں، آدمی ہی امام، اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں، آدمی ہی قرآن، اور نماز یاں
اور آدمی ہی، ان کی چُراتے ہیں، جُوتیاں
جو ان کو، تاڑتا ہے سو ہے، وہ بھی آدمی

۱۸۔ آدمی نامہ "کو پڑھ کر شاعر اور قاری کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال لکھیں۔

قواعد/زبان شناسی

۱۹۔ درج ذیل باہم متشابہ الفاظ کو پہچان کر انھیں جملوں میں استعمال کریں۔

ذلت، عید، ہجر، یاد، ابد، خار، ضلت، بعد، حجر

سرگرمی

سکول لائبریری سے کلیاتِ نظیر اکبر آبادی مہیا کریں اور اس میں سے ایسی نظموں کی فہرست بنائیں جن میں دنیا کی بے ثباتی، زندگی کے عارضی پن کو موضوع بنایا گیا ہو۔

۶ وغیرہ

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

بولنا
- کلام / بات درمیان سے سُن کر اپنے حافظے سے تسلسل کے ساتھ اہم نکات بتا سکیں۔

پڑھنا
- مختلف عبارت کی غرض و غایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ کر سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے اس پر اپنی رائے دے سکیں۔

لکھنا
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر شاعر اور قاری کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال لکھ سکیں۔

قواعد / زبان شناسی
- ضرب الامثال اور محاورات میں امتیاز کرتے ہوئے تحریر و تقریر میں ان کا استعمال کر سکیں۔

خاص	بے جرس	چاک کرنا	خطا ہونا
الفاظ	دَندان	مُسکان	ناز

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو اُردو شاعری میں طنز و مزاح کی روایت سے آگاہ کریں۔

پروفیسر انور مسعود (۱۹۳۵ء)

اصل نام محمد انور اور علمی ادبی دنیا میں پروفیسر انور مسعود کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ عہدِ موجود کے معروف شاعر ہیں، جو اردو، پنجابی اور فارسی میں شعر کہتے ہیں۔ عوامی حلقوں میں انور مسعود اپنی طنزیہ مزاحیہ شاعری سے مشہور ہوئے۔ انور مسعود کی پیدائش ۸ نومبر ۱۹۳۵ء گجرات، پاکستان میں ہوئی جب کہ لاہور سے اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں ہونے والے فسادات کے نتیجے میں واپس گجرات شہر آگئے جہاں انھوں نے "زمیندار کالج گجرات" میں تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے ایم اے (فارسی) کی ڈگری اورینٹل کالج لاہور سے گولڈ میڈل کے ساتھ حاصل کی۔ وہ پنجاب کے مختلف کالجوں میں فارسی کے پروفیسر رہے۔ انور مسعود کو پنجابی، اردو اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ان کی تصانیف میں میلہ اکھیاں دا (پنجابی۔ پنجاب رائٹرز گلڈ انعام یافتہ)، شاخِ تبسم، غنچہ پھر لگا کھلنے، میلی میلی دھوپ، اک دریچہ اک چراغ، قطعہ کلامی۔ (اُردو شعری مجموعے)، فارسی ادب کے چند گوشے (مقالے)، ہُن کیہ کریے (پنجابی کلام۔ ہجرہ انعام یافتہ)، تقریب (تعارفی مضامین۔ اُردو)، درپیش (مزاحیہ اردو شاعری)، بات سے بات (مضامین) شامل ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک طنز پوشیدہ ہوتا ہے جو پڑھنے یا سننے والے کو ناگوار نہیں گزرتا بلکہ وہ اس سے محظوظ ہوتا ہے۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

مزاحیہ شاعری سے کیا مراد ہے؟
مزاحیہ شعر کس کس کو آتا ہے؟

ہے آپ کے ہونٹوں پہ، جو مسکان وغیرہ
قربان گئے اس پہ، دل و جان وغیرہ

ملی تو یونہی مفت میں، بدنام ہوئی ہے
تھیلے میں، تو کچھ اور تھا، سامان وغیرہ

ہے حرص و غرض، فرض ادا کیجیے اپنا
جس طرح پولیس، کرتی ہے چالان وغیرہ

اب ہوش نہیں کوئی، کہ بادام کہاں ہے
اب اپنی ہتھیلی، پہ ہیں دندان وغیرہ

کس ناز سے، وہ نظم کو کہہ دیتے ہیں نثری
جب اس کے، خطا ہوتے اوزان وغیرہ

جمہوریت، اک طرزِ حکومت ہے، کہ جس میں؟
گھوڑوں کی طرح، بکتے ہیں، انسان وغیرہ

ہر شرٹ کی، بُوشرٹ بنا ڈالی، ہے انور
یوں چاک کیا، ہم نے گریبان وغیرہ
(دیوارِ گریہ اشعار کے پیچھے)

مشق

بولنا

ا۔ ایک طالب علم نظم کے درمیان سے لیے گئے درج ذیل اشعار کو بلند آواز کے ساتھ درست تلفظ، لے اور آہنگ سے پڑھے جب کہ باقی طلبہ انھیں سُن کر اپنے حافظے سے تسلسل کے ساتھ پوری نظم کے اہم نکات باری باری بیان کریں۔

ہے حرص و غرض ، فرض ادا کیجیے اپنا
جس طرح پولیس کرتی ہے چالان وغیرہ

کس ناز سے وہ نظم کہہ دیتے ہیں نثری
جب اس کے خطا ہوتے ہیں اوزان وغیرہ

۲۔ درج ذیل دو نظمیہ اجزا دیے جا رہے ہیں جن میں نظیر اکبر آبادی اور انور مسعود نے اپنے اپنے انداز اور نظم کی ساخت میں معاشرتی خرابیوں کی نشان دہی کی ہے۔ ان دونوں نظمیہ عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اِن کا مناسب اور محتاط موازنہ کریں۔

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی کو تیغ پہ مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی
چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
(مخمس، ترکیب بند)

بلی تو یوں مفت میں بدنام ہوئی ہے
تھیلے میں تو کچھ اور تھا ساماں وغیرہ
اب ہوش نہیں کوئی کہ بادام کہاں ہے
اب اپنی ہتھیلی پہ ہیں دندان وغیرہ
(قطعہ بند)

لکھنا

۳۔ استاد محترم / استانی صاحبہ نے اس نظم کی تشریح کرائی۔ اس تشریح کے اہم نکات ذہن میں رکھ کر درج ذیل اشعار کی تشریح کرتے ہوئے اس پر اپنی رائے دیں۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے جس میں
گھوڑوں کی طرح بکتے ہیں انسان وغیرہ
ہر شرٹ کی بشرٹ بنا ڈالی ہے انور
یوں چاک کیا ہم نے گریبان وغیرہ

۴۔ اس نظم کو پڑھنے کے بعد شاعر اور قاری کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا مرکزی خیال لکھیں۔

قواعد/زبان شناسی

ضرب الامثال، روز مرہ محاورات

ضرب المثل: یہ ایک مکمل جملہ ہوتا ہے اور کسی واقعے کو بتانے اور اس پر مہر تائید ثبت کرنے کا ایک نرالہ انداز ہے جس سے گفتگو اور کلام میں چاشنی پیدا ہوتی ہے اور مضمون نہایت عمدہ ہو جاتا ہے۔ ضرب المثل کو کہاوت بھی کہتے ہیں۔ جیسے: انگور کھٹے ہیں۔

محاورہ:

دو یا دو سے زائد الفاظ جو حقیقی کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوں محاورہ کہلاتا ہے۔ مثلاً: آنکھیں دکھانا، آسمان سے باتیں کرنا۔

روز مرہ:

دو یا دو سے الفاظ کا مجموعہ جو اہلِ زبان کی بول چال کے مطابق حقیقی معنوں میں استعمال ہو۔ مثلاً: بھارت آئے دن کشمیریوں پر ظلم ڈھاتا ہے۔ اس جملے میں آئے دن، درست روز مرہ ہے۔ اگر اس کی جگہ "آئے روز" لکھیں گے تو غلط ہوگا۔ اسی طرح روز بہ روز، پانچ سات وغیرہ۔

۵۔ درج ذیل ضرب الامثال اور محاورات میں امتیاز کرتے ہوئے تحریر و تقریر میں استعمال کے لیے جملے لکھیں۔

آسمان ٹوٹ پڑنا، اپنا اُلو سیدھا کرنا، آدھا تیتر آدھا بٹیر، آپ کاج مہا کاج، چکا چوند ہونا، آئے روز، اونچی دکان پھیکا پکوان، رائی کا پہاڑ بنانا، انیس بیس کا فرق، اُلٹے بانس بریلی کو

سرگرمی

اُردو کے طنز و مزاحیہ شاعر اکبر الٰہ آبادی کے کلام کا کلیات اپنے سکول کی لائبریری سے جاری کرائیں۔ اس کا مطالعہ کریں اور ان کی شاعری کے اہم ترین موضوع کی نشان دہی کریں۔ نیز کلیات اکبر الہ آبادی میں سے درج ذیل ہیئت کی حامل ایک ایک نظم چنیں اور انھیں تحریر کریں تاکہ مختلف ہیئتوں کے فرق کو جان سکیں:

- مخمس ترکیب بند
- مخمس ترجیع بند
- مسدس ترکیب بند
- مسدس ترجیع بند

حصہ غزل

غزل

۱

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

سننا	• عمدہ سامع کے طور پر الفاظ، جملوں، مصرعوں، شعروں، نظموں گیتوں وغیرہ کے تلفظ، آہنگ، لحن اور ادائی سے شعوری طور پر لطف اٹھا سکیں۔
پڑھنا	• اشعار کو فہم کے ساتھ پڑھ کر متعلقہ سوالات (براہِ راست، بالواسطہ اور کثیر الجہت) کے جوابات دے سکیں۔
	• غزل کی شاعری میں مطلع اور مقطع کی شناخت کر کے ان کا فرق سمجھ سکیں۔
	• عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجہ، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
لکھنا	• غزل کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
قواعد/زبان	• غزل میں مطلع اور مقطع کی شناخت کر سکیں۔
شناسی	• نظم/غزل کے اجزا (مصرع، شعر، قافیہ، ردیف، بند، مطلع، مقطع) کی شناخت کر سکیں۔
	• نظم بلحاظ ہیئت (غزل، مخمس، مسدس) کی شناخت کر سکیں۔

خاص	اَعجازِ مَسیحا	اَورَنگ	بازیچۂ اَطفال	جُنبِش	ساغَر
الفاظ	صُورتِ عالَم	کَلیسا	مِینا	نِہاں	ہستیٔ اَشیا

ہدایات برائے اساتذہ کرام

• طلبہ کو غزل کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر) انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کرائیں۔

میرزا اسداللہ خاں غالبؔ (۱۷۹۷ء-۱۸۶۹ء)

میرزا اسداللہ بیگ نام اور غالبؔ بہ طور تخلص استعمال کیا کرتے تھے۔ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میرزا عبداللہ بیگ تھا اور پیشہ سپہ گری۔ بچپن میں ہی آپ کے والد فوت ہو گئے، اس لیے اُن کی پرورش اُن کے چچا نے کی۔ آٹھ سال کے تھے کہ چچا بھی انتقال کر گئے۔ ۱۸۵۴ء میں قلعۂ دِلّی کی ملازمت اختیار کی۔ اُستاد ذوق کی رحلت کے بعد مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفرؔ نے مرزا غالبؔ کو "ملک الشعرا" کے خطاب سے نوازا۔ عمر کا آخری حصہ انگریز حکومت کے وظیفے پر بسر کیا البتہ والیٔ رامپور کا وظیفہ تاحیات ملتا رہا۔ غالبؔ، اُردو اور فارسی زبان کے نابغۂ روزگار تھے۔ اُن کے اردو کلام کو جو شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی، وہ بہت کم شاعروں کے حصے میں آئی۔ غالبؔ کی ادبی اور شاعرانہ عظمت کا اعتراف ان کی زندگی ہی میں کیا جانے لگا تھا۔ وہ انسانی نفسیات کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے اسی لیے ان کے کلام میں انسانی جذبات و محسوسات بڑی ہنر مندی سے نمایاں ہوئے ہیں۔

غالبؔ کے کلام میں مشکل پسندی، نادر تشبیہات، تمثیل، کنایہ، ایجاز و اختصار، شوخی و ظرافت، پہلوداری اور فلسفیانہ عناصر کی خصوصیات واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ مرزا غالب کا اردو اور فارسی میں ایک ایک دیوان ہے۔ اس کے علاوہ مکاتیب کے بھی دو مجموعے "اردوئے معلیٰ اور عودِ ہندی" ہیں جن میں مرزا غالب نے مکتوب نگاری کو روایت سے ہٹ کر ایک شگفتگی اور بے تکلفی سے آراستہ کیا۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- مرزا غالب، دیگر اردو شاعروں سے کس طرح مختلف ہیں؟
- غالب کے کلام کی ایک اہم خوبی بتائیں؟

بازیچۂ اطفال ہے، دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز، تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے، اورنگ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے، اعجازِ مسیحا مرے آگے

جز نام نہیں، صورتِ عالم، مجھے منظور
جز وہم نہیں، ہستیِ اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں، گرد میں صحرا، مرے ہوتے
گھستا ہے، جبیں خاک پہ دریا، مرے آگے

مت پوچھ کہ، کیا حال ہے، میرا ترے پیچھے
تُو دیکھ کہ، کیا رنگ ہے، تیرا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے، جو کھینچے ہے، مجھے کُفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

گو ہاتھ کو، جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو، ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالبؔ کو بُرا کیوں کہو، اچھا! مرے آگے

(دیوانِ غالبؔ)

مشق

سننا

۱۔ مرزا غالبؔ کی درج غزل کسی معروف غزل گائیک کی آواز میں یوٹیوب سے ڈاؤن لوڈ کریں اور عمدہ سامع کے طور پر اس کے الفاظ، مصرعوں اور شعروں کے تلفظ، آہنگ، لحن، لے اور ادائی سے شعوری طور پر لطف اٹھائیں:

آہ کو چاہیے ، اک عمر، اثر ہونے تک
کون جیتا ہے؟ تیری زلف کے سر ہونے تک

پڑھنا

۲۔ درج ذیل اشعار کو فہم کے ساتھ پڑھ کر سوالات (بہ راہِ راست اور بالواسطہ) کے جوابات دیجیے۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے
گھِستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

سوالات:

الف۔ بازیچۂ اطفال سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

ب۔ اورنگِ سلیماں اور اعجازِ مسیحا کا مفہوم واضح کریں۔

ج۔ گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے۔۔۔۔ اس مصرعے کا مفہوم لکھیں۔

د۔ شاعر کے ہوتے کیا چیز گرد میں نہاں ہو جاتی ہے؟

۳۔ مرزا غالب کی غزل کے اشعار کو فہم کے ساتھ پڑھ کر متعلقہ سوالات (کثیر الجہت) کے جوابات دیں۔

الف۔ بازیچۂ اطفال ہے، دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز، تماشا مرے آگے

اس شعر میں ''دنیا، تماشا'' کو قواعد کی رو سے کیا کہیں گے؟

الف۔ محاورہ ب۔ روزمرہ ج۔ قافیہ د۔ ردیف

ب۔ اک کھیل ہے، اورنگِ سلیماں مرے نزدیک اک بات ہے، اعجازِ مسیحا مرے آگے

اس شعر میں ''اورنگِ سلیماں اور اعجازِ مسیحا'' کو قواعد کی رُو سے کیا کہیں گے؟

الف۔ ضرب المثل ب۔ تلمیح ج۔ تشبیہ د۔ کنایہ

ج۔ اس غزل کے تمام اشعار کے آخر میں آنے والے الفاظ ''مرے آگے'' کو قواعد کی رُو سے کیا کہیں گے؟

الف۔ ردیف ب۔ قافیہ ج۔ محاورہ د۔ روزمرہ

د۔ غزل کے پہلے اور دوسرے شعر کا موضوع ہو سکتا ہے:

الف۔ انسان کی ترقی ب۔ شاعروں کا تنزل ج۔ شاعری کی ترقی د۔ حکمرانوں کی ترقی

ہ۔ غزل کے چوتھے شعر کو ایک خوب صورت مثال دی جاسکتی ہے:

الف۔ ایک تلازمے کی ب۔ شاعرانہ تعلی کی ج۔ ایک استعارے کی د۔ ایک کنائے کی

مطلع اور مقطع کا فرق اور شناخت

مطلع: قصیدے یا غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں اُسے مطلع کہتے ہیں۔ مثلاً

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں! خوش رہو ہم دعا کر چلے

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

مقطع: قصیدے یا غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے مقطع کہلاتا ہے۔ مثلاً

کعبے کس منھ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

۴۔ درج ذیل اشعار میں مطلع اور مقطع کی نشان دہی کریں۔

کیوں سُنے عرضِ مضطرب مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

گل کو ہوتا صبا! قرار اے کاش!
رہتی ایک آدھ دن ، بہار اے کاش!

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اُردو زباں آتے آتے

یہ آرزو تھی ، تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبلِ بے تاب گفتگو کرتے

۵۔ اگلے صفحے پر درج غزلیہ اشعار کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں۔

آہ کو چاہیے ، اک عمر، اثر ہونے تک
کون جیتا ہے، تری زُلف کے ، سر ہونے تک
عاشقی صبر طلب، اور تمنا بے تاب
دِل کا کیا رنگ کروں، خونِ جگر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے، لیکن
خاک ہوجائیں گے ہم، تم کو خبر ہونے تک

لکھنا

۶۔ درج ذیل غزل کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں۔

بُجز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
بُجز وہم نہیں ہستیِ اشیا مرے آگے
ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا ہے مرے آگے
ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالبؔ کو بُرا کیوں کہوں، اچھا! مرے آگے

قواعد/زبان شناسی

۷۔ مرزا غالبؔ کی اس غزل کے مطلع اور مقطع کی نشان دہی کریں۔

نظم/غزل کے اجزا (محاسن) کی شناخت

مصرع: شعر کی ایک سطر کو مصرع کہتے ہیں، آدھا شعر یا بیت کا نصف حصہ۔ (ایک شعر یا بیت دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔) مصرعہ کے لغوی معنی ہیں: دروازے کا ایک کواڑ۔

شعر: بہترین الفاظ کے استعمال کو شعر کہا جاتا ہے۔ مقررہ وزن اور بحر میں لکھی تحریر کو بھی شعر کہتے ہیں، ایک شعر دو ہم وزن، مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک ہی بحر میں لکھے گئے ہوں اور جو کسی سنجیدہ مضمون پر مشتمل ہوں۔

قافیہ: ہم آواز الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں۔ ردیف: قافیہ کے بعد دہرائے جانے والے الفاظ کو ردیف کہتے ہیں۔

مطلع: غزل یا قصیدے کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہم ردیف ہوں۔

مقطع: غزل یا قصیدے کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے۔

۸۔ درج ذیل مثالوں میں سے مصرع، شعر، قافیہ، ردیف، بند، مطلع، مقطع کی نشان دہی کریں۔

۔کیوں سُنے عرضِ مضطرب مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

۔ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

۔بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

۔وہ نورِ صبح اور وہ صحرا، وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
کُو کُو وہ قمریوں کی ، وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سُو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

۹۔ نظم بلحاظ ہیئت (غزل، مخمس، مسدس) کی شناخت۔ درج ذیل مثالوں میں سے غزل، مخمس اور مسدس ہیئت کی نشان دہی کریں۔

اسی طرح یاں اہلِ ہمت ہیں جتنے
کمر بستہ ہیں کام پر اپنے اپنے
جہاں کی ہے سب دھوم دھام ان کے دم سے
فقیر اور غنی سب طفیلی ہیں اُن کے
بغیر ان کے بے سازوساماں تھی مجلس
نہ ہوتے اگر یہ تو ، ویراں تھی مجلس
(الطاف حسین حالیؔ)

کھول آنکھ زمین دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوہ بے پردہ کو پردے میں چھپا دیکھ

ایام جدائی کے ستم دیکھ ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکہ بیم و رجا دیکھ
(علامہ اقبالؒ)

یہ حادثہ نہیں تھا کہ پیدا ہوا درخت
لیکن یہ سانحہ ہے ، جلایا گیا درخت
طائر بھی اُڑتے جاتے ہیں پتوں کے ساتھ ساتھ
ایسا اُداس دیکھا نہ ہم نے سُنا، درخت
تنہا اگر ہو چاند تو لگتا ہے وہ حسیں
اچھا لگا نہیں کبھی تنہا کھڑا درخت
سائے میں بیٹھ کر بھی کسی کو نہ تھا خیال
صحرا کی تیز دھوپ میں جلتا رہا درخت
ناصرؔ ہماری فکر کا سورج ہی ماند ہے
ورنہ زمینِ دل پہ بھی اُگتا بڑا درخت
(ناصرؔ منگل)

سرگرمی

کالج لائبریری سے مرزا غالبؔ، داغؔ دہلوی، فیض احمد فیضؔ اور احمد فرازؔ کے کلام کے مجموعے جاری کرائیں اور ہر شاعر کے دو مطلعے اور دو مقطعے ڈھونڈ کر لکھیں اور انھیں زبانی یاد کریں۔

۲

غزل

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

بولنا	•	کسی بات، پیغام، کلام، نشریات، کہانی اور مکالمے کو سن کر ترتیب سے دہرا سکیں۔
پڑھنا	•	متن پڑھ کر خیالات، آرا اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے رائے پیش کر سکیں۔
	•	غزل کی شاعری میں مطلع اور مقطع کی شناخت کر کے ان کا فرق سمجھ سکیں۔
لکھنا	•	غزل کے اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
قواعد/زبان	•	اصنافِ نظم کے محاسن (علم بیان) کو شناخت کر سکیں۔
شناسی	•	واحد جمع بنا سکیں اور استعمال کر سکیں۔

خاص	اَغیار	چَرخ	راحت فَزا	رَنج
الفاظ	عَرض	مُضطَرِب	ناصح	وعدہ وفا

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو اصنافِ نظم کے محاسن خاص طور پر تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل کی شعری اور نثری مثالیں دے کر وضاحت کریں اور عبارت/اشعار میں شناخت کے لیے مشق کرائیں۔

مومن خان مومنؔ (۱۸۰۰ء–۱۸۵۱ء)

مومن خان مومنؔ (۱۴ مئی ۱۸۰۰ء) دہلی میں پیدا ہوئے۔ دبستان دہلی سے تعلق رکھنے والے اردو زبان کے مشہور شاعر اور اسد اللہ خاں غالب کے ہم عصر تھے۔ مومن خان نام اور مومن تخلص تھا۔ والد کا نام غلام نبی خاں تھا۔ مومن کے دادا سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں شاہی طبیبوں میں داخل ہوئے اور حکومت سے جاگیر بھی حاصل کی۔ ان کے والد کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بہت عقیدت تھی۔ چناں چہ شاہ صاحب موصوف نے ہی مومن خاں نام رکھا۔ گھر والوں کو یہ نام ناپسند تھا اسی لیے انھوں نے آپ کا نام حبیب اللہ رکھنا چاہا لیکن آپ نے شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کے نام سے نام پایا۔ مومن بچپن ہی سے ذہین طبع تھے اور حافظہ بہت اچھا تھا۔

آپ نے عربی و فارسی، طب، نجوم اور موسیقی میں جلدی کمال حاصل کر لیا۔ اصناف شاعری میں قصیدہ، رباعی، واسوخت، غزل، ترکیب بند، مثنوی سبھی میں طبع آزمائی کی ہے۔ دبستان لکھنؤ کے شعرا کے برعکس انھوں نے اپنی شاعری کو فحش اور ابتذال سے بچا کر صحت مند حدود میں رہنے دیا۔ بیشتر اشعار میں روایت یا مفروضات کم ہیں اور ذاتی تجربات زیادہ، اسی لیے شاعری میں ایک عاشق کا تصور ابھرتا ہے جو میر تقی میر کی خود سپردگی اور خاک ساری، لکھنوی شعرا کی ہوس ناکی اور کج روی اور غالب کی نرگسیت اور خود پسندی سے قطعی مختلف ہے۔ مومن خان مومنؔ نے ۱۸۵۱ء میں وفات پائی۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- مومن خان مومنؔ کس صنفِ شاعری کی وجہ سے مشہور ہیں؟
- مومنؔ کی شاعری کا دور کون سا ہے؟

اثر اُس کو، ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا

بے وفا، کہنے کی شکایت ہے
تُو بھی، وعدہ وفا نہیں ہوتا

ذکرِ اغیار سے ہُوا معلوم
حرفِ ناصح، بُرا نہیں ہوتا

تُم ہمارے، کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں، کیا نہیں ہوتا

ایک دشمن، کہ چرخ ہے، نہ رہے
تجھ سے یہ، اے دعا نہیں ہوتا

تم مرے پاس، ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

حالِ دل، یار کو لکھوں کیوں کر
ہاتھ دل سے، جدا نہیں ہوتا

کیوں سنے؟ عرضِ مضطرب مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

(دیوانِ مومنؔ)

مشق

بولنا

۱۔ مومن خان مومن کے درج ذیل کلام کی ایک طالب علم بلند خوانی کرے جب کہ باقی طلبہ ان اشعار میں بیان کیے گئے موضوعات کو ترتیب سے دہرائیں۔

ٹھانی تھی دل میں، اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
کیا کریں کہ ہوگئے ناچار، جی سے ہم
ہنستے جو دیکھتے ہیں، کسی کو کسی سے ہم
منھ دیکھ دیکھ کے روتے ہیں، کس بے کسی سے ہم
ہم سے نہ بولو تم، اسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجیے، پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

پڑھنا

۲۔ درج ذیل اشعار پڑھ کر سوالات کے جوابات دیں۔

ایک دشمن کہ چرخ سے نہ رہے
تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
کیوں سنے عرضِ مضطرب مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

الف۔ درج بالا اشعار سے دو تراکیب لفظی چن کر لکھیں۔

ب۔ آخری شعر کو شاعری کی اصطلاح میں کیا کہیں گے، مطلع، مطلع ثانی یا مقطع؟ وضاحت کیجیے۔

ج۔ پہلے شعر کا مرکزی خیال لکھیں۔

د۔ دوسرے شعر میں لفظ "گویا" کی ذو معنویت کی وضاحت کریں۔

ہ۔ آخری شعر میں لفظ "مومن" کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی خوبی بیان کریں۔

۳۔ انسانی معاشرے کی خوب صورتی یہ ہے کہ محبت، نفرت، غم، خوشی، غصہ، ناراضی وغیرہ کے اظہار کے موقع پر ہر انسان دوسرے انسانوں کے مقابلے میں مختلف خیالات، آرا اور رویوں کا مظاہرہ کرتا ہے جن کا آپس میں فکری اور نفسیاتی سطح پر کوئی نہ کوئی تعلق ضرور بنتا اور ہوتا ہے۔ مومن خان مومنؔ نے بھی اپنی اس غزل میں اپنے محبوب اور اپنی کیفیات کا باہم تعلق اور موازنہ بیان کیا ہے۔

درج ذیل غزلیہ متن پڑھ کر مختلف خیالات، آرا اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اپنی رائے تحریر کریں۔

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا
بے وفا کہنے کی شکایت ہے
تُو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا

لکھنا

۴۔ اس غزل میں موجود مطلع اور مقطع کی نشان دہی کریں۔

۵۔ درج ذیل غزلیہ اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں۔

ذکر اغیار سے، ہُوا معلوم
حرفِ ناصح، بُرا نہیں ہوتا

تُم ہمارے، کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں، کیا نہیں ہوتا

قواعد/زبان شناسی

اصنافِ نظم کے محاسن کی شناخت (علم بیان):

الف۔ تشبیہ اور ارکان تشبیہ

تشبیہ کے لفظی معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند قرار دینا یا مثال دینا۔ اور علم بیان کی رو سے ایک چیز کسی مشترک خوبی کی بنا پر دوسری چیز کے مانند قرار دیا جائے جبکہ وہ خوبی دوسری چیز میں زیادہ پائی جاتی ہو تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ مثلاً:

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

بچہ چاند کی طرح خوبصورت ہے۔

اس فقرے میں بچکی خوبصورتی کو چاند سے تشبیہ دے کر اس کے حسن کو ظاہر کیگیا ہے چونکہ چاند حسن کے لحاظ سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے۔ لہٰذا بچے کی خوبصورتی کو چاند کی مانند قرار دیگیا ہے۔

ارکان تشبیہ:- تشبیہ کے پانچ ارکان ہیں ۔

مشبہ: جس کو تشبیہ دی جائے۔ اوپر دی گئی مثالوں میں بچہ، اور ہستی

مشبہ بہ: جس سے تشبیہ دی جائے۔ اوپر دی گئی مثالوں میں میں چاند اور حباب

حروف تشبیہ: تشبیہ دینے کے لیے استعمالہونے والے الفاظ۔ اوپر دی گئی مثالوں میں کی طرح، کی سی

وجہ شبہ: تشبیہ کی وجہ یعنی مشترک خوبی یا خامی۔ اوپر دی گئی مثالوں میں بہادری، عارضی پن یا نزاکت

غرض تشبیہ: وہ مقصد جس کے لیے تشبیہ دی جائے۔ اوپر دی گئی مثالوں میں بچہ بہادر ہے، زندگی عارضی یا نازک ہے۔

ب۔ استعارہ اور ارکانِ استعارہ

استعارہ کے لفظی معنی ادھار لینے کے ہیں ۔ علم بیان کی رو سے جب کوئی لفظ اصل کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور اس کے حقیقی اور مجازی معنوں کا تعلق تشبیکا ہو تو اسے استعارہ کہتےہیں ۔ یوں سمجھ لیں کہ تشبیہ میں جو بات مشبہ میں ہوتی ہے اس کا ذکر استعارہ میں نہیں ہوتا لیکن استعارہ میں مشبہ بہ کو مشبہ مان لیا جاتا ہے۔ مثلاً: ماں اپنے بچے کے لیے کہے: چاند سو رہا ہے۔

استعارہ کی شعری مثال دیکھیے:

اک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

ارکان استعارہ: استعارہ کے تین ارکان ہوتے ہیں۔

ا۔ مستعار لہ: جس کے لیے لفظ اُدھار لیا جائے اس کا ذکر استعارے میں نہیں ہوتا۔ اوپر دی گئی مثالوں میں بچہ اور عظیم شخصیت بطور مستعار لہ لوگوں کے استعمال ہوئے ہیں۔

۲۔ مستعار منہ: جس لفظ سے معنی اُدھار لیے جائیں۔ جیسے اوپر دی گئی مثالوں میں چاند اور روشن دماغ

۳۔ وجہ جامع: مشترک خوبی یا خامی، مثلاً: اوپر دی گئی مثالوں میں خوبصورتی اور علم کی روشنی۔

ج۔ کنایہ

کنایہ کے لغوی معنی چھپی ہوئی، پوشیدہ یا مبہم بات کے ہیں۔ جب کوئی لفظ حقیقی کی بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اُس سے حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکیں۔ مثلاً: بال سفید ہوگئے مگر عادتیں نہ بدلیں۔ یہاں بال سفید ہونا سے مراد عمر کا زیادہ ہونا ہے۔

اُسے کالے نے کاٹا سے مراد سانپ نے کاٹا۔

د۔ مجاز مرسل:

اگر کسی لفظ کو حقیقی کی بجائے مجازی (غیر حقیقی) معنوں میں استعمال کیا جائے اور دونوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اُسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔

مجاز مرسل کے استعمال کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

i. جزو کہہ کر کل مراد لینا۔ مثلاً: انسان کی زندگی چار دن کی ہے۔

ii. کُل کہہ کر جزو مراد لینا۔ مثلاً: احمد لاہور میں رہتا ہے۔

iii. ظرف کہہ کر مظروف مراد لینا۔ مثلاً: اکرم نے بوتل پی۔

iv. مظروف کہہ کر ظرف مراد لینا۔ مثلاً: چائے چولہے پر رکھی ہے

۶۔ درج ذیل مثالوں میں سے تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل کی شناخت کریں۔

i. مغلوں نے لودھیوں کو شکست دی۔

ii. صبح صبح پھول کی پتیوں پر موتی چمک رہے تھے۔

iii. وہ بڑا تنگ دل ہے۔

iv. چاند جیسا خوب صورت چہرہ۔

۷۔ درج ذیل واحد کے جمع بنائیں اور انھیں جملوں میں استعمال کریں۔

زمانہ، اثر، دوا، سوال، قدر، فرعون، شریک، دور

سرگرمی

تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل کی ایک ایک شعری مثال لکھیں۔

۳

غزل

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

بولنا
- مباحثوں، مذاکروں میں موضوع کے حق یا مخالفت میں حصہ لے سکیں۔
- کسی ادبی، علمی یا صحافتی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں سامعین کے سامنے درست تلفظ، لب و لہجے کے ساتھ زبانی تقریر کر سکیں۔

پڑھنا
- مختلف مصنفین / شعرا کے ادب پارے پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کی اہمیت پر رائے دے سکیں۔
- معلوماتی کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلوپیڈیا، لغات وغیرہ سے حوالہ جاتی مواد تلاش کر کے برمحل استعمال کر سکیں۔

لکھنا
- غزل کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔

قواعد / زبان شناسی
- نئے الفاظ بناتے ہوئے سابقوں اور لاحقوں کا استعمال کر سکیں۔

خاص	بے باکی	تہمت	خُو	ظرفہ
الفاظ	عشاق	مَشقِ سُخَن	مُشَقَّت	نالہ

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو قاموس مترادفات، انسائیکلوپیڈیا، انٹرنیٹ اور لغات سے حوالہ جاتی مواد تلاش کرنے کا طریقہ بتائیں۔

مولانا حسرت موہانی (۱۸۷۵ء۔۱۹۵۱ء)

سید فضل الحسن نام، حسرت تخلص قصبہ موہان، ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید اظہر حسن تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ علی گڑھ کالج سے بی۔اے کیا۔ شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ شعر کہنا شروع کیا تو اصلاح کے لیے تسنیم لکھنوی سے مشورہ کرتے رہے۔ شاعر ہونے کے علاوہ وہ تحریکِ آزادی کے اہم رہنما تھے، اس لیے زندگی کا بڑا حصہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے گزارا۔ اس دوران میں ان کی مالی حالت تباہ ہو گئی مگر انھوں نے ہر مصیبت کو ہنس کر سہا اور چکی کی مشقت کے ساتھ ساتھ مشقِ سخن کو بھی مرتے دم تک جاری رکھا۔

حسرت کو "رئیس المتغزلین" کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اردو غزل کو ایک نیا لہجہ اور توانائی دی ہے۔ ان کے کلام میں بے ساختگی، نکتہ آفرینی اور حسن و عشق کی کیفیات کا دل کش امتزاج ہے، مگر ان کی پہچان عاشقانہ لب و لہجے اور بے پناہ سادگی کے باعث ہے۔ انھوں نے غزل کو حقیقی انسانی جذبات کا ترجمان بنایا اور اس میں آزادی و حریت کی ایسی تڑپ پیدا کی ہے جو ان سے پہلے کم نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری کے تیرہ دیوان، **کلیاتِ حسرت موہانی** کے عنوان سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئے۔ **نکاتِ سخن**، فن شاعری کے نکات سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ ان کی کتاب **مشاہداتِ زنداں** میں ان کی قید و بند کا احوال درج ہے۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- ہندوستان میں آزادی کی تحریک میں شاعروں نے کیا کردار ادا کیا ہے؟
- حسرتؔ موہانی غزل کے بڑے شاعر تھے یا ایک سیاسی رہنما؟

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی

جو چاہو سزا دے لو تم اور بھی کھل کھیلو
پر ہم سے قسم لے لو، کی ہو جو شکایت بھی

خود عشق کی گستاخی سب تجھ کو سکھا دے گی
اے حُسنِ حیا پرور، شوخی بھی شرارت بھی

عُشاق کے دل نازک، اس شوخ کی خُو نازک
نازک اِسی نسبت سے ہے کارِ محبت بھی

رکھتے ہیں مرے دل پر کیوں تہمت بے تابی
یاں نالۂ مضطر کی جب مجھ میں ہو قوت بھی

اے شوق کی بے باکی وہ کیا تیری خواہش تھی
جس پر انھیں غصہ ہے انکار بھی حیرت بھی

ہیں شادؔ و صفیؔ ،شاعر یا شوقؔ و وفاؔ حسرتؔ
پھر ضامنؔ و محشرؔ ہیں اقبالؔ بھی وحشتؔ بھی

(دیوانِ حسرتؔ موہانی۔ حصہ اول)

مشق

بولنا

۱۔ اپنے سکول میں اپنے استاد محترم / استانی صاحبہ کی نگرانی اور رہ نمائی میں درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک موضوع پر مباحثہ اور مذاکرہ منعقد کرائیں۔ خود بھی اس موضوع کے حق یا مخالفت میں حصہ لیں۔

الف۔ برداشت اور رواداری ب۔ وطنیت ج۔ سوشل میڈیا کے آداب

پڑھنا

۲۔ حسرت موہانی اُردو غزل گوئی کے ایک اہم شاعر ہیں۔ انھیں قدیم غزل گو اساتذہ سے بڑا لگاؤ رہا ہے اُن کے فکر و فن کا نہ صرف مطالعہ کیا بلکہ خود بھی ان کی شاعری سے فیض یاب ہوئے لیکن حسرت موہانی کا گہرا تعلق سیاست سے بھی رہا۔ تحریک آزادی ہندوستان میں عملی جدوجہد کی پاداش میں

اُنھیں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ اُن کی شاعری پڑھ کر اُس زمانے کی تاریخ سے واقفیت حاصل کریں کہ آزادی کی خاطر کوشش کرنے والوں کو کن کن آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے اور قابض حکم ران ظلم کے کون کون سے پہاڑ توڑتے ہیں۔ مثلاً:

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی
اچھا ہے ، اہل جور کیے جائیں سختیاں
پھیلے گی یونہی، شورشِ حب وطن تمام
ہم قول کے صادق ہیں اگر جان بھی جاتی
واللہ! کہ ہم خدمت انگریز نہ کرتے

بالکل اسی طرح فلسطینی عوام کی دربدری اور کرب ناک زندگی، ترقی پسند شاعر فیض احمد فیض کی شاعری کا اہم موضوع رہی ہے۔ انھوں نے فلسطینیوں کے حوالے سے کئی نظمیں تحریر کیں تاکہ اس عالمی مسئلے کی بہتر انداز میں نشان دہی ہو سکے۔ فلسطینی شہدا جو پردیس میں کام آئے" جیسی نظموں میں فلسطینیوں کی حمایت کی ہے۔ فیض احمد فیض نے اپنا پورا شعری مجموعہ مرے دل مرے مسافر" فلسطینی رہ نما جناب یاسر عرفات کے نام کیا ہے۔ آپ درج بالا تینوں منظومات کو پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کی اہمیت اور حل کے حوالے سے تجاویز پیش کریں۔

۳۔ مسئلہ فلسطین، مسئلہ کشمیر کے متعلق معلومات کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ انسائیکلوپیڈیا، لغات وغیرہ سے حوالہ جاتی مواد تلاش کریں اور ایک تحریر لکھتے ہوئے ان کا برمحل استعمال کریں۔ مواد کے حصول کے سلسلے میں درج ذیل شخصیات کو ضرور پیش نظر رکھیں۔

i. جناب یاسر عرفات
ii. جناب محمود درویش
iii. ڈاکٹر نمر سلطانی
iv. سید علی گیلانی
v. گلاب سنگھ (مہاراجا)
vi. سردار محمد عبدالقیوم خان
vii. حبہ خاتون

لکھنا

۴۔ غزل کے درج ذیل اشعار کے حوالوں (شاعری کا پس منظر، اندازِ بیاں، شعری محاسن کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں۔

جو چاہو سزا دے لو تم اور بھی کُھل کھیلو
پر ہم سے قسم لے لو ، کی ہو جو شکایت بھی
عشاق کے دل نازک، اُس شوخ کی خُو نازک
نازک اسی نسبت سے ہے کارِ محبت بھی

قواعد/زبان شناسی

۵۔ درج ذیل سابقوں، لاحقوں سے تین تین الفاظ بنائیں۔

بے:			
خوش:			
نا:			
خانہ:			
گر:			
مند:			

سرگرمیاں

۱۔ علامہ اقبال کی شاعری میں "کشمیر" کے حوالے سے لکھے گئے پانچ اشعار ڈھونڈ کر لکھیں۔

۲۔ "ذہنی دباؤ پر قابو پانا" یا "صحت و صفائی" کے موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں کلاس کے طلبہ کے سامنے درست تلفظ، لب و لہجے کے ساتھ زبانی تقریر کریں۔

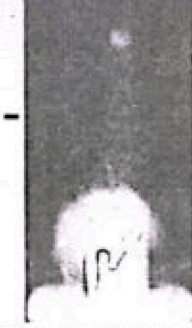

غزل

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- **سننا** • منظوم کلام سے متعلق اشارات اور اہم نکات سُن کر ان کے فہم کا تجزیہ کر سکیں۔
- **پڑھنا** • متن پڑھ کر خیالات، آرا اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے رائے پیش کر سکیں۔
  • غزل کی شاعری میں مطلع اور مقطع کی شناخت کر کے ان کے فرق کو سمجھیں۔
- **لکھنا** • غزل کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- **قواعد/زبان شناسی** • اصناف نظم کے محاسن کو شناخت کر سکیں۔ (علم بدیع)
  • درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب استعمال کر سکیں۔

خاص الفاظ	اِذن	آئینہ گو	پیرایہ	حُسنِ تکلم	سَماعت
	کڑا وقت	مُنفعِل	نقارۂ الزام	وحشَت	

ہدایات برائے اساتذہ کرام

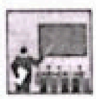

• طلبہ کو غزلیہ اشعار کے حوالوں (شاعری کا پس منظر، اندازِ بیان، شعری محاسن کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کرائیں۔

زہرا نگاہ (۱۹۳۶ء)

زہرا نگاہ نامور شاعرہ ہیں۔ محترمہ زہرا نگاہ ۱۴ مئی ۱۹۳۶ء حیدر آباد (دکن) میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ ان کا اصل نام فاطمہ زہرا ہے۔ آپ کے والد قمر مقصود کا شمار بدایوں کے ممتاز لوگوں میں ہوتا تھا۔ جب کہ مشہور ڈراما نویس فاطمہ ثریا بجیا آپ کی بڑی بہن اور مقبول عام ہمہ جہت تخلیق کار، انور مقصود آپ کے بھائی ہیں۔ زہرا نگاہ کا خاندان تلاشِ معاش میں حیدر آباد دکن میں آباد ہو گیا۔ تقسیمِ ہند کے بعد زہرا نگاہ اپنے خاندان کے ساتھ حیدر آباد دکن سے ہجرت کر کے کراچی آ گئیں اور یہیں پر اپنی تعلیم مکمل کی۔ زہرا نگاہ کو شعر و سخن کا ذوق ورثہ میں ملا۔ اس لیے آپ نے صرف گیارہ سال کی عمر میں ایک نظم "گڑیا گڈے کی شادی" لکھی۔ زہرا نگاہ نے جگر مراد آبادی کو اصلاح کی غرض سے ابتدائی کلام دکھایا مگر جگر مراد آبادی نے یہ کہ کر اصلاح سے انکار کر دیا کہ تمھارا ذوقِ مستحسن خود ہی تمھارے کلام کی اصلاح کر دے گا۔ حکومتِ پاکستان نے ان کی ادبی خدمات کے صلے میں صدارتی تمغا برائے حسن کارکردگی کا اعزاز عطا کیا۔ ان کی تصانیف میں: فراق، شام کا پہلا تارا، ورق مجموعہ کلام (کلیات) شامل ہیں۔

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- اردو شاعری میں خواتین کا کردار کیا ہے؟
- پروین شاکر کی وجہ شہرت کیا ہے؟

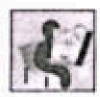

پڑھیں

یوں کہنے کو پیرایۂ اظہار بہت ہے
یہ دِل، دلِ ناداں سہی، خوددار بہت ہے

دیوانوں کو اب، وسعتِ صحرا نہیں درکار
وحشت کے لیے، سایۂ دیوار بہت ہے

بجتا ہے، گلی کوچوں میں، نقارۂ الزام
ملزم کہ خموشی کا، وفادار بہت ہے

جب حُسن تکلّم پہ، کڑا وقت پڑے تو
اور کچھ بھی نہ باقی ہو، تو تکرار بہت ہے

خود آئینہ گر آئینہ چھوڑے ،تو نظر آئے
دہکا ہوا ہر شعلۂ رخسار، بہت ہے

مُنصف کے لیے، اِذنِ سماعت پہ ہیں پہرے
اور عدل کی زنجیر میں جھنکار بہت ہے
(فراق)

مشق

سننا

۱۔ زہرا نگاہ نے اپنی غزل کے درج ذیل تین اشعار میں جن خیالات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔اُن کے متعلق اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ سے پوچھیں۔ ان اشارات اور اہم نکات کو سُن کر اُن فہم کا تجزیہ کریں۔

یوں کہنے کو پیرایۂ اظہار بہت ہے
یہ دل ، دلِ ناداں سہی خوددار بہت ہے
بجتا ہے گلی کوچوں میں نقارۂ الزام
ملزم کہ خموشی کا وفادار بہت ہے
منصف کے لیے اِذنِ سماعت پہ ہیں پہرے
اور عدل کی زنجیر میں جھنکار بہت ہے

پڑھنا

۲۔ غزل کا درج ذیل متن پڑھ کر خیالات، آرا اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اپنی رائے (تحریری/زبانی) پیش کریں۔

دیوانوں کو اب وسعت صحرا نہیں درکار
وحشت کے لیے سایۂ دیوار بہت ہے
جب حسن تکلم پہ کڑا وقت پڑے تو
اور کچھ بھی نہ باقی ہو تو تکرار بہت ہے

۳۔ درج ذیل اشعار میں سے مطلع اور مقطع کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے فرق کی وضاحت کریں۔

دِل میں اِک لہر سے اُٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی
وقت اچھا بھی آئے گا ناصرؔ
غم نہ کر، زندگی پڑی ہے ابھی

لکھنا

۴۔ غزل کے درج ذیل اشعار کی حوالوں (شاعری کا پس منظر، اندازِ بیان، شعری محاسن کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں۔

بجتا ہے گلی کوچوں میں اب نقارۂ الزام
ملزم کہ خموشی کا وفادار بہت ہے
خود آئینہ گر، آئینہ چھوڑے تو نظر آئے
دہکا ہوا ہر شعلہ رخسار بہت ہے

قواعد/زبان شناسی

اصنافِ نظم کے محاسن کی شناخت (علم بدیع):

بدیع کے معنی ہیں انوکھا، نوایجاد شے، اور تنی ہوئی رسی۔ اصطلاح کے طور پر بدیع سے مراد وہ علم ہے جس سے کلام کو اور زیادہ اثر آفریں اور دلکش بنا یا جاسکے۔ علم بدیع کو علم معنی بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح شاعری میں معنی آفرینی، لطافت اور تخلیقی رفعت پیدا کرنے کے لیے جو پیرایۂ اظہار اختیار کیا جاتا ہے اسے صنعت کہتے ہیں۔ صنائع کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ صنائع معنی اور صنائع لفظی۔ صنائع معنی سے کلام میں معانی اور صنائع لفظی سے کلام کے لفظوں میں حسن وجمال پیدا ہوتا ہے۔

(الف) صنعت تلمیح

تلمیح ایک معنوی صنعت ہے جس میں کسی مشہور تاریخی واقعے قصے یا مسئلے کی طرف شعر میں تاثیر پیدا کرنے کے لئے مختصر الفاظ میں اشارہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

(ب) صنعتِ تکرار:

کلام میں ایک لفظ یا الفاظ کو تکرار کے ساتھ یا بار بار استعمال کرنا۔ مثلاً:

روتے روتے کون سویا خاک پر
ہنستے ہنستے کس کا جھولا رہ گیا

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

(ج) صنعتِ تضاد:

تضاد عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں ایک شے کا کسی دوسری شے کی ضد ہونا۔ علمِ بدیع کی اصطلاح میں جب شاعر اپنے کلام میں دو ایسے الفاظ لائے جو ایک دوسرے کی ضد ہوں تو اسے صنعتِ تضاد کہا جائے گا۔ جیسے:

محبت میں خیال خودکشی پیہم ضروری ہے
کہ مرنا سخت لازم اور جینا کم ضروری ہے

اس شعر میں "مرنا" اور "جینا" دو لفظ ایسے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس طرح اس شعر میں صنعتِ تضاد استعمال ہوئی ہے۔

۵۔ درج ذیل اشعار میں صنعتِ تلمیح، صنعتِ تکرار اور صنعتِ تضاد کی نشان دہی (شناخت) کریں۔

کربلا میں جب داخلۂ شاہِ دیں ہو
تو دشت بلا نمونۂ خُلدِ بریں ہوا

رونا ہے اب ہنسی خوشی کا
ماتم ہے بہار زندگی کا

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

پتا پتا، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

میں خزاں کی شام ہوں
رُت بہار کی ہے تُو

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

۶۔ درست تلفظ کی فہم کے لیے درج ذیل الفاظ پر اعراب لگائیں:

پیرایۂ اظہار، وسعتِ صحرا، نظارہ، تکلم، ملزم، منصف

سرگرمی

شاملِ نصاب نظم "آمدِ صبح" سے صنعت تضاد، صنعت تکرار اور صنعت تلمیح کی شعری مثالوں کی شناخت کریں اور الگ سے لکھیں۔

فرہنگ

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
پیوند	چھوٹے چھوٹے ٹکڑے	جاہ پسند	شان و شوکت پسند کرنے والا
حجرہ	کمرا	دائمی	ہمیشہ سے
دقیق	مشکل، پیچیدہ	زر و سیم	سوناچاندی مراد مال و دولت
زیرِ نگیں	ماتحت	صاع	وزن کا ایک پیمانہ
ظلِ عاطفت	شفقت کا سایہ	عار نہ ہونا	ناپسند نہ تھا
غیر متبدل	جو تبدیل نہ ہو	متانت	سنجیدگی
مقروض	جس پر قرض ہو	ناگہانی	اچانک آجانے والی

محسن محلہ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بابت	کے متعلق	جھلا کر	تنگ آکر
دہلیز	دروازے کے سامنے آمد و رفت کی جگہ	ڈھنگ	طریقہ، سلیقہ
رسم و راہ پیدا کرنا	تعلق بنانا	شیخی بگھارنا	بڑا بول بولنا
کنگنی	باجرے کی طرح کی ایک فصل	گھگھی بندھنا	روتے روتے سانس بند ہونا
منشی گیری	حساب کتاب رکھنے کا پیشہ	ہیرا پھیری	دھوکہ، چکر بازی

کفارہ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
پلندہ	ڈھیر، بہت زیادہ	تشفی	تسلی، دلاسا
جاں براری	جان چھوٹنا	جگر دوز	بہت دردناک
چشم پوشی فرمانا	توجہ نہ دینا، چھپانا	چکنی چپڑی باتیں کرنا	خوشامد، جھوٹ موٹ کی تعریف
حواس مفلوج ہو جانا	ہوش میں نہ رہنا	خلش	خواہش جو پوری نہ ہو
خفت	شرمندگی	درگت	بُری حالت
سانحات	دکھ کے واقعات	سوزش	سُوجنا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
صد گونہ	سوگنا	قلانچ	مالی طور پر کچھ نہ بچنا
کلیجہ ٹھنڈا کرنا	دل کو سکون دینا	لنگوٹیا یار	بچپن کا دوست
مٹر گشت کرنا	بے کار گھومنا	مردم شناس	انسانوں کی پہچان
مقدم سمجھنا	فوقیت دینا، بہتر سمجھنا	نالہ دل خراش	دکھ سے رونا، فریاد جو دل پر اثر کرے
نصیبوں جلی	بد قسمت	نفرین	برا بھلا کہنا، بد دعائیں دینا
نیت برگشتہ ہو جانا	نیت خراب ہو جانا		

چغل خور

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ادھ موا	مرنے کے قریب	بہتیری	بہت زیادہ
تعجب	حیرت	چھاچھ	لسی
حسب معمول	معمول کے مطابق	روہانسا	رونے جیسی حالت
سر توڑ کوشش	پوری طاقت سے کوشش کرنا	شش و پنج	حیرانی، الجھن، اندیشہ
فتنہ پروری	جھگڑا فساد کرنا	کوڑھی	جسے کوڑھ کا مرض ہو
مروت	لحاظ	ہلکان	تھکا ہوا

دستک

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اصرار کرنا	ضد کرنا	ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا	بہت زیادہ تکلیف سے مرنا
ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا	مسلسل دیکھنا	جنبش	حرکت
دستک	دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز	سر کھجانے کی فرصت نہ ہونا	بہت زیادہ مصروف ہونا
ناغہ کرنا	روک دینا، وقفہ کرنا	واہمہ	وہم

اولڈ ایج ہوم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
حائل ہونا	رکاوٹ بننا	سرزنش	ڈانٹ ڈپٹ کرنا
سرخوشی	بہت زیادہ خوشی	دوبھر ہونا	مشکل ہونا
لجاجت	منت سماجت	منتشر ہونا	بکھر جانا
بے دھیانی	توجہ نہ ہونا	ورق گردانی	کتاب کے صفحے پلٹنا

میرا گاؤں

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اینچ پینچ	گھما پھرا کر کہنا، فریب کی بات	پربتوں	پہاڑوں
پگڈنڈی	کھیتوں کے بیچ تنگ راستا	جی للچانا	خواہش پیدا ہونا
خراس	آٹے پیسنے کی چکی، کولہو، رہٹ	سفید پوش	سفید کپڑے پہننے والا
سنولاہٹ	سانولا رنگ	گدکارے لگانا	چھلانگیں لگانا

سرسید کا بچپن

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اشراف	اعلیٰ خاندان کے لوگ	بہ تدریج	درجہ بہ درجہ، آہستہ آہستہ
جبلی	فطری، طبعی	چنداں	اس قدر، اتنی، ایسی
خصلتیں	عادتیں	دیوان خانہ	مہمان خانہ
رفتہ رفتہ	آہستہ آہستہ	ریاضت	محنت
صریح امتیاز	واضح فرق	فی الواقع	حقیقت میں
گہنے	زیور	گیڑیاں	لکڑیاں جن سے لڑکے کھیلتے ہیں
گھرکنا	ڈانٹنا	موقوف ہونا	ختم ہونا، رک جانا

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اضطراب	بے چینی	بر سبیل تذکرہ	سرسری ذکر، باتوں باتوں میں ذکر آنا
تقطیع	ٹکڑے کرنا، کاغذ کی لمبائی چوڑائی، سائز	جل ترنگ	موسیقی کا ایک آلہ
خوابیدہ	سویا ہوا	طمانیت	تسلی، اطمینان
لٹھ	ڈنڈا	لطیف	پاکیزہ
لغویات	بے کار باتیں	ملامت	برا بھلا کہنا
ممنون	شکر گزار	نابکار	ناکارہ، بدمعاش

دنیا میرے آگے

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
استخوان	ہڈیاں	آراستہ	سجا ہوا
حشمت	شان و شوکت	رزمیے	جنگ کے جذبات ابھارنے والی نظمیں

سنجاب	قیمتی کپڑا	عظمتِ رفتہ	ماضی کی شان و شوکت
عینی گواہ	جس نے کوئی واقعہ خود دیکھا ہو	قانون دہندہ	قانون دینے والا
محتسب	حساب / محاسبہ کرنے والا منصف	مخبوط الحواس	جو اپنے ہوش و حواس میں نہ ہو
مزین	سجا ہوا	نفیری	موسیقی کا ایک آلہ

کچھ ذریعۂ تعلیم کے بارے میں

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اشیائے تعیش	عیش و نشاط والی چیزیں	اعتبار ساقط ہونا	اعتبار ختم ہو جانا
اندیشہ	ڈر، خوف	آب یاری کرنا	پانی دینا، سینچنا
تصفیہ	فیصلہ	تنوع	قسم قسم کا ہونا، رنگ بہ رنگ
حریف	مخالف	رائے عامہ	عام لوگوں کی رائے
سعیِ لاحاصل	کوشش جس کا کوئی پھل نہ ملے	شادمانیاں	خوشیاں
گڑگڑی	چھوٹا حقہ	مشتقات	کسی لفظ یا اس کے اصل ماخذ سے بننے والے الفاظ

حمد

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بے نشاں	بغیر نشان کے	پنہاں	چھپا ہوا، پوشیدہ
جلوت	ظاہر، آشکار، محفل	چمن	باغ
خلوت	تنہائی، اکیلا پن	عیاں	ظاہر
باغباں	مالی	محرمِ راز	رازدار

نعت

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اصرار	ایک بات بار بار کہنا	آبِ بقا	ہمیشہ زندہ رکھنے والا فرضی پانی
خاکِ شفا	شفا دینے والی مٹی / خاک	ختم الانبیا	جن کے بعد کوئی نبی نہیں آنا
سراپا گوش ہونا	مکمل توجہ سے سننا	شریعت	مکمل دین
غبارِ راہ	راستے کی دھول	نورِ وحدت	توحید کی روشنی

خطاب بہ جوانانِ اسلام

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اسلاف	بزرگ	آبا	والدین، دادا پڑدادا
آئینِ جہاں داری	دنیاوی زندگی کے اصول	آئینِ مسلم	تسلیم شدہ اصول
تاجِ سرِ دارا	ایرانی بادشاہ دارا کے سر کا تاج	تدبر	سوچ، فکر
ثریا	کہکشاں	جہاں آرا	دنیا کو خوب صورت بنانے والے
جہاں بان	دنیا کی باگ ڈور سنبھالنے والے	جہاں گیر	دنیا پر چھائے ہوئے
خلاق	بنانے والے	تمدن آفریں	خوب صورت تہذیب دینے والے
شتربان	اونٹ پالنے	فزوں تر	زیادہ
گردوں	آسمان	گہوارا	مرکز
منعم	جسے نعمتوں سے نوازا گیا ہو	میراث	والد سے ملنے والی جائیداد/ ورثے میں ملی چیزیں
غیور	غیرت مند	نسبت	تعلق

آمدِ صبح

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اوس	شبنم	بہشت	جنت
چرخِ اخضری	نیلا آسمان	حباب	بلبلا
خجالت	شرمندگی	خوش الحانیاں	سریلی آواز میں گیت
دریچے	دروازے / کھڑکی / روشن دان	دم بہ دم	رک رک کے، ٹھہر ٹھہر کے
زبرجدی	نیلگوں	زرِ انجم	ستاروں کی دولت
سرِ کوہِ طور	طور کے پہاڑ کی چوٹی پر	سرگرمِ ذکرِ حق	اللہ کے ذکر میں مصروف
شفق	طلوعِ سحر کی روشنی	ضو	روشنی
طاؤس	مور	طائر	پرندے
غول	جھمگھٹا، ٹولی	قمری	سریلی آواز والا ایک پرندہ
کچھار	دریا کے کنارے نمی والی ٹھنڈی جگہ، شیر کے رہنے کی جگہ	مرغانِ باغ	باغ کے پرندے
مینائے لاجورد	نیلے رنگ کا پیالا مراد آسمان	نخل	پودا

آدمی نامہ

معانی	الفاظ	معانی	الفاظ
بے سہارا	بے نوا	نیک صالح بزرگ	ابدال قطب
تلوار	تیغ	دیکھتا ہے	تاڑتا ہے
دولت مند	زردار	جان قربان کرنا	جان وارنا
دل کو اچھا لگنے والا کام	کارِ دل پذیر	عبادت/پرہیزگاری	زہد
کہلاتا تھا	کہاتا تھا	بزرگوں سے رونما ہونے والے خلاف عادت عمل/کام	کشف و کرامات

وغیرہ

معانی	الفاظ	معانی	الفاظ
پھاڑ دیا	چاک کیا	بغیر لالچ کے	بے حرص
دانت	دندان	غلطی ہونا	خطا ہونا
فخر	ناز	مسکراہٹ	مسکان

مرزا غالب

معانی	الفاظ	معانی	الفاظ
تخت	اورنگ	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ	اعجازِ مسیحا
حرکت، حرکت کرنے کی قوت	جنبش	بچوں کا کھیل	بازیچۂ اطفال
صراحی	مینا	گرجا گھر	کلیسا
چیزوں کا وجود	ہستی اشیا	پوشیدہ	نہاں

مومن خان مومنؔ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
چرخ	آسمان	ذکرِ اغیار	غیروں کا ذکر
راحت فزا	سکون دینے والا	رنج	دکھ
عرض	گزارش، درخواست	مضطرب	بے چین، بے قرار
ناصح	نصیحت کرنے والا	وعدہ وفا	وعدہ پورا کرنے والا

حسرتؔ موہانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بے باکی	دلیری، بے خوفی	تہمت	الزام
خُو	عادت	طُرفہ	عجیب، انوکھی
عشاق	عاشق کی جمع، چاہنے والے	مشقِ سخن	شاعری کی مشق/مہارت
مشقت	محنت	نالہ	رونا دھونا، آہ وزاری

زہرؔا نگار

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آئینہ گر	آئینہ بنانے والا	اذنِ سماعت	سننے کی اجازت
پیرایہ	طریقہ، انداز، اسلوب	حُسنِ تکلم	گفتگو کرنے کا خوب صورت انداز
کڑا وقت	مشکل وقت	منصف	انصاف کرنے والا، جج
نقارۂ الزام	الزام کا ڈھول، یعنی الزامات لگانے کا عمل	وحشت	دیوانہ پن

مؤلفین کا تعارف

امجد اقبال

جناب امجد اقبال عرصہ پچیس سال سے اُردو مضمون کی تدریس و تعلم کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ پنجاب یونی ورسٹی سے ایم اے اردو اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم فل اُردو کی ڈگری حاصل کی۔ ۲۰۰۲ء میں بہ طور لیکچرار شعبہ اردو، اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز G-10/4 اسلام آباد سے ملازمت کا آغاز کیا اور اس وقت بہ طور صدر شعبہ اردو/ ایسوسی ایٹ پروفیسر کے خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ وفاقی تعلیمی بورڈ، اسلام آباد جیسے پروفیشنل ادارے میں متعدد بار کمیٹی آف کورسز کے رکن کی حیثیت سے بھی سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری سطح پر اپنی خدمات پیش کر چکے ہیں۔ سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری کلاسز کے اردو لازمی کے ماڈل پرچوں اور اسیسمنٹ فریم ورک کی تیاری میں ٹیم کا حصہ رہے ہیں۔ حال ہی میں فیڈرل بورڈ کے حاصلاتِ تعلم کی بنیاد پر بننے والے نئے پرچوں کی تیاری میں بھی کلیدی کردار ادا کیا۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن کی (اردو لازمی) کی نصابی کتابوں میں بہ طور شریک مصنف اور منتظم مصنف کام کیا۔

ڈاکٹر فردوس کوثر

ڈاکٹر فردوس کوثر دو دہائیوں سے اردو زبان و ادب کی تدریس اور ترویج و اشاعت سے وابستہ ہیں۔ آپ نے اردو زبان و ادب میں ایم۔اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد سے حاصل کی۔ آپ بزم فکر اقبال اسلام آباد شاخ کی سر گرم رکن ہیں۔ آپ قومی نصاب کونسل کی قومی اردو جائزہ کمیٹی (اول تا بارھویں جماعت) کا حصہ ہیں اور قومی نصاب ۲۳۔ ۲۰۲۲ء کے مطابق درسی کتب پر نظرِ ثانی کے فرائض انجام دے چکی ہیں۔ وفاقی تعلیمی بورڈ اسلام آباد میں بھی آپ نے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ آج کل آپ نیول ایجوکیشن اسلام آباد کے زیر اہتمام تعلیمی ادارے بحریہ کالج اسلام آباد میں بہ طور اسسٹنٹ پروفیسر فرائض منصبی انجام دے رہی ہیں۔